ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق
یہ ہماری کتاب تم پر حق بات کہتی ہے
مذہب اہل السنۃ والجماعۃ
مؤلف
پیر طریقت رئیس المناظرین شیخ القرآن
حضرت علامہ محمد رمضان صاحب نعمانی
رئیس جامعہ عثمانیہ احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور
ناشر
مرکز التحقیق الاسلامی
احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور

نام کتاب	مذہب اہل السنۃ والجماعۃ
تصنیف	علامہ محمد رمضان نعمانی
ناشر	مرکز تحقیق الاسلامی احمد پور شرقیہ
طبع اول	۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
تعداد	1000
مطبع	حسینیہ پریس ملتان
قیمت	

ناشر

کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان فون: 543841

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ قاسمیہ بنوری ٹاؤن کراچی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

القاسم بک ڈپو چوک منیر شہید احمد پور شرقیہ

مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے جہاد کے منسوخ اور حرام ہونے
کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے خود اقرار کیا کہ اس نے گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف جہاد
کو حرام ثابت کرنے کیلئے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں (تریاق القلوب
ص ۲۵) لیکن جب شمس کا یہ تیر خطا گیا تو اس نے ایک اور مہرہ تلاش کیا جس نے صرف
انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر انگریز حکومت کے خلاف جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا
وہ شخصیت اہلحدیث عالم مولوی محمد حسین بٹالوی گروہ اہلحدیث ہے۔ ان کے فتوے کا نام "الاقتصاد فی
مسائل الجہاد" اس فتوے کا تعارف و تعریف غیر مقلد محدث نواب صدیق حسن بھوپالی کے قلم
حقیقت رقم سے ملاحظہ فرمائیے۔ "۱۸۷۶ء میں مولوی محمد حسین سر گروہ موحدین (اہلحدیث)
لاہور نے اس فتوے ۔۔۔۔ کہ آیا معاہد گورنمنٹ ہند مسلمانان ہند کو جہاد کرنا اور اپنی مذہبی تکلیف
میں تحصیل الخلافۃ چاہیے۔ یا نہیں؟ یہ جواب دیا ہے کہ جہاد اور جنگ مذہبی معاہد برطانیہ گورنمنٹ یا
معاہد اس حاکم کے کہ جس نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ از روئے شریعت اسلام قطعاً مخالف و
ممنوع ہے اور وہ لوگ جو معاہد برطانیہ گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے کہ جس نے کوئی مذہب
ولی سے جہاد اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں کل ایسے لوگ باغی ہیں۔ اور مستحق کے حکم
باغیوں کے سے شمار ہوتے ہیں (یعنی یہ لوگ واجب القتل ہیں ۔ ق) پھر مولوی محمد حسین نے اپنے
اس رسالے اور جواب کی تصدیق کیلئے کل علماء پنجاب و ہند کے پاس اپنے جواب فتوے کو بھیجا اور اسی
طرح مشتہر کیا اور کل علماء ہند و پنجاب سے اس بات کی تصدیق کرا کے مہر و دستخط کرا لئے کہ جو مسلمانان ہند کو تحصیل
الخلافۃ اور جہاد معاہد برطانیہ گورنمنٹ ہند کرنا خلاف مذہب حنفی و ایمان موحدین (اہلحدیث) کے ہے۔ تو کل علماء پنجاب و
ہند نے تائید قول مولوی محمد حسین کی ہے۔ اور اپنا اپنا دستخط مہر کر کے مولوی محمد حسین کو اس فتوے میں ہم آواز
بنا لیا ہے اور سب نے بدل و جان [illegible] اسلامی و ایمانی سے اس فتوے کو قبول کیا ہے اور مان لیا ہے کہ معاہد
گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین (یعنی اہلحدیث جماعت) کو تحصیل الخلافۃ خلاف ایمان و اسلام ہے" (ترجمان وہابیہ ص ۲۱)
مولوی محمد حسین بٹالوی اس فتویٰ میں جید علماء سے اتفاق رائے حاصل کرنے کے لئے التماس کے عنوان سے لکھتے
ہیں کہ علماء اتفاق رائے ظاہر کریں اور اپنے نام ہائی مع دستخط و مہر [illegible] تحصیل مقام خطاب [illegible] سے تحریر میں لاکر
ارسال فرمائیں ہم ان اسموں کو بحصول رسالہ الاقتصاد [illegible] گورنمنٹ میں پیش کریں گے اور منصب [illegible] کی
نسبت ان کی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دیں گے (دیباچہ الاقتصاد ص ۲) مولوی محمد حسین بٹالوی نے
الاقتصاد میں اور نواب صدیق حسن خان نے ترجمان وہابیہ میں جگہ جگہ کھلا برطانیہ گورنمنٹ کے خلاف لڑنا جہاد نہیں
بلکہ بغاوت اور فساد ہے۔ اور اس میں قتل ہونا حرام موت مرنا ہے (الاقتصاد ص ۱۷) تیسری مشہور شخصیت جس

سے انگریزی حکومت کے خلاف حرمت جہاد کا فتویٰ دیا۔ دوسرے صاحب تھے بریلی کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان ان کے فتویٰ کا نام ہے "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" مقصد فتویٰ نام سے ظاہر ہے۔ اس فتویٰ کے صفحہ ۲ پر بھی واضح کر دیا ہے کہ اس میں اہل اسلام کی تحقیق ہے کہ ہندوستان دار الاسلام ہے۔ جو حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ کی بنا پر تھی ہندوستان دار الحرب ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس جہاد کو بھی حرام کر دیا۔ ہندوستان اگرچہ ظالم بد فرنگیوں کے قبضہ میں ہے پھر بھی ہندوستان دار الاسلام ہے اور دار الاسلام کے خلاف جنگ حرام ہے۔ نیز احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں (دوام العیش صفحہ ۱۲ لاہور) فرماتے ہیں "نص قرآن عظیم سے مسلمانان ہند کو جہاد کرنے کا حکم نہیں اور اس کو واجب بتانے والا مسلمانوں کا بدخواہ ہے (یعنی جہاد کو واجب بتانے والا مسلمانوں کا کھلا بدخواہ ہے) (المحجۃ المؤتمنہ صفحہ ۹۵) خلاصہ یہ کہ مرزا قادیانی نے کہا جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لئے جہاد حرام ہے۔ احمد رضا نے کہا جہاد کی شرطیں پوری نہیں اس لئے جہاد حرام ہے۔ سر سید نے کہا ہندوستان دار الاسلام ہے اس لئے جہاد حرام ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے انہی علماء کو دیکھ کر خوب کہا ہے۔

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند　　　　تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

برٹش گورنمنٹ کی تعریفات:

ان فتووں کے علاوہ ان لوگوں نے جہاں جہاد آزادی کو حرام ہونے کا فتویٰ دیا مگر برٹش گورنمنٹ کو دوام و استحکام بخشنے کی کوشش کی وہاں برٹش گورنمنٹ کی تعریفوں کے خوب گن گائے۔ ایک طرف مجاہدین ظالم فرنگیوں کی لوٹ کھسوٹ کی کہانیاں اور ظلم و ستم کی خونچکاں داستانیں سنا کر قوم کو بیدار کر رہے تھے اور اپنی مسلح تحریک اور دینی تحریکات چلا کر قوم کا خون گرما رہے تھے۔ تو دوسری طرف قوم و ملک کے دشمن یہ وہابی اور سرکار انگریز کے پجاری اپنا حق نمک ادا کرتے ہوئے برٹش گورنمنٹ کی ثنا خوانی کر کے غلام قوم کو غلامی پر قناعت کرنے کا درس دے رہے تھے۔ مرزا قادیانی کہتا ہے میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں کہ اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں۔

(تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۶۹)

گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ ہم بڑے آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے اور اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں...... اور اگر دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لئے جائیں تو وہاں بھی برٹش گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔ (برکات خلافت صفحہ ۹۵) از مرزا محمود جماعت کے بانی کے بیٹے اور حکیم

تقریظات و تصدیقات

کتاب مستطاب مذہب اہل السنۃ والجماعۃ
اکابرین محدثین و مفتیان و پیرانِ عظام اہل السنۃ والجماعۃ

امام المحققین والائمہ زمانہ جامع المعقول والمنقول شیخ القرآن والحدیث

حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مفتی اعظم پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ الذی احکم العقائد بکتابہ المبین و اوضحہا صاحب الشریعۃ المطہرۃ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم واجمع علیہا الصحابۃ والتابعون و تابعوہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اما بعد کتاب ملخص اہل السنۃ والجماعۃ مؤلفہ عالم و فاضل مناظر اہل السنۃ مولانا محمد رمضان صاحب نعمانی میں نے دیکھی جو مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور اعمال کے بارہ میں ترجمان کی گئی ہے اور مسائل کو بدلائل القرآن واضح کیا ہے اور حضرات صوفیہ کرام کی عبارات و ملفوظات سے حق و باطل کے درمیان پوری طرح تمیز کر دی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے عقائد اور اعمال اسی کے مطابق ہونے چاہئیں کیونکہ یہ مجموعہ بدلائل الشرعیہ ہیں جیسے کتاب مذکور میں جمع کرنے کے لئے کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال کئے ہیں اور صحابہ اور بزرگان دین کے اقوال سے جمع کئے گئے ہیں لہٰذا عقائد اور اعمال ان کے موافق ہونے سے نجات اخروی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اسے حضرت مؤلف و علماء کے لئے ذریعہ نجات اور مسلمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے آمین۔

امام المناظرین سلطان المحققین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی (لندن)

لندن اور آج دنیا میں حق و باطل کا معرکہ بپا ہوا ہے۔ شر کے الگ الگ مختلف محاذوں پر کفر و شرک، بدعات اور رسومات جاہلیت کا کام کر رہے ہیں۔ اور خیر کا لشکر ایک ہی ہے جو اہل السنۃ والجماعت کے نام سے عقیدہ توحید کے تحفظ اور سنت کی نصرت کے لئے کھڑا ہے۔ مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا محمد رمضان صاحب نعمانی بھی اسی محاذ کے سرگرم مجاہد اور شہسوار ہیں۔

استاذ العلماء حضرت مولانا فدا محمد صاحب استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ قمر غازیخان

کی مناظر اسلام قامع البدعۃ محی السنۃ علامہ محمد رمضان نعمانی صاحب کی کتاب مذہب السنۃ والجماعت کو دیکھا اور پڑھا۔ پڑھنے کے بعد دل خوش ہوا کہ علامہ موصوف نے اس دور فتن میں اہلسنت اور اہل بدعت کی بحث قرآن وسنت کی روشنی میں ایک عظیم کارنامہ فرمایا یقینا علامہ موصوف نے اہلسنت پر عظیم احسان کیا ہے اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔ فدا محمد ناظم دار العلوم [illegible] جامعہ اسلامیہ [illegible] غازی خان

پیر طریقت یادگار اسلاف حضرت مولانا پیر محمد اسحاق صاحب سجادہ نشین خانقاہ گلزار شریف
وبقیۃ السلف استاذ القراء حضرت حافظ عبد الکریم صاحب نواں والا ڈگرانی شریف
استاذ القراء خطیب اہل السنۃ حضرت مولانا قاری فضل القادر صاحب توحیدی پشاور

ہم فخر اہل السنۃ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب نعمانی کی کتاب مستطاب مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی لفظ بلفظ تائید کرتے ہیں، علامہ نعمانی نے یہ کتاب لکھ کر اہل السنۃ والجماعۃ پر احسان عظیم کیا ہے۔

احقر محمد اسحاق

فضل القادر توحیدی خطیب [illegible] پشاور — الراجی [illegible] — عبد الکریم عفی عنہ [illegible]

شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء حضرت مولانا شفیق الرحمن صاحب درخواستی

زیر نظر کتاب بے نظیر لاجواب مذہب اہل السنۃ والجماعۃ فخر اہل السنۃ مناظر اعظم وکیل علماء دیوبند حضرت علامہ محمد رمضان صاحب نعمانی کی تصنیف ہے جس میں مؤلف موصوف نے مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا ہے جس پر عمل پیرا ہونا ہر سنی مسلمان پر لازم ہے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کتاب ہذا کو امت مسلمہ کیلئے ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنائے مؤلف موصوف کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازے

فہرست

باقی بر صفحہ ۶۶۹

معبودِ حقیقی کون ہے

؟

قرآن وحدیث کا فیصلہ

ثواب میں سب سے زیادہ

صَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمْ

یہ درود شریف پڑھنے میں چھوٹا اور ثواب میں سب سے زیادہ ہے۔ جو شخص روزانہ پانچ سو مرتبہ اس کو پڑھے تو کبھی محتاج نہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ سیّد الانام محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

بحث شرک فی العبادت والالوہیّت

الٰہ چونکہ بمعنی معبود ہے اور وہ مشتق ہے عبادت سے۔ تو جب عبادت کی تشریح کی جائے گی تو الٰہ کا معنی خود بخود واضح ہو جائے گا۔

مقدمۂ اولیٰ: یہ یقینی چیز ہے کہ انسان کسی ہستی کے آگے اپنے اختیار سے انتہاء درجہ کی عاجزی و انکساری سے پیش نہیں آتا جب تک اس ہستی کی انتہاء درجہ کی عظمت اور اس کے تقدس کا قائل نہ ہو جائے۔ یعنی **اولاً** اس کے دل میں اس ہستی کی عظمت و جلالت کا رعب اور اس کی دھاک بیٹھ گئی

اور دستگیر ہو جائے گا۔ پھر یہ اس کی عظمت سے مرعوب اور اس کے کمال کا معتقد ہو کر اس کے لئے زبان، مال، اعمال سے عاجزی ظاہر کرے گا۔ جو اس ہستی کی عزت و تعظیم پر دلالت کرے گی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ عبادت میں دو چیزیں ہیں **اول مبادی** یعنی عابد کے دل میں عقیدہ کمال اور عظمت معبود اور اس کی محبت اور حقیقت میں یہی چیزیں محرک بنتی ہے معبود کی تعظیم ظاہری پر اور اسی مبدا کو تعظیم اعتقادیہ کہتے ہیں۔ **دوم غایات** یعنی اسی اعتقاد سے پیدا ہونے والے عابد کے وہ اقوال اور افعال جو معبود کی تعظیم اور عزت پر دلالت کریں جس کو تعظیم عملی کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تعظیم خواہ قولی ہو خواہ عملی ہو، خواہ مالی ہو۔ اصولی طور پر تعظیم اعتقادی سے پیدا ہوتی ہے۔

مقدمہ ثانیہ: اب یہ امر وضاحت طلب ہے کہ معبود کے کمال عظمت کا عقیدہ کس چیز سے پیدا ہوتا ہے۔ سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ وہ دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے **اول علم کامل**: یعنی علم مافوق الاسباب، خواہ ذاتاً خواہ عطاءً **دوم قدرت کاملہ** کرنے کی یعنی تصرف مافوق الاسباب، یا کرنے کی یعنی شفاعت قہریہ خواہ ذاتاً خواہ عطاءً۔

قدرے تشریح۔ اولاً: یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مطلق علم تو

ہر مخلوق میں پایا جاتا ہے اور پھر ہر مخلوق کا علم اسباب اور آلات ظاہریہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً سننے سے، پڑھنے سے، دیکھنے سے، وغیرہ لیکن وہ اس علم ماتحت الاسباب کی وجہ سے کسی ہستی کا ایسا گرویدہ اور اتنا مرعوب نہیں ہو جاتا کہ اس کے سامنے انتہا درجہ کی عاجزی و انکساری یعنی خدائی تعظیم کرنے لگے۔ ہاں اس کی عالمانہ تکریم و ادب ضرور بجا لائے گا۔ اور ایسے استاذ الکل شیخ فن علامۃ الدھر ضرور مان لے گا۔ لیکن خدائی تعظیم اس کی ہرگز نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ اس کا کمال مخلوقات کے کمالات کی جنس سے ہے یعنی ماتحت الاسباب ہے۔ اس سے بالاتر نہیں ہے۔ ہاں جب وہ کسی ہستی کے متعلق یہ گمان کرے گا کہ اس کو مافوق الاسباب غیبی قوت سے یعنی انسانی علوم کے اسباب عادیہ کے سوا ایسا علم حاصل ہے کہ وہ ہر وقت میری ہر نقل و حرکت، دکھ و سکھ کو جان رہا ہے، اور دیکھ رہا ہے اور میری ہر ندا و ثنا کو سن رہا ہے، یا وہ ہستی ہر وقت میرے ساتھ مافوق الاسباب معیت کاملہ کی وجہ سے حاضر و ناظر ہے خواہ روحاً فقط یا روح مع الجسد تب وہ اس ہستی کا گرویدہ ہو کر اس کے لیے خدائی تعظیم ادا کرنے لگ جائیگا۔ کیونکہ وہ جانے گا کہ یہ کمال مخلوق کے کمالات کی جنس سے نہیں ہے بلکہ خدائی کمال کی جنس سے ہے۔

ثانیاً: اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ اس عالم کے کاروبار میں تصرف کرنے کی قدرت ان اسباب ظاہریہ و آلات عادیہ کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے استعمال کے لیے پیدا کئے ہیں تو ہر مخلوق میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ کم و بیش ہی سہی تو یہ بھی گرویدگی اور خدائی تعظیم کا سبب نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ درجہ دیوجہ اس کے کہ کمالات مخلوق کی جنس سے ہے، خود عابد اور باقی مخلوق میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی ہستی کے متعلق یہ گمان کر لیتا ہے کہ اس کو مافوق الاسباب یعنی انسانی تصرف کے اسباب عادیہ کے سوا ایسی غیبی طاقت و قدرت حاصل ہے۔ خواہ ذاتاً یا عطاءً کہ جب وہ چاہے اپنی مرضی و اختیار سے مجھے نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تو وہ ایسی ہستی کے لیے ضرور گرویدہ ہو کر خدائی تعظیم ادا کرنے لگ جائے گا۔ کیونکہ وہ سمجھیگا کہ یہ کمال کمالات خلق کی جنس سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ کمال خدائی کمال کی جنس سے ہے۔

ثالثاً: اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ تمام مخلوق کا یہی حال ہے کہ جب کوئی ہستی بھی دربار ایزدی میں دعا کرتی ہے تو یہ دعا کبھی قبول ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ دعا بھی اسباب ظاہریہ میں سے ایک سبب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت حکیمانہ ہوتی ہے تو تاثیر پیدا کر دیتا ہے، ورنہ نہیں۔ اسی طرح

آخرت میں شفاعت بالاذن میں بھی شفیع، مختار نہیں ہوتا بلکہ اذنِ الٰہی کا محتاج ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں وجہیں انسان کے لیے کسی ہستی کے حق میں گرویدگی اور تعظیم خداوندی کا سبب نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ وہ جانے گا کہ یہ کمال بھی ماتحت الاسباب اور مخلوق کے کمال کی جنس سے ہے اور داعی اپنی قبولیت دُعا میں اور شفیع اپنی شفاعت میں مختار نہیں ہے۔ بلکہ اذن اور مشیت الٰہی کا محتاج ہے۔ لیکن جب وہ کسی ہستی کے متعلق یہ وہم قائم کرے کہ وہ ہستی دربار ایزدی میں ایسی پیاری' اور لاڈلی' دُلاری ہے یا صاحبِ وجاہت ودبدبہ ہے کہ جب چاہے اور جو چاہے خدا سے منوالیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بادل ناخواستہ اپنی مرضی چھوڑ کے اُس کی مرضی پُوری کرتا ہے اور اس کی بات کو ہرگز نہیں ٹالتا تب اُس کو اُس کے متعلق گرویدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تعظیم خدائی اس کے سامنے ادا کرنے لگتا ہے۔

کیا وجہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسا علم غیب اور ایسی قدرت غیبیہ جو انسانی اسباب وآلات علم وقدرت سے بالاتر ہو، یہ صرف شانِ الٰہی وخدائی ہے اور جب وہ کسی ہستی میں اس خدائی شان کا وہم کرلیتا ہے تو اُس کے سامنے

تعظیم بھی خداوندی کرنے لگ جاتا ہے۔

دلیل: آپ جب قرآن پاک کی ورق گردانی کریں گے تو یہ بات نمایاں طور پہ آپ کو معلوم ہوگی کہ جس مقام پر اللہ تعالیٰ معبودیت والوہیت کو اپنے اوپر بند فرماتے ہیں اور ہر ماسوا اللہ تعالیٰ سے الوہیت کی مطلقاً نفی فرماتے ہیں۔ تو وہاں دو چیزیں ضرور بیان فرماتے ہیں۔

اوّل یہ کہ مافوق الاسباب غیب دانی میرا شان ہے میرے سوا کسی ہستی میں بھی یہ صفت نہیں پائی جاتی نہ ذاتاً، نہ عطاءً۔ دوم: مافوق الاسباب عالم کے تمام کاموں میں صرف میں ہی متصرف ہوں، اور کوئی ہستی نہیں نہ (مختار تصرف) یعنی کرنے والی، اور نہ کوئی (شفیع قہری) یعنی کروانے والی، نہ ذاتاً اور نہ عطاءً۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ شرک فی العبادت والالوہیت کے لیے شرک فی التصرف اور شرک فی العلم محرک اور مبدا ہیں اور مشرکین کے عقیدہ میں بھی یہ دونوں لوازمات الوہیت سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے صرف ان ہی ہستیوں کو الٰہ بنا کر ان کی پوجا کی ہے جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ یہ مافوق الاسباب غیب دان اور متصرف یعنی کرنے والے یا کروانے والے ہیں۔ اور جن ہستیوں کے متعلق یہ خود

عقیدے قائم نہیں ہوئے۔ ان کو نہ اِلٰہ بنایا گیا اور نہ اُن کی پُوجا
کی گئی۔ اس لیے قرآن پاک نے بھی شرک فی الالوہیت کی ان
دونوں جڑوں کے کاٹنے پر زور دیا ہے۔

خلاصۃ المقدمتین:

یہ نکلا کہ شرک فی الالوہیت کا مبدا شرک فی العلم اور شرک
فی التصرف ہے۔

ماخذ

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تأخذہ سنۃ
ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع
عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم
ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء۔ پ۳۔ البقرہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے،
سب کا تھامنے والا، نہ اس کو اُونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند، اسی کا
ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، ایسا کون ہے جو اُس کی
اجازت کے سوا اس کے ہاں سفارش کر سکے۔ مخلوقات کے
تمام حاضر و غائب حالات کو جانتا ہے اور وہ سب اُس کی
معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ وہ
چاہتا ہے۔

فائدہ: اس آیت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ

نے یہ دعویٰ فرمایا کہ معبود صرف میں ہوں اور کوئی ہستی (نوری، ناری، خاکی وغیرہ) نہیں ہے۔ پھر اس کے دلائل بیان فرمائے۔ چنانچہ لہٗ مافی السمٰوٰت الخ میں ہر ماسویٰ سے مافوق تصرف کی نفی فرمائی اور من ذالذی الخ میں ہر ماسویٰ سے شفاعت قہریہ کی نفی فرمائی۔ اور یعلم مابین ایدیھم الخ میں ہر ماسویٰ سے مافوق الاسباب علم غیب کی نفی فرمائی۔ اس لیے کہ مشرکین جن کو الٰہ بناتے تھے انہی نظریات کے ماتحت بنایا کرتے تھے۔

معنیٰ لغوی عبادت

علامہ راغب لکھتے ہیں:

مآخذ

والعبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منھا لانھا غایۃ التذلل ولا یستحقھا الا من لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالیٰ۔ مفردات ص۳۳۱

ترجمہ: اور عبودیت کا معنی اظہار ذلت و عاجزی" اور کلمہ عبادت کا اس سے زیادہ زور دار ہے۔ اس لیے کہ اس کا معنیٰ ہے انتہا درجہ کی عاجزی اور اس کی مستحق صرف وہی ذات ہو سکتی ہے جس کے مخلوق پر انتہا درجہ کے انعام ہوں اور وہ صرف اللہ ہے

معنیٔ شرعی عبادت

کسی ہستی کے لیے اپنی مرضی سے قولاً یا فعلاً اظہارِ ذلت و عاجزی کرنا۔ اس اعتقاد سے کہ اس ہستی کو (مافوق الاسباب) انتہاء درجہ کی عظمت و بلندی حاصل ہے علم میں بھی اور قدرت میں بھی۔

تشریح و تفصیل: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ہستی کے متعلق خواہ وہ نوری، ناری، خاکی ہو یا کوئی اور چیز ہو، یہ دو عقیدے قائم ہو جاویں۔

اول یہ کہ وہ مافوق الاسباب غیب دان، سمیع و بصیر، حاضر و ناظر ہے خواہ ذاتاً یا عطاءً یعنی شرک فی العلم۔

دوم یہ کہ وہ مافوق الاسباب نفع و نقصان کا مالک و مختار ہے خواہ ذاتاً یا عطاءً اور جو امور اس کے حدود و اختیار سے باہر ہیں۔ ان میں وہ شفیع قہری ہے۔ خواہ ذاتاً یا عطاءً کہ اللہ تعالیٰ سے ضرور منوا لیتا ہے۔ یعنی شرک فی التصرف۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ان دو شرکیہ عقیدوں کے ماتحت اس ہستی کی خوشنودی و رضا، اور تقرب جوئی کی خاطر جس قسم کا قول مثلاً ندا، استغاثہ یا عشقیہ یا حمد و ثناء، یا اس کے سوز میں آہ و بکا یا اس کے نام کا ورد و حلف وغیرہ۔ یا فعل

بدنی، مثلاً قیام، رکوع، سجود، طواف، اعتکاف، حج وغیرہ یا فعل مالی مثلاً نذر اور خیرات اور تحریمات ادا کرے گا۔ وہی چیز اس ہستی کی عبادت بنے گی اور وہ ہستی اس کی الٰہ اور معبود اور یہ اس کا عابد بن جائے گا۔ اگرچہ وہ ان چیزوں کو زبان سے عبادت نہ کہے۔ بلکہ تعظیم و احترام ہی کہتا رہے۔ بس یہی شرک فی العبادت والالوہیت ہے۔

مخدوم علی مہائمیؒ لکھتے ہیں:

مآخذ [۱]

والعبادة تذلل للغير عن اختيار لغاية التعظيم

تفسیر مہائمی ص۲۴ ج۱۔

ترجمہ: عبادت کہتے ہیں اپنی مرضی سے کسی ہستی کیلئے اظہار ذلت و عاجزی کا کرنا اس نظریہ کے ماتحت کہ اس کو انتہاء درجہ کی عظمت حاصل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں:

مآخذ [۲]

یعنی غایت تذلل برائی نہایت تعظیم۔ تفسیر عزیزی ص۳۴ ج۱

ترجمہ: یعنی کسی کے لیے انتہاء درجہ کی عاجزی کرنا اس لیے کہ اس کو انتہاء درجہ کی عظمت حاصل ہے۔

خلاصہ: عبادت کہتے ہیں کسی ہستی کے

متعلق یہ عقیدہ و نظریہ قائم کرنا کہ اس کو غائبانہ اور مافوق الاسباب مخلوق پر غیب دانی اور نفع نقصان رسانی کی قوت اور تصرف حاصل ہے۔ خواہ ذاتاً یا عطاءً۔ یہ ہے عبادت اعتقادیہ و قلبیہ اب اس عقیدہ کے ماتحت اس ہستی کے تقرب و خوشنودی کے لیے جس قسم کی نقل و حرکت اور قول و فعل بدنی و مالی کرے گا۔ معمولی اور ادنیٰ سے لگا کر غیر معمولی اور اعلیٰ تک وہ سب اس ہستی کی عبادت ہوگی اور وہ ہستی اس کی معبود و الٰہ بن جانے گی۔ اور یہ شخص اس ہستی کا عابد بن جائے گا۔ خواہ زبان سے وہ شخص ان افعال کو عبادت کہے یا نہ۔ پھر یہ نظریہ اگر باری تعالیٰ کے متعلق قائم کرکے یہ افعال کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی اور ثواب ہوگا اور اگر غیر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھ کر یہ افعال کرے گا تو اس کی عبادت ہوگی اور شرک ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

ماخذ ۳

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة غيبية يقدر بها على النفع والضرر فكل ثناء ودعاء وتعظيم يصاحبه هذا الاعتقاد والشعور فهي عبادة۔ مدارج السالكين ص۴۰ ج ۱۔

ترجمہ :۔ عبادت عبارت ہے اس اعتقاد اور نظریہ سے کہ معبود کو اسباب عادیہ سے بالاتر تسلط اور قدرت غیبی ہے، جس کے ذریعہ وہ نفع اور نقصان رسانی کی قدرت رکھتا ہے۔ پس ہر پکار اور تعریف اور تعظیم جو اس عقیدہ سے پیدا ہو، وہ عبادت ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

مآخذ

پرستش آنست کہ سجدہ کند یا طواف نماید یا نام اُورا بطریق تقرب ورد سازد یا ذبح جانور بنام او کند یا خود را بندہ فلانی بگوید وہر کہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیزہا بعمل آرد فی الفور کافر میگردد و از مسلمانی می برآید۔ فتاوی عزیزی ص ۳۳ ج ۱۔

ترجمہ : عبادت یہ ہے کہ اس کا سجدہ یا طواف کرے یا اس کی خوشنودی کے لیے اس کے نام کا ورد کرے یا اس کے نام کا جانور ذبح کرے یا اپنے آپ کو اس کا بندہ کہے اور جاہل مسلمانوں سے جو شخص بھی اہل قبور کے ساتھ یہ کام عمل میں لاوے وہ فی الفور مسلمانی سے خارج ہو کر کافر ہو جائے گا۔

فائدہ عظیمہ:

سلف کی عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ہر قول و فعل تعظیمی عبادت نہیں بن جاتا بلکہ وہ تعظیم عبادت بنے گی، جو اپنے اختیار و مرضی سے ہو تو اکراہ و جبر کی تعظیم اس تعریف عبادت سے نکل جائے گی کیونکہ وہ عنداللہ عبادت نہیں بنتی۔ اسی طرح وہ تعظیم عبادت بنے گی جو محبت دل سے ہو جو حقیقی تعظیم ہے تو مسخرہ پن کی تعظیم بھی نکل جائے گی۔ اسی طرح وہ تعظیم عبادت بنے گی جو شرکیہ عقیدہ کے ماتحت ہو اگر شرکیہ عقیدہ سے بالکل خالی ہو کر کسی غیر اللہ کے لیے افعال تعظیمیہ ادا کرتا ہے تو یقیناً شرک نہ ہوگا لیکن شرع سے اس بات کی تحقیق کی جاوے گی کہ ان افعال تعظیمیہ کا مقام کیا ہے کیونکہ بعض تعظیمیں شرکیہ عقیدہ سے خالی ہونے کے وقت مخلوق کے لیے مباح ہیں جیسا کہ اپنے والدین و اکابر کے سامنے دوزانو بیٹھنا یا ان کے ہاتھوں کو چومنا یا بدلا یا ان کی خدمت میں پیش کرنا اور بعض تعظیمیں ایسی ہیں جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں کسی حالت میں بھی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں مثلاً رکوع سجدہ طواف، اعتکاف، حلف، نذر وغیرہ۔ اگرچہ شرکیہ عقیدہ سے خالی ہوں تب بھی غیر اللہ کے لیے حرام ہیں اگرچہ شرک نہیں۔

قرآنی فیصلہ

معبود حقیقی کون ہے

قرآن میں اس مسئلہ کو مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مشرکین اللہ جل شانہ کے قائل تھے اور اس کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔

مندرجہ ذیل صفات صرف اللہ تعالیٰ میں مانتے تھے اور ان میں کسی کو بھی خدا کا شریک نہیں سمجھتے تھے۔

زمینوں اور آسمانوں کا خالق، انسانوں کا خالق، سورج اور چاند کو اپنے حکم کے ماتحت رکھ کر چلانے والا، ہر شے پر غالب، بڑے علم والا، آسمانوں سے اپنی مرضی کے مطابق پانی اتارنے والا، پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے والا، تمام زمین و ما فیہا کو اپنی حکومت میں رکھنے والا، ہر ایک کو پناہ دینے والا، اور خود کسی سے پناہ نہ لینے والا، تمام جانداروں کو روزی دینے والا، کانوں اور آنکھوں کا مالک، زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے یعنی کافر سے مومن اور بالعکس، غلام سے آزاد اور بالعکس پیدا کرنے والا، سارے جہان کے کاموں کا مدبر۔

مشرکین مکہ دو خداؤں کے قائل نہ تھے کیونکہ وہ ایک ہی ذات کو اللہ کہتے تھے۔

اللہ جل شانہ کو اپنی صفات میں ایک ماننے کے بعد اپنے دوسرے معبودوں کو الٰہ کہتے تھے یعنی ان کو خدا کی صفات الوہیت میں خدا کا شریک بناتے تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تر مخالفت صرف اس بات میں تھی کہ اللہ جل شانہ کے سوا دوسرا کوئی الٰہ نہیں۔

اس مسئلہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مندرجہ ذیل اتہامات لگائے گئے:۔ شاعر، مجنون، ساحر، کذاب، کاہن، اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو گالیاں دینے والا وغیرہ۔

ان آیات میں وہ صفات مذکور ہیں جو مشرکین مکہ اللہ جل شانہ ہی میں مانتے ہیں

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (پ ٢١، عنکبوت ع ٦)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج و چاند کو کس نے مسخر کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کدھر بہکے جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اللہ ہی کشادہ کر دیتا ہے رزق اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۝

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد کس نے زندہ کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (پ ٢٥، زخرف ع ١)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں غالب اور سب کچھ جاننے والے نے پیدا کیا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (پ ٢٥، زخرف ع ٧)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ ہی نے۔

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (پ ١٨، مومنون ع ٥)

فرمادیجئے کہ زمین اور اس کی چیزیں کس کے قبضے میں ہیں اگر جانتے ہو تو بتاؤ۔ جلدی ہی

معبودیت کی نفی کے لئے مبعوث کیا گیا۔ آیت ذیل میں تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق اجمالاً بیان کیا گیا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (پ۱۷: انبیاء ۲۴)

آپ سے پہلے بھی ہر پیغمبر کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام پیامبر غیر اللہ کی معبودیت کی نفی کے لئے آئے تھے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق تفصیلی آیات حسب ذیل ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (پ۸: الاعراف ع۸)

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تو آپ نے کہا اے میری قوم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔

اس کے جواب میں نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (پ۲۹: نوح ع۲)

اور قوم نے کہا کہ اپنے معبودوں کو اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا تھا اپنے خود ساختہ معبودوں کو نہ ماننے کی وجہ سے انہوں نے نوح علیہ السلام کو گمراہ کہا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (پ۸، الاعراف ۶۰)

نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (پ۸، الاعراف ۶۵)

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ سو کیا تم ڈرتے نہیں۔

اس کے جواب میں قوم نے ہود علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (پ۱۲، ہود ع۵)

انہوں نے کہا اے ہود! تو کوئی صاف بات لے کر ہمارے پاس نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے ٹھاکروں (معبودوں) کو نہیں چھوڑیں گے اور ہم تجھے ماننے کے نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ توحید کی وجہ سے قوم نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اس قسم کی باتیں وہ شخص کرتا ہے جس کے ہوش ٹھکانے نہ ہوں۔ لہٰذا تیرے بھی ہوش و حواس خراب ہو چکے ہیں۔ تجھ پر ہمارے معبودوں کی مار پڑی ہے۔ نیز کہا۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (پ۲۶، الاحقاف ۲۲)

نیز جواب میں کہا کہ۔

قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ ٱللَّهَ وَحْدَهُۥ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝ (پ ۸

الاعراف: ۷۰ ع ۹)

انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم ہمارے معبودوں سے پھر جائیں؟ اگر تو سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب جس کا تو وعدہ کرتا ہے لے آ۔

انہوں نے کہا کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کریں؟ اور جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے چھوڑ دیں پس اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس وہ عذاب لے آ جس کا تو وعدہ کرتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۝ (پ ۸، الاعراف ع ۱۰)

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے کہا۔ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں

اس کے جواب میں قوم نے کہا:-

قَالُوا يَٰصَٰلِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ ۖ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِى شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ (پ ۱۲: ہود ع ۶)

معبودوں کی عبادت سے جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے منع کرتا ہے بیشک ہم اس (مسئلہ توحید) سے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے بڑے شک میں ہیں یعنی قوم نے کہا کہ اس مسئلے کے بیان کرنے سے پہلے ہم تجھے نیک خیال کرتے

تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ تو ہمیں ان حضرات سے جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے روکنے کے لئے آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (پ۱۶: مریم: ۴۲)

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے بے شک وہ بہت ہی سچا نبی تھا جب اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تو ان کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتے نہ دیکھتے اور نہ تیرے کچھ کام ہی آتے ہیں۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ تو ان کی عبادت کیوں کرتا ہے جو تیری بات بھی نہیں سن سکتے اور تجھ سے وہ کوئی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے۔

الحاصل نہ عالم الغیب ہیں، نہ حاضر و ناظر اور نہ ہی نفع نقصان کے مالک ہیں۔

اس کے جواب میں باپ نے یوں کہا:۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ (ایضاً)

اس نے کہا کیا تو میرے معبودوں سے روگردانی کرتا ہے اگر تو نہ رکا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور مجھ سے دور ہو جا ایک مدت تک۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بعض معبودوں کے ناک و کان وغیرہ کاٹ دیئے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کے معبود کچھ بھی نہیں کر سکتے قوم نے کہا:۔

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (پ۱۷، انبیاء ع۵)

انہی میں سے کچھ لوگ بولے:۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ؕ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ (حوالہ بالا)

انہوں نے کہا، ہمارے معبودوں سے یہ سلوک کس نے کیا وہ بڑا ظالم ہے۔

انہوں نے کہا، ہم نے سنا ہے کہ ایک نوجوان جسے ابراہیم کہتے ہیں ان کے متعلق کچھ کہتا رہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اسے دیکھ لیں۔

اسی وجہ سے قوم نے آخر میں یہ فیصلہ کیا:۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ

انہوں نے کہا: اس (یعنی ابراہیم علیہ السلام) کو جلا دو اس طرح تمہارے معبودوں کی بات رہ جائے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ

(پ۲۷، الذاریات: ع۲)

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا، اے بھیجے ہوئے تمہارا کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا ہم گنا ہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر پھینکیں جو کہ نشان زدہ ہیں تمہارے رب کے ہاں ــــ حد سے گزرنے والوں کے لئے۔ پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا ایمان والا۔ وہاں مسلمانوں کا ایک ہی گھر پایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط (پ ۸، الاعراف: ع ۱۱)

قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

جنہوں نے اس مسلک کو نہ مانا تھا انہوں نے جواب میں کہا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ط (الاعراف)

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝

شعیب (علیہ السلام) کی قوم کے متکبر لوگوں نے کہا اے شعیب ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ گے۔

انہوں نے کہا، اے شعیب کیا نماز پڑھنے نے تجھے یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے یا جو کچھ ہم اپنے مالوں میں کرتے ہیں۔ وہ چھوڑ دیں۔ تو بڑا بردبار اور نیک چلن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝ (پ ۱۶، طٰہٰ: ع ۱)

اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝

میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے پس جو وحی کی جا رہی ہے اس کو سن۔ میں اللہ ہوں

میرے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت کر اور میری یاد کرنے کیلئے نماز قائم کر۔ فرعون کی طرف جا وہ سرکش ہو چکا ہے۔

اس کے جواب میں فرعون نے کہا:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۝ (پ ۱۹، شعراء ع ۲)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلٰى إِلٰهِ مُوسٰى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ (پ ۲۰، قصص ع ۴)

فرعون نے کہا کیا معنی پروردگار عالم کے۔ کہا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، ان کا رب۔ اگر تم یقین کرو۔ جو اس کے پاس تھے انہیں کہا کیا تم نہیں سنتے۔ فرمایا موسیٰ نے، تمہارا رب اور تمہارے باپ دادا کا رب۔ کہا جو رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے پاگل ہے۔ کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب، اگر تم سمجھتے ہو۔ فرعون نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو "الٰہ" بنایا تو میں تجھے قیدی بنا دوں گا۔

اور فرعون نے کہا اے دربار والو! مجھے تو اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود معلوم نہیں۔ سو آگ دے میرے لئے گارے کو۔ پھر میرے لئے ایک محل بنا تاکہ میں جھانک لوں موسیٰ کے رب کو۔ اور میں اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔

الیٰ اصل موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی مسئلہ بیان کیا کہ اللہ جل شانہ کے سوا

دوسرا کوئی الٰہ نہیں۔ فرعون نے جواب میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو نے میرے سوا کسی دوسرے کو الٰہ بنایا تو تجھے قید کر دونگا اور قوم سے کہا کہ اس کی بات نہ ماننا میرے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) پاگل ہیں

حضرت یعقوب علیہ السلام

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (الم پ بقرہ ع۱۶)

کیا تم حاضر تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم تیرے اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسمٰعیل و اسحٰق علیہم السلام کے ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۙ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (پ۱۲ یوسف ع۵)

ہم نے اس قوم کے مذہب کو جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور قیامت کے بھی منکر ہیں، چھوڑ دیا ہے اور ہم نے اپنے باپ دادا، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا اتباع کیا ہے۔ ہمارے شایان شان نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک بنائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

(پ۱۶: مریم ع ۲)

بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

لیکن نصاریٰ کے مولویوں اور پیروں کا حال یہ تھا:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (پ۱۰: توبہ ع ۵)

انہوں نے اپنے مولویوں، پیروں اور مسیح ابن مریمؑ کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔ حالانکہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیئے گئے تھے۔ وہ وہی معبود ہے اور پاک ہے ان شریکوں سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو یہی فرماتے ہیں کہ اللہ کریم جل شانہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد قوم نے اپنے مولویوں پیروں اور عیسیٰؑ کو بھی الٰہ بنالیا۔ جیسا کہ عزیر علیہ السلام کو الٰہ بنالیا تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر کہا۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ط

(پ۶: مائدہ ع ۱۰)

کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی ہے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام)

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ م وَمَا مِنْ اِلٰہٍ

إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ (حوالہ مذکورہ بالا)

یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ الٰہ تو ایک ہی ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ (حوالہ مذکورہ بالا ع۱۶)

جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے۔ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ، پیروں، فقیروں اور مولویوں کو الٰہ بنا رکھا تھا۔

اللہ کے سوا کس کس کو معبود بنایا گیا

ملائکہ، انبیاء علیہم السلام، مولویوں اور پیروں کو خواہ وہ نیک ہوں یا بد لیکن ان مجرموں کو بھی نیک خیال کر کے معبود بنایا گیا۔ سورج اور ستاروں کو، جنات اور بالخصوص شیطان کو۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی قبوروں کو۔ جن درختوں کے نیچے انبیاء عظام اور اولیائے کرام بیٹھے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ قبور اور درخت وغیرہ کی پوجا میں بھی دراصل انبیاء کرام اور اولیائے عظام ہی کو معبود خیال کیا جاتا تھا۔

ملائکہ کے متعلق آیاتِ قرآنیہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ (سبا ع۵ پ۲۲)

جس دن اللہ سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے۔ کہیں گے تو پاک ہے شریکوں سے تو ہی ان کے سوا ہمارا کارساز ہے بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں بہت سے ان پر ایمان رکھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے ملائکہ کو معبود بنا لیا تھا یعنی ان کو حاجات کے وقت پکارتے تھے اور ملائکہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ دراصل بفعلِ شرک کرانے والے جنات تھے کیونکہ دراصل جنات ہی ان کے معبود تھے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

(پ ۱۵: بنی اسرائیل ع ۶)

فرما دیجئے کہ بلاؤ ان لوگوں کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا معبود گمان کر لیا ہے سو وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور بدل دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے۔ اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

یہ آیت باتفاق مفسرین ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہے

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

(پ ۱۴ النحل ع ۷)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ

بِشِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (پ ۲۲ سبا ع ۳)

اور اللہ کے لئے بیٹیاں بناتے ہیں اللہ کی ذات تو پاک ہے۔ اور اپنے لئے جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں (یعنی بیٹے مانگتے ہیں)

فرما دیجئے کہ جنہیں تم اللہ کے سوا معبود گمان کرتے تھے انہیں پکارو ۔ وہ آسمانوں اور زمین میں سے ذرہ بھر کے مالک نہیں اور نہ ہی ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ہی ان میں سے ان کا کوئی مددگار ہے۔

انبیاء علیہم السلام

چونکہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے چلے جانے کے بعد مشکلات و حاجات میں پکارا گیا لہٰذا ان سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے پیچھے کیا کچھ ہوتا رہا۔ (تفسیر کبیر)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (پ ۷ المائدہ ع ۱۵)

جس دن کہ اللہ سارے رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور کہے گا کیا جواب دیئے گئے تھے تم؟ عرض کریں گے کہ ہمیں تو کچھ خبر نہیں، تو ہی غیب دان ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (پ ۷ المائدہ ع ۱۶)

جب فرمائے گا اللہ، اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور

میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ تو کہیں گے پاک ہے تو (معبودیت میں) شریکوں سے۔ میرے شایانِ شان نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا حق مجھے حاصل نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تجھے معلوم ہوتا تو میرے دل کی باتیں جانتا ہے اور تیرے جی کی باتیں میں نہیں جانتا کیونکہ تو ہی غیب دان ہے۔ میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان سے خبردار تھا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو ان کی خبر رکھنے والا تو ہی تھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (پ ۱۰ توبہ ع ۵)

یہودیوں نے کہا کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافروں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں۔ خدا انہیں تباہ کرے۔ کدھر پھرے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مولویوں، پیروں اور مسیح ابن مریم کو الٰہ بنا لیا (چاہے وہ مولوی اور پیر نیک ہوں یا بد)

اولیائے کرام کے حق میں

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (پ ۲۷ نجم ع ۱)

کیا تم نے لات عزیٰ اور ایک تیسرے منات کو دیکھا۔

ان میں سے لات ایک بزرگ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۷۲۰ میں ہے۔ اور عزیٰ اور منات دو بدکار مرد و زن تھے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ (پ ۲۹، نوح: ع ۲)

اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو۔ اور ود، سواع یغوث اور نسر کو بھی ہرگز نہ چھوڑنا۔

یہ پانچ نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک آدمی تھے۔ جب فوت ہوئے تو ان کی صورتیں پتھروں پر کندہ کیں اور ان کو غائبانہ حاجات میں پکارا گیا جیسا کہ بخاری جلد ثانی ص ۷۳۲ اور تفسیر عزیزی میں اس مقام پر ہے کہ یہ پانچوں حضرت شیث کے نیک بیٹے تھے۔ فتح الباری میں ایک روایت مرسل ہے کہ ود حضرت شیث علیہ السلام کا نام ہے اور چار ان کے بیٹے ہیں۔ بہر حال یہ پانچوں نیک مرد تھے، پتھر نہ تھے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ (پ ۱۱، یونس: ع ۳)

جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرو۔ پس ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم تو ہماری عبادت نہیں کرتے رہے۔

سورج کے متعلق

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللهِ (پ ۱۹، نمل ع ۲)

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا۔

ستاروں کے متعلق

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ

جب اسے رات نے پالیا تو ایک ستارہ دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے جب وہ غائب ہوگیا تو کہا میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چمکتے چاند کو دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہوگیا تو کہا کہ اگر مجھے رب میرے نے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں ضرور ظالم بن جاتا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ تو بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غائب ہوگیا تو فرمایا اے میری قوم! جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

جنّات کے بارے میں

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (پ ۲۹)

بے شک بہت سے انسان کتنے جن مردوں سے پناہ پکڑتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ جنات سے پناہ مانگتے تھے۔ اس کے لئے رسالہ "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان" مصنفہ علامہ ابن تیمیہؒ کا دیکھنا ضروری ہے۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ (پ ۱۵ کہف ع ۲)

کیا میرے سوا تم اسے (شیطان کو) اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ظالموں کو برا بدلہ ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان اور اس کی اولاد کو کارساز بنایا گیا۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پ۱۳ ابراہیم ۲۲)

جب کام پورا ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا مگر میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور مجھے تو تم پر کچھ غلبہ نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا پس تم نے میری بات مان لی۔ پس مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس۔ جو تم نے اس سے پہلے مجھے شریک بنایا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کو بھی مولائے کریم کا شریک ٹھہرایا گیا۔

حدیث میں ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَيْهِ مَسْجِدًا الخ

خدا یہودیوں اور نصرانیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا جب ان میں کوئی نیک مرد مرتا ہے تو اس پر قبہ بنا لیتے ہیں۔

اسی طرح حضور علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی عبادت ہونے لگے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شجرۃ الرضوان کو جڑ سے اسی لئے
اکھڑوا دیا تھا کہ وہاں اس کی پوجا نہ شروع ہو جائے۔ جیسا کہ آجکل بزرگوں کی
خانقاہوں میں ہو رہا ہے۔

پیروں کے حق میں

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۝ (پ ۱۱ یونس ع ۳)

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (پ ۱۴ نحل ع ۲)

جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے تو مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر قائم رہو۔ پھر ان میں پھوٹ ڈال دیں گے تو ان کے شریک کہیں گے کہ تم تو ہماری بندگی نہ کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی شاہد ہے۔ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہ تھی۔

جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں مردے ہیں کہ ان میں جان نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو مرے ہوئے بزرگوں کو پوجتے ہیں۔

فَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (حوالہ مذکورہ بالا رکوع ۱۲)

جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہی وہ ہمارے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔ تب وہ انہیں کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی ؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ بزرگان دین کو پوجتے ہیں وہ بزرگ بے گناہ ہیں۔ ایک شیطان وہی نام رکھ کر اپنے آپ کی پوجا کرواتا ہے اسی لئے قیامت کے دن وہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔

ہر شہر کے لوگ اپنے ایک بزرگ کو مقرر کر کے پوجتے ہیں سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا!

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (پ۱۶، کہف ع۱۲)

کیا اب کافر خیال کرتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں۔ ہم نے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کی ہے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ۝ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (پ۲۲، فاطر ع۲)

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔ اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت پوری نہیں کر سکتے! وہ قیامت کے دن تمہارے شریک بنانے سے منکر ہو جائیں گے اور جاننے والے کی طرح تجھے کوئی بھی خبر نہ دے گا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ (پ۱۵، بنی اسرائیل، ع۶)

۳۴

فرما دیجئے کہ جنہیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر لیا ہے انہیں بلاؤ، پس وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ ہی پھیر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کا کون زیادہ نزدیک ہے اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۝ (پ۲۲، سبا، ع۳)

فرما دیجئے کہ جنہیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے انہیں بلاؤ، وہ آسمانوں میں ایک ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی زمین میں اور نہ ہی ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے۔ اور نہ ہی ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا (پ۲۴، حم مومن، ع۸)

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ۝ (پ۲۵، حم سجدہ، ع۶)

پھر انہیں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جو ان باطلوں میں تم اللہ کے سوا شریک بناتے تھے کہیں گے کہ ہم سے گم ہو چکے ہیں، نہیں نہیں، بلکہ ہم نے تو پہلے بھی کسی کو پکارا ہی نہیں۔ اور جس دن کہ پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، انہیں گے کہ ہم نے تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار نہیں کرتا اور پہلے جنہیں پکارتے تھے وہ ان سے گم ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں کہیں خلاصی نہیں۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (پ ٢٦، الاحقاف ع ١)

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

(پ ٢٦، الاحقاف ع ٤)

اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی کچھ حاجت روائی نہیں کر سکتے۔ اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں جب تمام لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو وہ ان کے دشمن اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے پس ان کی ان معبودوں نے مدد نہیں کی کہ اللہ کے سوا بڑے درجہ پانے کو معبود بنا لیا۔ مدد کیوں نہ کی، یہ ان کا جھوٹ ہے اور جو کچھ وہ اپنے پاس سے افترا باندھا کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (پ ٧، الانعام ع ٣)

جس دن کہ ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کا تمہیں دعوے تھا پھر ان کا یہی کہنا جواب ہوگا کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہمارا رب ہے ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔ دیکھئے کیسے اپنے اوپر جھوٹ بولا اور جو باتیں کہ بنایا کرتے تھے، ان سے کھوئی گئیں۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ

زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ (پ۷، الانعام ع ۱۱)

البتہ تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آ پہنچے جس طرح کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ اسباب ہم نے تمہیں دیا تھا اسے اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور جن شریکوں کا تمہیں دعوے تھا کہ ان کا تم میں ساجھا ہے انہیں ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے البتہ تمہارا تعلق منقطع ہو گیا اور جو دعوی کرتے رہے وہ تم سے جاتے رہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝ (پ۸، الاعراف ع ۴)

حتیٰ کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے جان لینے کو ان کے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے وہ کہاں ہیں، کہیں گے کہ ہم سے گم ہو چکے ہیں اور اپنے اوپر اقرار کریں گے کہ وہ کافر تھے۔

قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (پ۸، الاعراف ع ۶)

بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے سو کیا اب ہمارا کوئی سفارشی ہے جو سفارش کرے یا ہم لوٹائے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں۔ انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور جو افترا باندھتے تھے ان سے گم ہو گیا۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (پ۱۳، رعد ع ۲)

جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے مگر جیسے کسی نے پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے تاکہ اس کے منہ میں پہنچے اور وہ کبھی اس کے منہ میں نہ پہنچیگا اور کافروں کی پکار تو نری گمراہی ہے۔

قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (پ ۱۳ الرعد ع ۲)

فرما دیجئے کیا تم نے اللہ کے سوا ایسے کارساز بنا لئے ہیں جو اپنے نفع اور نقصان کے بھی مالک نہیں۔

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا (پ ۱۵ الکہف ع ۷)

اور جس دن کہے گا میرے ان شریکوں کو جنہیں تم سمجھتے تھے ان کو بلاؤ پھر وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ کر دیں گے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (پ ۱۶ مریم ع ۵)

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا (پ ۲۵ الزخرف ع ۱)

لوگوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں، ہرگز نہیں وہ ان کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

انہوں نے اس کے بندوں سے خدا کا جزو مقرر کر رکھا ہے۔

مشرک مولویوں اور پیروں کے حق میں

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○

(پ۲: بقرہ ع ۳)

جب پیروی کئے گئے ہوئے (پیشوا) اور جاہ پیرو پیروی کرنے والوں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب دیکھیں گے اور ان کے سب تعلقات منقطع ہو جائیں گے، پیرو کہیں گے کیا اچھا ہو کہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹ جانے کا موقع مل جاتا پھر ہم بھی ان سے ایسے بیزار ہوتے جیسے کہ یہ ہم سے بیزار ہو چکے ہیں اسی طرح اللہ حسرت دلانے کے لئے انہیں انکے اعمال دکھلائے گا اور وہ آگ سے ہرگز نہیں نکلیں گے۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ۙ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ○ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ○ (پ۸: الاعراف ع ۴)

جب ایک گروہ داخل ہوگا تو دوسرے گروہ کو لعنت کریگا، حتی کہ جب اس میں گر چکے ہونگے تو ان کے پچھلے پہلوں کو کہیں گے، اے اللہ انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا پس تو انہیں آگ کا دو عذاب دے۔ فرمائے گا کہ دونوں کا دوگنا ہے مگر تم نہیں جانتے اور ان کے پہلے پچھلوں سے کہیں گے پس تم کو ہم پر کچھ بڑائی نہ ہوئی پس اب اپنے اعمال شرکانہ کے سبب جو کیا کرتے تھے عذاب چکھو

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ○ (پ۱۳: ابراہیم ع ۳)

اور سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کمزور زبردستوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہمیں اللہ کے عذاب سے بچاؤ گے کہیں گے کہ اگر خدا نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں راستہ دکھلاتے۔ برابر ہے ہمارے حق میں کہ بے قراری کریں یا صبر ہمیں خلاصی نہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ۚ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (پ ۲۲، سبا: ۳۴)

اور کبھی تو دیکھے کہ جب ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر بات ڈالتے ہوں گے۔ کمزور زبردستوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ زبردست کمزوروں سے کہیں گے کہ ہدایت پہنچنے کے بعد کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا بلکہ تم خود گنہگار تھے۔ اور کمزور بڑائی کرنے والوں سے کہیں گے کہ کوئی نہیں بلکہ رات دن کے فریب سے جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اللہ کی نافرمانی کریں اور اس کے ساجھی بنائیں اور جب عذاب دیکھیں گے تو پریشانی ظاہر کریں گے اور ہم منکروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جو کرتے تھے وہی بدلہ پائیں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

جس دن وہ آگ میں منہ کے بل ڈالے جائیں گے تو کہیں گے ہائے افسوس کیا اچھا ہوتا کہ ہم خدا اور رسول کا کہا مانتے اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا پس انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے ہٹا دیا اے ہمارے رب! انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی پھٹکار کر۔

أُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝

اکٹھا کرو مشرکوں، ان کے ساتھیوں (پیر بھائیوں) اور ان معبودانِ باطل کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر انہیں دوزخ کی راہ پر چلاؤ اور (انہیں ٹھہرا رکھو کیونکہ) ان سے پوچھنا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے کوئی نہیں۔ آج وہ اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ تم ہی ہم پر دائیں طرف سے آتے تھے وہ بولے کوئی نہیں بلکہ تم ہی نہ تھے یقین لانے والے اور ہمیں تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم ہی حد سے نکلنے والے تھے سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہو گئی بیشک ہمیں تو مزہ چکھنا ہے۔ جیسے ہم خود گمراہ تھے تمہیں بھی گمراہ کیا سو اس دن وہ عذاب میں شریک ہوں گے ہم مجرموں سے ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝

(پ ۲۴ حم مومن ع ۵)

اور جب آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور (مرید) غرور کرنے والوں (پیروں) سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کروگے، غرور کرنے والے کہیں گے ہم بھی اسی آگ میں ہیں، بے شک اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے اور جہنم میں پڑے ہوئے لوگ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے کہو کہ ہم سے ایک دن تھوڑا سا عذاب ہلکا کردے تو وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر نہیں آتے تھے کہیں گے کیوں نہیں۔ کہیں گے پھر پکارو۔ اور کافروں کی پکار نری گمراہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ۝

(پ ۲۴ حم سجدہ ع ۴)

اور کافر کہیں گے اے رب ہمارے ان دو جنوں اور انسانوں کو جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، دکھا کہ ہم انہیں پاؤں تلے روندیں تاکہ وہ ذلیل ہو جائیں۔

اِلٰہ کے معنی کی تشریح

قرآن مجید میں اِلٰہ کی مخصوص صفات مختلف جگہوں میں بیان کی گئی ہیں۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (پ ۲۰، نمل: ع ۵)

بھلا کس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے رونق دار باغ اگائے۔ تم تو ایک درخت بھی پیدا نہیں کر سکتے کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے۔

اس آیت میں چند امور بیان کئے گئے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے کسی حصہ کے پیدا کرنے کی طاقت۔ آسمانوں سے پانی اتارنے کی طاقت۔ بارش سے درختوں کو پیدا کرنے کی طاقت اِلٰہ ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ جل شانہ کے بغیر کسی میں یہ تین صفتیں نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا اللہ کریم کے سوا کوئی بھی اِلٰہ نہیں ہو سکتا۔

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (حوالہ مذکورہ بالا)

بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے ٹھہرانے کو بوجھ رکھے۔ اور دو دریاؤں میں پردہ رکھ دیا کیا اب بھی کوئی شریک ہے اللہ کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں چار امور بیان کئے گئے ہیں۔ زمین کو پیدا کرنے کے بعد اس کو برقرار رکھنے کی طاقت۔ زمین سے پانی نکالنے کی طاقت۔ زمین پر پہاڑوں کو رکھ کر اسے برقرار رکھنے کی طاقت مختلف مزہ کے دریاؤں کو الگ الگ کر کے درمیان میں پردہ ڈالنے کی

طاقت، الٰہ ہونے کے لئے ضروری امور ہیں۔ چونکہ یہ امور اللہ کریم کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا اللہ جل شانہ کے سوا دوسرا کوئی الٰہ نہیں ہو سکتا

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ (حوالہ مذکورہ بالا)

بھلا بے کس کی پکار کو کون پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون سختی دور کرتا ہے اور تمہیں زمین پر پہلوں کا نائب بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟

اس آیت میں تین امور بتائے گئے۔ پریشان آدمی کی پکار سننے کی طاقت رکھتا ہو۔ برائی دور کرنے اور زمین پر خلیفہ بنانے کی طاقت رکھتا ہو۔ یہ تینوں امور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی الٰہ بھی نہیں بن سکتا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

غیر حق را ہر کہ خواند اے پسر
کیست در عالم ز او گمراہ تر

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ (حوالہ مذکورہ بالا)

کون ہے جو جنگل اور دریا کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھاتا ہے۔ اور کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔

اس آیت میں دو امور بیان کئے گئے ہیں۔ دریاؤں اور خشکیوں میں راستہ بتانے پر راہنمائی کرنے والا۔ باران رحمت آنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں خوشخبری کے طور پر چلانے کی طاقت رکھنے والا صرف اللہ ہی ہے۔ لہٰذا اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں بن سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث أَعِيْنُونِي يَا عِبَادَ اللهِ اگر ہو معروف بین الناس موضوع ہے (جیسا کہ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔ کیونکہ اللہ کے سوا کوئی پکاریں سننے والا نہیں اور نہ ہی کوئی ذات دکھائی نہیں غائبانہ امداد کر سکتا ہے۔ لہذا جنگلوں وغیرہ میں پکارنے کے لائق بندگان خدا نہیں ہو سکتے۔

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ءَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ (حوالہ مذکورہ بالا)

کون ہے جس نے مخلوق کو ابتدا پیدا کیا اور پھر دوبارہ پیدا کریگا اور کون تمہیں زمین و آسمان سے روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟

اس آیت میں تین امور بیان کئے گئے ہیں۔ تمام مخلوق کو پیدا کرنے کی طاقت دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت۔ آسمان اور زمین سے رزق دینے کی طاقت چونکہ تینوں امور اللہ جل شانہ کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے۔ لہذا اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں بن سکتا۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

فرما دیجئے کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں میں کوئی فرشتہ اور زمینوں میں کوئی ولی یا پیغمبر علیہم السلام غیب نہیں جانتے۔

قانون لفظ الٰہ

جہاں کہیں قرآن مجید میں اِلٰہ کا لفظ آجائے۔ اور غیر اللہ سے الٰہ ہونے کی نفی کی جارہی ہو، وہاں غیر اللہ سے (خواہ وہ نبی ہو یا ولی) غائبانہ حاجات میں مافوق الاسباب متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جائے گی اور علم غیب کی بھی نفی کی جائے گی لیکن زیادہ تر متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جاتی ہے کیونکہ اس سے علم غیب

کی نفی لازم آتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

(پ: مائدہ ع ۱) ترجمہ

کافر ہوئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں سے تیسرا ہے اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے نہ رکے تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اللہ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے۔ اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ مسیح ابن مریم تو ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول گذر چکے اور اس کی ماں بہت ہی سچی تھی۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لئے کیسی دلیلیں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کہاں الٹے جاتے ہیں۔ فرمادیجئے کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ اور اللہ ہی ہر شے کو سننے اور جاننے والا ہے۔

یہاں ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ سے الٰہ ہونے کی نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں محتاج ہیں اور نفع و نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے اور ہر شے کو جاننے والے بھی نہیں۔ یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ فاتحانہ حاجات میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ نافع اور ضار نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○ (پ ۷، الانعام ع ۱)

تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے اور اندھیرے اور روشنی بنائی۔ پھر کافر لوگ اپنے رب سے برابری کرتے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اندازہ مقرر کیا۔ اور مقرر کردہ وقت کا علم اسی کے پاس ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو۔ اور وہی ذات معبود برحق ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ تمہاری چھپی اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ ([illegible])

اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ امور مذکورہ فی الآیات میں غائبانہ اور مافوق الاسباب تصرف صرف اللہ کریم ہی ہے اور ہر شے کا جاننے والا بھی وہی ہے۔ لہٰذا اگر وہ کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو قادر ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

الٓمّٓ ○ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد:

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

شَدِيدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ (پ ۳ آل عمران ع ۱)

وہ ذات جو ہمیشہ زندہ اور ہر شے پر نگہبان ہے۔ اس نے اظہارِ حق کے لئے آپ پر کتاب نازل کی جو اپنے سامنے والی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس سے پہلے توراۃ اور انجیل نازل کی جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا قرآن نازل کیا۔ بیشک جنہوں نے خدا کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ پر کوئی چیز آسمان میں اور نہ زمین میں پوشیدہ نہیں ہے وہی ہے جس طرح چاہتا ہے رحموں میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

ان آیات سے دلیل بیان کی گئی ہے جس میں دو امور غائبانہ حاجات میں ظاہری اسباب کے علاوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) متصرف فی الامور اللہ تعالیٰ ہی ہے (۲) ہر شے کا جاننے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اس کے بعد لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ سے نتیجہ نکالا گیا ہے:-

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (پ ۲۰ قصص ع ۷)

آپ کا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ مخلوق کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہیں۔ اللہ شریکوں سے پاک ہے اور جنہیں تم شریک کرتے ہو ان سے بہت بلند ہے۔ جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں ان سب کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اسی کے قبضہ میں غائبانہ حکم ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ فرما دو کہ مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک رات کو تم پر ہمیشہ کے لئے کر دے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے کہ تمہارے پاس روشنی لائے کیا تم ثابت سے نہیں سنتے فرما دو کہ مجھے بتاؤ اگر اللہ قیامت تک دن کو تم پر ہمیشہ کیلئے کر دے تو اللہ کے سوا کونسا الٰہ ہے جو تمہارے پاس رات لاوے جس میں تم آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور اس نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

یہاں بھی وہی دعوے اور دلائلِ توحید ہیں اور ان دلائل میں انہی دو امور یعنی غائبانہ حاجات میں متصرف اور غیب دان اللہ تعالیٰ ہی ہے کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ اس آیت میں وَلَهُ الْحُكْمُ سے غائبانہ حاجات میں نفع و نقصان کا حکم مراد ہے اور ظاہری اسباب کے ماتحت حکم مراد لینے سے بہتر ہے۔

تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلَى ۝ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (پ ۱۶، طٰہٰ، ع ۱)

یہ اس ذات کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ جو کچھ زمین اور آسمانوں اور دونوں کے درمیان میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور اگر تو اونچی بات کہے تو وہ پوشیدہ اور بہت مخفی بات کو بھی جانتا ہے اور اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں۔

یہاں بھی ذکر ما فوق الاسباب امور میں متصرف اور غیب دان ہونے کا ہے۔

سوال:- اگر اللہ جل شانہ کو عالم الغیب بالذات اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات تسلیم کر لیا جائے جیسا اس کے شایان شان ہے اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیائے کرام کو عالم الغیب بالعرض یعنی بالواسطہ باعلام اللہ تعالیٰ اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض یعنی بتملیک اللہ یعنی خدا کی دی ہوئی طاقت سے تسلیم کیا جائے جیسا کہ ان کے شایان شان ہے تو کیا پھر بھی شرک ہوگا۔ شرک تو تب ہوتا کہ ان کو بھی بالذات مانا جاتا۔

جواب:- مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات نہیں مانتے تھے بلکہ انہیں متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ جان کر پکارتے تھے جیسا کہ مشرکین مکہ بوقت تلبیہ حج کہا کرتے تھے۔

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ (ابن کثیر جلد چہارم صفحہ ۱۵۳)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں زیر آیت کریمہ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لکھا ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّهُ لَيْسَ فِي الْعَالَمِ اَحَدٌ يُثْبِتُ لِلّٰهِ شَرِيكًا يُسَاوِيهِ فِي الْوُجُودِ وَالْقُدْرَةِ وَالْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ هٰذَا مِمَّا لَمْ يُوجَدْ اِلَى الْاٰنَ وَاَمَّا اتِّخَاذُ مَعْبُودٍ سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَفِي الذَّاهِبِينَ اِلٰى ذٰلِكَ كَثْرَةٌ (کبیر ج ۱ ص ۲۳۳)

جان لے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کا ایسا شریک مانے جو کہ وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اس کے برابر ہو۔ یہ ان باتوں سے ہے جن کا وجود ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنانا۔ تو اس کے قائل بکثرت موجود ہیں۔

سوال:- اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام و ملائکہ عظام کو غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض بھی نہ مانا جائے بلکہ اللہ عز شانہ کے دربار میں سفارشی سمجھ کر پکارا جائے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟

جواب:- یہ بھی شرک ہے۔ مکہ کے مشرک اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے جیسا کہ یہ آیت ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ تفسیر ابن کثیر کا حوالہ اوپر بیان ہو چکا۔

٥

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۱۱: یونس ع ۲)

اور اللہ کے سوا ان معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

امام رازی اور علامہ ابو السعود نے لکھا ہے۔

اِخْتَلَفُوْا فِي اَنَّهُمْ كَيْفَ قَالُوْا فِي الْاَصْنَامِ اِنَّهَا شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ وَذَكَرُوْا فِيْهِ اَقْوَالًا۔ رَابِعُهَا اَنَّهُمْ وَضَعُوْا هٰذِهِ الْاَصْنَامَ وَالْاَوْثَانَ عَلٰى صُوَرِ اَنْبِيَائِهِمْ وَاَكَابِرِهِمْ وَزَعَمُوْا اَنَّهُمْ مَتٰى اشْتَغَلُوْا بِعِبَادَةِ هٰذِهِ التَّمَاثِيْلِ فَاِنَّ اُولٰئِكَ الْاَكَابِرَ تَكُوْنُ شُفَعَاءَ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَظِيْرُهُ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ اشْتِغَالُ كَثِيْرٍ مِّنَ الْخَلْقِ بِتَعْظِيْمِ قُبُوْرِ الْاَكَابِرِ عَلَى اعْتِقَادِ اَنَّهُمْ اِذَا عَظَّمُوْا قُبُوْرَهُمْ فَاِنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ شُفَعَاءَ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى (کبیر ج ۴ ص [illegible])

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ (پ ۲۴: زمر ع ۵)

علماء نے اس میں اختلاف کیا کہ انہوں نے پتھروں کے حق میں کیسے کہا کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اور اس میں کئی قول نقل کئے ہیں جن میں سے چوتھا یہ ہے

کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں، پیروں اور فقیروں کی شکلیں ان بتوں کی سی بنا لیں اور گمان کیا کہ جب یہ ان صورتوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ پیغمبر و پیر و فقیر اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسکی نظیر بہت سے لوگوں کا پیروں، فقیروں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہونا ہے اس خیال پر کہ جب وہ انکی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے۔
کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو سفارشی بنا لیا ہے؟ فرما دیجئے کہ وہ اگرچہ کسی چیز کے مالک بھی نہ ہوں اور نہ ہی سمجھتے ہوں، تو بھی۔

سوال: مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بت تھے۔ ان کو پکارنا اور سفارشی بنانا بیشک شرک ہے لیکن اولیائے کرام وغیرہ کو پکارنا اور سفارشی بنانا کیونکر شرک ہے؟

جواب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین مکہ جنہیں سفارشی بناتے تھے، وہ انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام اور ملائکہ تھے۔ اور ان کی صورتوں پر بت بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے

مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کو ہر وقت اور ہر کام میں نہیں پکارتے تھے بلکہ زیادہ کٹھن کاموں میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ أَنْجٰىهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ ۱۱ یونس ع ۳)

وہی ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں پھراتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے لوگوں کو لے کر چلیں۔ اور وہ اس سے خوش ہو جائیں تو اچانک

کشتیوں پر شاد ہوئے آئی آندھی اور ان پر ہر جگہ سے موج آئی اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اس سے گھیرے گئے ہیں تو پکارتے ہیں اللہ کو اسی کے لئے پکار خالص کرتے ہوئے اگر تو نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم شکر گزار ہوں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا تو وہ اسی وقت زمین میں ناحق شرارت (شرک) کرنے لگے۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ (پ ۲۱، عنکبوت: ع ۷)

جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور جب اللہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو وہ شرک شروع کر دیتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝

(پ ۲۱، روم: ع ۴)

جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو ہی پکارتے ہیں پھر جب انہیں اپنے ہاں سے رحمت چکھا دی تو ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے۔

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۝ (پ ۲۱، لقمان: ع ۴)

جب انہیں بادلوں کی طرح موج ڈھانپ لے تو پکارا کرو صرف اسی کیلئے خالص کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں پھر جب انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو بعض ان میں سے میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اور ہماری قدرتوں کا انکار صرف بدعہد اور حق نہ ماننے والے ہی کرتے ہیں۔

ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (پ ۱۴ نحل ع ۷)

پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو پھر جب تم سے سختی دور کر دیتا ہے تو اس وقت تم میں سے ایک گروہ اپنے رب سے شرک شروع کر دیتا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

(پ ۷ الانعام ع ۸)

فرمائیے کہ تمہیں جنگل اور سمندر کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے جسے تم عاجزی اور پوشیدگی میں پکارتے ہو۔ اگر ہمیں اس سے نجات دے تو ہم ضرور شکر گزار ہو جائیں گے۔ فرمائیے کہ اللہ ہی تمہیں ان ظلمات اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔

تنبیہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی ان مصائب کے وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اور مصائب کے دور ہو جانے کے بعد اپنے معبودوں کو پکارنا شروع کر دیتے تھے۔ لیکن پھر بھی اسلامی رو سے مشرک تھے۔ اور آج کل کے مشرک تو ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ایسے مصائب کے وقت بھی اپنے ہی معبودوں کو پکارتے ہیں

لفظ الٰہ کی تحقیق

الٰہ کے معنی معبود ہے اور یہ عبادت سے مشتق ہے لفظ عبادت کے معنی کی تحقیق آگے آئیگی۔ قرآن مجید میں عبادت کی زیادہ تر چار قسمیں آئی ہیں

(۱) غائبانہ حاجات میں پکارنا (۲) نذرونیاز دینا (۳) سجدہ کرنا (۴) طواف کرنا۔ اگر غائبانہ حاجات میں اللہ تعالٰے کو پکارا گیا اور اسی سے ڈر کر یا اسی سے امید رکھ کر اس کے سامنے سجدہ کیا گیا اور اسی کے نام کی نذرونیاز دیگئی اور اسی کے گھر بیت اللہ کا طواف کیا گیا تو یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہوگی۔ اور اگر یہ چیزیں غیر اللہ کیلئے کی گئیں مثلاً کسی پیر کو غائبانہ حاجات میں پکارا گیا یا اس سے ڈر کر یا امید رکھ کر اس کی قبر کے سامنے سجدہ کیا گیا۔ اس کے نام کی نذرونیاز دی گئی یا اس کی قبر کا طواف کیا گیا تو یہ اس پیر کی عبادت ہوگی۔ ان تمام اقسام کو کماحقہ سمجھنے کے لئے عبادت کے معنی سمجھنے ضروری ہیں۔

لفظ عبادت کی تشریح

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں لفظ عبادت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عبادت بندگی کا نام ہے۔ یعنی بندہ ہونا ایسی ذات کے لئے ہوسکتا ہے جس کی طرف بندہ ہر وقت ہر چیز میں محتاج ہو اور اس کے سامنے ذلیل ہو۔ عبادت کا بہترین معنی علامہ ابن قیم نے مدارج السالکین صفحہ ۲۴ جلد اول سطر ۲ میں لکھا ہے "العبادۃ عبارۃ عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطۃ غیبیۃ (ای فی العلم والتصرف) فوق الاسباب یقدر بہا علی النفع والضر (فکل دعاء او ثناء او تعظیم ینشاء من ھذا الاعتقاد فھی عبادۃ۔

اگر یہ اعتقاد خدا تعالٰے کے حق میں ہو کہ ہمارے حالات جاننے اور ان میں تصرف ہونے میں اللہ جل شانہ کا مافوق الاسباب غیبی قبضہ ہے اور اسی اعتقاد کے ماتحت اللہ کریم کو پکارا جائے یا اس کی صفت وثنا کی جائے۔ کوئی نذرونیاز دی

جائے یا کسی اور فعل سے تعظیم کی جائے تو یہ سب اللہ کی عبادت اور موجب ثواب ہوگی۔
لہذا اس اعتقاد کے ماتحت مسجد کو آنا، وضو کرنا، دوزانو بیٹھنا وغیرہ سب افعال اللہ تعالیٰ کی عبادت میں داخل ہوں گے۔ اور اگر معاذ اللہ یہ اعتقاد کسی پیر و پیغمبر کے متعلق ہو اور اسی اعتقاد کے ماتحت اس پیر و فقیر و پیغمبر کی طرف ای جائے۔ وہاں جاکر دوزانو بیٹھے۔ اس پر کپڑا ڈالے۔ وہاں کچھ شیرنی تقسیم کرے۔ اس کی قبر کو بوسہ دے۔ یا گھر ہی میں بیٹھ کر اس کے نام پر صدقہ و خیرات دے۔ اور اسی عقیدہ کے ماتحت زندہ پیر کے ہاتھوں کو بوسہ دے۔ یا اس کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے تو یہ سب افعال اس پیر کی عبادت ہوں گے اور اللہ کے نزدیک موجب لعنت ہوں گے۔ اور اگر اسی اعتقاد کے ماتحت قرآن مجید یا درود شریف پڑھے۔ یا اور اعمال صالحہ نماز روزہ وغیرہ کرے تو ان کا کچھ بھی ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ قرآن کریم اور نماز اس پر لعنت کریگی

کما فی الحدیث:۔

رُبَّ تَالِی الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُهٗ وَرُبَّ مُصَلٍّ وَالصَّلٰوةُ تَلْعَنُهٗ وَرُبَّ صَائِمٍ وَالصِّیَامُ تَلْعَنُهٗ۔

بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں جن پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ بہت سے نمازی ہیں جن پر نماز انہیں لعنت کرتی ہے بہت سے روزہ دار ہیں کہ روزہ انہیں لعنت کرتا ہے

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (پ۱۰، توبہ، ع ۳)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر کو اس جیسا سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں ہرگز برابر نہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

(پ ۱۰، توبہ: ع ۳)

مشرکوں کو حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔ کیونکہ وہ تو ظاہر بظاہر کفر کے کام کرتے ہیں۔ ان کے نیک اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (پ ۱۹، فرقان ع ۲)
مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (پ ۱۳، ابراہیم: ع ۳)

ہم ان کے کئے ہوئے کام پر پہنچے تو ہم نے انہیں اڑتی ہوئی خاک کر ڈالا۔
اپنے رب کے منکروں کا حال یہ ہے کہ ان کے کام راکھ جیسے ہیں کہ اس پر آندھی کے دن سخت ہوا چلے۔ اور اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہونگے یہی ہے دور کی گمراہی۔

اگر اسی عقیدہ مشرکانہ کے ساتھ کوئی مر گیا، اس کے لئے صدقات و خیرات کئے جائیں، دعائیں مانگی جائیں تو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے لئے نہ دعا مانگنی چاہئیے نہ خیرات و صدقات دینا چاہئیے اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئیے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

(پ ۱۱، توبہ: ع ۳)

نبی اور ایمانداروں کو جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت

کرتے ہیں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انہیں معلوم ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝

(پ ۲۵، زخرف، ع ۴)

اور جو خدا کی توحید سے آنکھیں چرائے تو ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ انہیں درست راہ سے روکتا رہتا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ صحیح راہ پر ہیں۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ (پ ۲۴، حم السجدہ ۲۵، ع ۱۷)

اور ہم نے ان کے ساتھ رہنے والے مقرر کر دیئے ہیں انہوں نے انکے سامنے مزین کر دیا ان اعمال کو جو آگے تھے اور جو ان کے پیچھے تھے اور ان پر عذاب کی بات ٹھیک پڑ چکی ہے جو ان سے پہلے جن اور انسان گذر چکے ہیں بیشک وہ زیاں کار تھے۔

اگر کوئی فعل تعظیم اس شرک کے عقیدے سے پیدا نہ ہو مثلاً استاد، پیر اور والدین کے سامنے دو زانو بیٹھنا، ان کی خدمت میں تحائف لے جانا سب جائز ہے۔ ان کے مرنے کے بعد دعا، وصدقات وخیرات کرنا سب افعال مسنونہ ہیں۔ لیکن چند افعال امت محمدیہ میں بالکل حرام ہیں۔ خواہ وہ اس عقیدۂ شرکیہ سے پیدا ہوں یا نہ۔ جیسا کہ حلف بغیر اللہ، سجدہ بغیر اللہ، کسی ذی روح چیز کی صورت بنانا۔ اس قسم کی اور چیزیں بھی حرام ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ اگر یہ تمام افعالِ مذکورہ خدا تعالیٰ کے لئے کئے جائیں تو اللہ جل شانہ کی عبادت میں داخل ہیں اور اگر اسی عقیدہ کے ماتحت کسی پیر و فقیر کے لئے یہ افعال مذکورہ کئے جائیں تو اس پیر و فقیر کی عبادت ہو گی اور یہ سب شرک ہو گا۔ قرآن کریم میں زیادہ تر عبادت کے دو فرد بیان کئے گئے ہیں (۱) پکار اور (۲) نذر و نیاز یعنی قرآن مجید میں یہ بتایا جائے گا کہ غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارنا شرک ہے اور غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کی نذر و نیاز دینا بھی شرک ہے۔

یہ دونوں شرک اس بات سے پیدا ہوتے ہیں کہ غیر اللہ کو عالم الغیب و متصرف فی الامور سمجھا جائے۔ اسی لئے قرآن کریم میں غیر اللہ سے عالم الغیب اور متصرف فی الامور ہونے کی نفی اکثر صراحۃً کی گئی ہے اس لحاظ سے عام طور پر شرک کی چار قسمیں بیان ہوں گی (۱) شرک فی العلم (۲) شرک فی التصرف (۳) شرک فی الدعا اور (۴) شرک فعلی یعنی نذر و نیاز۔

قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے:-

مسئلہ:- دعا از اولیائے مردگان و زندگان و انبیاء جائز نیست۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ و قرء وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

آنچہ جہال می گویند یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی جائز نیست۔ شرک است۔

اقسامِ شرک

مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) شرک فی العلم (۲) شرک فی التصرف (۳) شرک فی الدعاء

اور (دوم) شرک فعلی۔

شرک فی العلم

خدا تعالیٰ کے سوا کسی پیر فقیر نبی و ملائکہ اور جن کے لئے علم غیب ثابت کرنا۔
کسی پیر و فقیر یا پیغمبر کے لئے یہ ثابت کرنا کہ جمیع ما فی السمٰوٰت والارض یا ما فی الصدور یا ہمارے اعمال و افعال کا اسے علم ہے یا اسے ہر وقت تو نہیں مگر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ جب چاہے یا جس وقت چاہے جو کچھ چاہے جان لے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ طاقت دے رکھی ہو کہ آنکھیں کھولیں اور دیکھ لیں۔ نہ دیکھنا چاہیں تو آنکھیں بند کر لیں۔ اس قسم کی طاقت و قدرت کا غیب اللہ کے لئے ثابت کرنا بھی کفر و شرک ہے۔ اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کہ علم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس طرح کا علم پیروں فقیروں کے لئے ثابت کرنا خدا تعالیٰ کی صفت میں شریک کرنا ہے جس پر آیات شاہد ہیں۔

لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمینوں کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے۔

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کا غیب میں ہی جانتا ہوں۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

فرمایا پیغمبر خدا نے کہ میرا رب ہی آسمانوں اور زمین کی باتوں کو جانتا ہے اور وہی سننے والا اور ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے۔

شرک فی التصرف

کسی پیر فقیر یا پیغمبر علیہ السلام کے لئے یہ ثابت کرنا کہ اس کو غائبانہ مافوق الاسباب نفع وضرر دینے کی طاقت ہے۔ یہ شرک فی التصرف ہے

نصاریٰ نے یہی سمجھا تھا کہ عیسیٰ اور مریم کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اختیارات دے گئے ہیں یہودیوں کو بھی یہی خیال تھا کہ اللہ کریم نے عزیر علیہ السلام کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ مشرکین مکہ کا بھی یہی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام وغیرہم کو اختیارات دے دیئے ہیں

آجکل کے مشرک مولوی اور پیر بالذات اور بالعرض کا فتنہ یہ کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام خود بخود بلا واسطہ مستقلاً عالم الغیب اور متصرف فی الامور بالذات نہیں اور بواسطہ خدا عالم الغیب اور متصرف فی الامور ہیں۔ یہ معنی بالذات اور بالعرض کا نہ قرآن مجید سے نہ کسی معتبر تفسیر سے اور نہ ہی کسی فقیر کی کتاب سے ملتا ہے بلکہ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے جیسا کہ حوالہ گذر چکا ہے کہ اس قسم کے عقیدہ کا انسان آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔

نیز اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باعطائے الٰہی سب کچھ جانتے تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وغیرہ کہہ کر اللہ اور اس کا پیغمبر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

علماء اہل السنۃ کا فتویٰ

جو شخص کسی نبی یا ولی، فرشتہ اور جن یا کسی پیر و فقیر کو کارساز اور غیب دان جانتا ہے ان کو مصیبتوں میں پکارتا ہے۔ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے اور

یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ہماری تمام پکاروں کو سنتے جانتے ہیں اور ہمارے کام کروا
لیتے ہیں وہ کافر و مشرک ہے

فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ص۱۵ میں ہے کہ غیر اللہ کو دور سے ندا دینا اگر یہ سمجھنا
کہ جن کو پکارتا ہوں وہ سن رہے ہیں تو اس سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے

بحر الرائق ص۱۲۶ جلد پنجم مطبوعہ مصر۔ عینی شرح بخاری جلد یازدہم ص۸۳
فتح الباری مطبوعہ مصر ص۳۵ جلد اول ص۱۱۵ و جلد ۸ ص۳۱۵ و جلد ۱۳ ص۳۸
فتاوی مولوی عبدالحی جلد دوم ص۳۹۔ خلاصۃ الفتاوی جلد چہارم
ص۳۵۴۔ فتاوی عالمگیریہ مطبوعہ نولکشور ص۲۱۴ قاضی خان جلد چہارم
ص۶۶ مطبوعہ مصطفائی۔ شرح فقہ اکبر ص۲۳۶ تفسیر خازن فی آخر
سورۂ لقمان ص۴۴۳۔ رد المحتار جلد ۳ ص۳۱۲ جلد ۳ ص۳۹

قرآن وحدیث کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ لاسیما علیٰ خاتم الانبیاء و آلہ واصحابہ الاتقیاء اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ حم سجدہ ع ۵

سجدہ کے دو معنی ہیں۔ اوّل لغوی یعنی کسی کے لیے سر نیچا کرنا عجز کی خاطر۔ چنانچہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ماخذ علہ: والسجود فی الاصل تذلل مع تطامن۔ (بیضاوی ص ۲۵/۱)

ترجمہ: اور سجود لغت میں اظہار عجز سے سر نیچا کرنے کے ساتھ

دوم شرعی: یعنی زمین پر ماتھا رکھنا۔ چنانچہ علامہ رازی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

ما اخذ عنہ: لان السجود لا شك انه في عرف الشرع عبارة عن وضع الجبهة على الارض۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ عرف شرع میں سجود عبارت ہے زمین پر ماتھا رکھنے سے۔

پھر دونوں دو قسم ہیں: اوّل سجدہ عبادت و تعظیمیہ دوم سجدہ تحیہ و تکریمیہ۔

تعریف سجدۂ عبادت: کسی مخلوق کو (خواہ نوری ہو یا ناری ہو یا خاکی ہو، زندہ ہو یا مردہ، غائب ہو یا موجود، حیوان ہو یا جماد، تعزیہ ہو یا قبر وغیرہا) کو مافوق الاسباب ذاتی یا عطائی طور پر غیب دان اور نفع و نقصان کا مالک و مختار یا شفیع قہری مان کر رکوع یا سجدہ لغوی یا شرعی کرے، محض اس کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کے لیے اس خیال کہ میرا مسجود چونکہ میرے اس سجدہ کو جان رہا ہے اور دیکھ رہا ہے اس لیے مجھ سے خوش ہو کر میری جان و مال میں برکتیں اور منافع ڈال دیگا اگر میرے کوئی منافع اس کے حدود اختیار سے باہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کے ذریعہ منوا کر منافع دلوا دے گا

اور اگر میں نے اس کے سجدہ سے بے رخی کی تو وہ مجھ سے ناراض ہو کر مجھے نقصان پہنچائے گا یا شفاعت کے ذریعہ پہنچوائے گا۔

ملل سماویہ اور سجدۂ عبادت

اس قسم کا رکوع و سجود کسی دین سماوی اور مذہب حقہ میں کسی مخلوق کے لیے آنکھ جھپکنے جتنی دیر کے لیے بھی جائز نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ہر ما سوا اللہ تعالیٰ کے لیے حرام قطعی رہا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مذہب حقہ و کتب سماویہ کا اجماعی اور قطعی عقیدہ رہا ہے کہ اس قسم کا رکوع اور سجود خاصہ تعظیمیہ باری تعالیٰ ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز لکھتے ہیں:

فہم سلف علماء یکے آنکہ برائے ادائے حق عبودیت باشد و ایں قسم در جمیع ادیان و جمیع ملل برائے غیر خدا حرام و ممنوع است و ہیچ گاہ جائز نشدہ۔ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۲۴۳)

ترجمہ: ایک قسم سجدہ کا یہ ہے کہ حق عبودیت کے ادا کرنے کے لیے کیا جائے اور اس قسم کا سجدہ تمام دینوں اور تمام مذہبوں میں غیر اللہ تعالیٰ کے لیے حرام اور ممنوع ہے اور کسی وقت جائز نہیں ہوا۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

فهم سلف منه: ان السجود الشرعي عبادة وعبادة غيره سبحانه شرك محرم في جميع الاديان والازمان ولا اراها حلت في عصر من الاعصار. (روح المعاني ج ۲)

ترجمہ: سجدہ شرعی عبادت ہے اور غیر اللہ تعالیٰ کی عبادت تمام مذہبوں اور تمام زمانوں میں شرک اور حرام رہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ کسی زمانہ میں جائز ہوئی ہو۔

مذہب اسلام میں حکم رکوع و سجدہ عبادت

اس قسم کا رکوع اور سجدہ کسی مخلوق کو کرنا اس کو الٰہ و معبود بنانا اور اس کی عبادت کرنا ہے اگرچہ زبان سے یہ ساجد اپنے اس سجدہ کو عبادت اور اپنے مسجود کو الٰہ نہ کہے، اور یہ سجدہ کرنے والا حقیقی کافر اور اصلی مشرک ہو جائے گا اور احکام کفر و ارتداد اس پر جاری ہو جائیں گے حتیٰ کہ نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔

ماخذ علمہ: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَ

يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (پ ۲ البقرہ ع ۲۷)

ترجمہ: اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں اُن سے نکاح نہ کرو۔ اور مشرک عورتوں سے تو ایمان والی لونڈی بہتر ہے، گو وہ تمہیں بھلی معلوم ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فھم سلف علماء: پہلے کافر اور مسلمان میں نسبت ناتا جاری تھا۔ اس آیت سے حرام ٹھہرا، اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا ان کا نکاح ٹوٹ گیا، شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر ایک بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جانے۔

(موضح القرآن پ ۲ بقرہ ع ۲۷)۔

علماء دیوبند اور سجدہ عبادت

مباحثہ ۵: امت مسلمہ کا قرناً بعد قرن اس بات پر

اتفاق رہا اور یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا خواہ وہ انسان زندہ ہو یا مردہ ہو خواہ وہ از قبیل جمادات ہو یا حیوانات الغرض کوئی بھی خدا تعالیٰ کے سوا ہو اس کو سجدہ عبادت و بندگی کی نیت و ارادہ سے کیا جاوے اور اس کو معبود قرار دے کر سجدہ کریں تو یہ سجدہ صریح کفر اور خروج عن الایمان ہوگا اور اس کا مرتکب یقیناً کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۱۲۹ ج ۵-۶)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۳: حتیٰ لو سجد الکعبۃ نفسہا کفر (در مختار ص۲۹۹ ج۱)

ترجمہ: حتیٰ کہ اگر کعبہ کی ذات کو سجدہ کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۴: لان سجود العبادۃ لغیر اللہ تعالیٰ کفر۔ (تفسیر کبیر ص۲۱۲ ج۲)

ترجمہ: سجود عبادت کا غیر اللہ تعالیٰ کے لیے کفر ہے۔

علامہ حلبی حنفیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۵: لو سجد لغیر اللہ تعالیٰ یکفر (کبیری ص۔۔)

ترجمہ: اگر کسی غیر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

مذہب مشرکین ، در بارہ سجدہ عبادت

مذہب اسلام کے خلاف مشرکین کا یہ مذہب رہا ہے اور اب بھی ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمارے معبودوں کے لیے بھی جائز ہے اس لیے قرآن پاک نے قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ اعلان فرما دیا ہے کہ سجدہ صرف خالق کا حق ہے کسی مخلوق کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

ماخذ علمہ: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ (پ ۱۹ نمل ع ۲)

توجمہ :- میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتی ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو انہیں آراستہ کر دکھایا ہے اور انہیں راستے سے روک دیا ہے سو وہ راہ پر نہیں چلتے ۔ اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے ،

اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

ماخذ علہ ۲ ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (پ ۲۴۔ حٰمٓ السجدہ ع ۵)

ترجمہ:۔ سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

علامہ خازنؒ واللفظ لہٗ اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:۔

شانِ نزول: یعنی ان ناسا کانوا یسجدون الشمس والقمر والکواکب ویزعمون ان سجودھم لھذہ الکواکب ھو سجود للہ عزوجل فنھوا عن السجود لھذہ الوسائط وامروا بالسجود للہ الذی خلق ھذہ الاشیاء کلھا (خازن ص ۱۲۴ پ ۲۴، روح المعانی ص ۱۲۶ پ ۲۴)

ترجمہ: لوگ چونکہ سورج اور چاند اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ ہمارا ان ستاروں کو سجدہ کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے پس ان کو ان واسطوں کے سجدہ سے روک دیا گیا اور حکم کیے گئے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کرو جو ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

فهم سلفت عله: فمنها انهم كانوا يسجدون للاصنام والنجوم فجاء النهى عن السجدة لغير الله تعالى.
(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۶/۱)

ترجمہ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشرکین اصنام اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لیے شریعت نے غیر اللہ تعالیٰ کے سجدہ سے منع فرمایا۔

حکم سجدہ تحیہ: اب شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کی دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ یہ ہے کہ یہ سجدہ تحیہ ایسی چیزوں کو کرتا ہے جن کا سجدہ کرنا کافروں کا شعار اور ان کی خاص علامت ہو چکی ہے جیسا کہ بُت یا ستارے وغیرہ، تو یہ سجدہ تحیہ بھی باجماع اُمت سجدہ عبادت کی طرح کفر اور ارتداد اور حقیقی شرک ہے اگرچہ سجدہ کرنے والے کی نیت عبادت کی نہ ہو بلکہ محض ظاہری تکریم سلام کی طرح مقصود ہو کیونکہ یہ سجدہ بوجہ شرکیہ عقیدہ و شرکیہ تعظیم سے خالی ہونے کے اگرچہ حقیقۃً عبادت نہیں لیکن صورت عبادت کی ضرور ہے اور احکام شرعیہ ایسے مقام

میں نیت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ صورت اور ظاہر پر وارد ہوتے ہیں

فتویٰ از علمائے دیوبند

البتہ سجدۂ تعظیم یعنی حق تعالیٰ کے غیر کو سجدہ بندگی و عبادت کے مقصد سے تو نہ کریں بلکہ محض ادب و تعظیم کے طور پر جیسے قیام تعظیم کیا جاتا ہے اسی طرح سجدۂ تعظیمی کیا جاوے تو اس کے حکم میں تفصیل ہے: اگر یہ سجدۂ تعظیم ان چیزوں کو کیا جاوے جن کو سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بُت یا پیپل کا درخت یا گنگا یا جمنا یا چاند، سورج وغیرہ، تو یہ سجدۂ تعظیم بھی باجماعِ امت اور باتفاق علماء کفر و شرک ہے اس کا کرنے والا کافر مرتد ہے، اگرچہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی نہ رکھتا ہو کیونکہ احکامِ شریعت ظاہر عقل سے متعلق ہیں نہ نیات سے۔

احکام دنیا کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر

شمار ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص۱۲؎ ج۶۰۵)

صورت ثانیہ: یہ کہ یہ سجدہ تحیہ عقیدہ شرکیہ سے بھی خالی ہو ورنہ حقیقتہً عبادت بن جائے گا۔ اور ایسی چیزوں کو بھی سجدہ نہ ہو جن کا سجدہ کافروں کا شعار اور علامت بن چکی ہیں ورنہ یہ سجدہ صورۃً عبادت بن جائے گا۔ اس کی مثال جیسا کہ بادشاہوں اور رئیسوں کا سجدہ یا آباؤ اجداد، اساتذہ، اور مشائخین کا سجدہ، تو اس میں حنفیہ علماء کے دو قول ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ یہ سجدہ بھی بتوں کے سجدہ کی طرح مطلقاً کفر ہے بہ نیت عبادت ہو یا تحیہ ہو، **اولاً** اس واسطے کہ اس سجدہ پہ ہر صورت میں عبادت کی تعریف بھی آتی ہے کیونکہ عبادت نام ہے انتہائی عاجزی کا اور سجدہ سے بڑھ کر کونسی انتہائی عاجزی ہو سکتی ہے۔ **ثانیا** یہ کہ اسی سجدہ تحیہ پر قرآن پاک میں کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، جس طرح آگے مفصل آرہا ہے۔

فتویٰ از علمائے دیوبند

ماخذ ۱: دوسرا سجدہ تحیۃ وہ ہے کہ اس میں قصد غیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی طرف ہو جن کو کفار سجدہ کرتے ہیں اور جن کی طرف سجدہ کرنا شعار کافروں کا سمجھا جاتا ہے۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ بھی کفر ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب قریب بالکفر ہو جاتا ہے ..... جو لوگ کہ سجدہ غیر اللہ کو مطلقاً کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جیسے سجدہ آفتاب اور بت وغیرہ کو کرنا کفر ہے، اسی طرح اپنے آباء و مشایخ کو مخلوقات میں سے (اور اولیاء اللہ کے مزارات کو) سجدہ کرنا بھی کفر ہے (خواہ کسی نیت و ارادہ سے ہو)۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۲۹ ج ۵-۲)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ماخذ ۲: قال القهستاني وفي الظهرية يكفر

بالسجدة مطلقا۔ (شامی ج۵ ص۲۳۹)

ترجمہ:۔ قہستانی فرماتے ہیں کہ ظہیریہ میں ہے کہ مطلق سجدہ سے کافر ہو جائے گا۔ یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے خواہ نیت عبادت سے ہو یا تحیہ سے ہو۔ یہی مراد ہے کلمہ مطلقا سے۔

ماخذ ۳:۔ قال الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ وان سجد للسلطان بنیۃ العبادۃ او لم تحضرہ النیۃ فقد کفر کذا فی جواہر الاخلاطی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص۳۶۸)

ترجمہ: فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں اگر بادشاہ کو سجدہ کرتا ہے نیت عبادت سے یا اس کو کوئی نیت حاضر نہیں ہے پس تحقیق وہ کافر ہوا جواہر اخلاطی میں اسی طرح ہے۔

علامہ کردری حنفیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۴:۔ والسجدۃ لھؤلاء الجبابرۃ کفر لقولہ تعالیٰ مخاطبا للصحابۃ رضی اللہ عنھم ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون نزلت حین استأذنوا فی السجود لہ علیہ الصلوۃ والسلام ولا یخفی ان الاستئذان لسجود التحیۃ بدلالۃ بعد اذ انتم مسلمون مع اعتقاد جواز سجدۃ العبادۃ لا یکون مسلما فکیف یطلق علیہم بعد اذ انتم مسلمون ...... قیل لمسلم اسجد للملک والا

فتلك الا فتقل ان لا یسجد لانه کفر فلا یأتی بما هو کفر ضرورۃ کما فی الاکراہ علی اجراء کلمة الکفر وبهذا اعلم ان ما یفعله الجهلة لطواغیتهم سحرو بسمرته با سکاہ کفر عند بعض المشائخ وکبیرۃ عند الکل۔ (فتاوی بزازیہ ص ۳۴۳/۳۲۴ علی ھامش العالمگیریہ ج ۶)

ترجمہ: اور سجدہ کرنا ان جبابرہ کو کفر ہے بوجہ فرمانِ الٰہی کے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے کہ کیا حکم کرتا ہے تم کو کفر کا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو' یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ صحابہؓ نے آپؐ کو سجدہ کرنے کی آپؐ سے اجازت مانگی تھی اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صحابہؓ کا اجازت مانگنا سجدہ تحیہ کے لیے تھا جس پر بعد اذ انتم مسلمون صاف دلالت کر رہا ہے ورنہ اگر وہ سجدہ عبادت کے جواز کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عقیدہ رکھتے ہوتے تو وہ مسلمان ہی نہ ہوتے پھر ان پر بعد اذ انتم مسلمون کیسے اطلاق کیا جاتا۔ مسلمان کو اگر کہا جاوے کہ تو بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ تجھے قتل کر دیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے اس لیے کہ یہ سجدہ کفر ہے پس اس مجبوری میں ایسا کام نہ کرے جو کفر ہے جس طرح کلمہ کفر کے جاری کرنے پر اکراہ والے مسئلہ کا یہی حکم ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جاہل لوگ جو اپنے

طاغوتوں کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور اس کو بالکاو کہتے ہیں" وہ بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک کفر ہے لیکن گناہ کبیرہ تمام مشائخین کے نزدیک ہے

علامہ کردیؒ کی عبارت کی قدرے تشریح

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت کا شانِ نزول یوں نقل فرماتے ہیں :-

شان نزول : اخرج عبد بن حمید عن الحسن قال بلغني ان رجلا قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، نسلم علیك کما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجد لك قال لا ولکن اکرموا نبیکم و اعرفوا الحق لاھلہ فانہ لا ینبغی ان یسجد لاحد من دون اللہ تعالیٰ فنزلت - (روح المعانی ص۲۰۶) علامہ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ماخذ : اخرج عبد الرزاق عن الحسن البصری - الخ (مراغی ص۱۹۶)

ترجمہ : عبد بن حمید اور عبد الرزاق نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جوان نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ پر ایسے سلام پڑھتے ہیں جس طرح بعض ہمارا بعض پر سلام پڑھتا ہے آیا ہم آپ کے لیے سجدہ نہ کریں ؟ فرمایا نہ ! لیکن احترام کرو اپنے نبی کا ، اور

پہنچا تو حق اس کے اہل کے لیے، بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایک کے لیے بھی سجدہ نہ کیا جائے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

طرز استدلال: اس شانِ نزول سے صاف معلوم ہوا کہ یہ آیت ان صحابہ کرامؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے آپؐ سے سجدۂ تحیۃ کی اجازت مانگی تھی کیونکہ اگر وہ سجدۂ عبادت کی اجازت مانگتے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتے کیونکہ عبادت غیر اللہ تعالیٰ کی یقیناً کفر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو بعد اذ انتم مسلمون کا خطاب فرما کر ان کو مسلمانوں میں کیوں شمار کرتے۔ بہرحال صحابہ کرام کے اس سجدۂ تحیۃ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ایامرکم بالکفر میں کفر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ سجدہ مطلقاً کفر ہے خواہ عبادت کا ہو یا تحیۃ کا ہو۔

علامہ عمادیؒ و اللفظ لہٗ اور قاضی بیضاویؒ اور علامہ زمخشریؒ اور خطیب شربینیؒ اور علامہ آلوسیؒ اور علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ علیہ: وقوله تعالى بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ يدل على ان الخطاب للمسلمين وهم المستأذنون السجود له عليه السلام۔ (ابو السعود ص۳۶۰ ج۱۔ بیضاوی ص۱۲۵ ج۱۔ کشاف ص۲۵۸ ج۱۔ سراج منیر ص۲۲۳ ج۱۔ بحر المحیط ص۵۰۶ ج۲۔ مدارک ص۱۷۰ ج۱)

ترجمہ: فرمانِ الٰہی بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ دلالت کر رہا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں کو ہے اور وہ وہی ہیں جو اجازت مانگنے والے تھے آپ سے آپ کو سجدہ کرنے کی۔

سوال: آیت کا شانِ نزول مفسرین حضرات نے یہود و نصاریٰ کو بنایا ہے تو پھر اس آیت میں نہ خطاب مسلمانوں کو ہوگا اور نہ سجدہ تحیہ کا بنے گا بلکہ یہ سجدہ عبادت کا ہوگا جس پر کفر کا اطلاق ہو رہا ہے تو آپ کا استدلال سجدہ تحیہ کے کفر ہونے پر اس آیت سے کیسے صحیح بنے گا۔

الجواب: کتبِ تفسیر میں یقیناً یہ شانِ نزول منقول ہے لیکن پہلے شانِ نزول کو مفسرین حضرات نے اس لیے ترجیح دی ہے کہ آیت میں فرمانِ الٰہی بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ اگر بغیر کسی تاویل کے منطبق ہو سکتا ہے تو صرف صحابہ کرام پر نہ یہود و نصاریٰ پر کیونکہ وہ تو نزولِ آیت سے پہلے موافق نصِ قرآنی کے کافر تھے، مسلمان کہاں تھے کہ ان پر بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ سچا آوے۔ اس تاویل کے ذریعہ آیت کا انطباق اگرچہ ان پر ممکن ہے لیکن ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے راجح نہیں ہے کیونکہ بغیر قرینہ مسلمون کا اصطلاحی اور شرعی معنی ترک کر کے لغوی معنی مراد لینا خلافِ تبادر ہے۔

علامہ خفاجیؒ لکھتے ہیں:

ما اخذ علیہ: یعنی ھذہ الفاصلۃ ترجیح القول بانھا نزلت فی المسلمین القائلین افلا نسجد لک لا فی ابی رافع والسید بناء علی الظاہر وان جاز ان یقال للنصاریٰ انا مرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون: ای منقادون مستعدون للقبول الدین الحق ارخاء للعنان و استدراجا۔

(عنایۃ القاضی ص۳۱ ج ۳)

ترجمہ: یعنی یہ فاصلہ ترجیح دیتا ہے اس قول کو کہ یہ آیت ان مسلمانوں میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ حضرت ہم آپؐ کو سجدہ نہ کریں نہ ابو رافع اور سید کے حق میں ظاہر پر بنا کرتے ہوئے یہی مطلب ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ نصاریٰ کو بطور ارخاء عنان اور استدراج کے کہا جاوے کہ ہم تم کو کفر کا حکم کرتے ہیں بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو یعنی منقاد اور مستعد ہو، دینِ حق کے قبول کرنے کے لیے۔

قولِ ثانی جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ سجدہ تحیہ کی یہ دُوسری صورت شرک و کفر نہیں ہے کیونکہ سجدہ تحیہ کا جواز مخلوقات کے درمیان پہلی شریعتوں میں ملتا ہے بالخصوص برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اور ملائکہ مقربین کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو خود قرآن مجید سے ثابت ہے اور یہ سجدہ عبادت کا

تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عبادت غیر اللہ تعالیٰ جیسا سنگین شرک کسی دین سماوی میں ایک لحظہ کے لیے بھی جائز نہیں ہوا۔ بہر حال یہ سجدہ تحیہ کا بنے گا تو اگر سجدہ مطلقاً کفر ہوتا تو نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ نے مذاہب حقہ میں کفر کو جائز قرار دیا تھا اور یہ مقربین کفر کرتے تھے۔ حاصل یہ کہ سجدہ کی اس صورت کے کفر اور عدم کفر میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے لیکن اس میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سجدہ تحیہ مذہب اسلام میں منسوخ اور حرام قطعی اور گناہ کبیرہ اور اس کی منسوخیت اور حرمت پر امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماع ہے اور اس کو جائز ماننا اور مباح سمجھنا کفر ہے۔

حجۃ الاسلام جصاص رازی حنفیؒ واللفظ لہٗ اور علامہ نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ماخذ علمہ: ان السجود لغیر اللہ تعالیٰ علی وجہ التکرمۃ و التحیۃ منسوخ۔ احکام القرآن ص۳۵ ج۱ مدارک ص۳۳

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو سجدہ کرنا اکرام اور سلام کے طور پر منسوخ ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ماخذ علمہ فحرم ھذا فی ھذہ الملۃ وجعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانہ ھذا مضمون قول قتادہ وغیرہ ابن کثیر صفحہ ۴۹ ج ۲

ترجمہ : اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی اور کے لیے سوائے اپنی ذات پاک کے سجدے کو مطلقاً حرام کر دیا اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اسے اپنے لیے ہی مخصوص کر لیا۔ حضرت قتادہ وغیرہ کے قول کا اصل اور مضمون یہی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز حنفیؒ لکھتے ہیں :

ماخذ نمبر ۳ : دوم اینکہ برائے تکریم و تحیہ باشد مانند سلام و سر خم کردن و این معنی باختلاف رسوم و عادت و تبدل ازمنہ و اوقات مختلف است گاہے جائز است و گاہے حرام در امت ہائے سابقہ جائز بود۔ چنانچہ در قصہ حضرت یوسف علیہ السلام و اخوان ایشان واقع شد کہ خروالہ سجدا و در شریعت ما این طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام و ممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ۔ تفسیر عزیزی ص ۱۶۷/۱

ترجمہ : دوسری صورت یہ ہے کہ سجدہ سے مراد سلام اور سر نیچا کرنے کی طرح فقط احترام اور تحیہ مقصود ہو اور یہ طریق بوجہ اختلاف رسوم و عادات کے اور تبدل زمان اور اوقات کے مختلف رہا ہے۔ کبھی جائز ہا ہے اور کبھی حرام اور امم سابقہ میں جائز رہا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں واقع ہے کہ گر گئے اس کے لیے سجدہ کرنے والے" اور ہماری شریعت میں یہ طریق بھی مخلوقات کے درمیان حرام اور

ممنوع ہے بوجہ احادیث متواترہ کے کہ اس باب میں وارد ہیں۔

نیز شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۴۳: وجواب ایں شبہ آنست کہ دریں تقریر سراسر غفلت از اجماع قطعی است بر تحریم سجدہ و ذھول عن ذکر الناسخ

فتاویٰ عزیزی ص۱۱۲ ج ۱۔

ترجمہ: جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس سائل کی تقریر میں سراسر غفلت ہے۔ اس اجماع قطعی سے جو اس سجدۂ تحیہ کی حرمت پر منعقد ہو چکا ہے اس طرح پوری غفلت ہے اس کے ناسخ کے ذکر کرنے سے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۴۴: وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا وصار آثما مرتکبا للکبیرۃ۔ در مختار ص۲۳۶ ج ۵۔

ترجمہ: اور اسی طرح علماء اور رئیسوں کے سامنے زمین کو بوسہ دینے والا کام جو جاہل کرتے ہیں وہ حرام ہے۔ کرنے والا اور اس کے ساتھ راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں اس لیے کہ یہ بت کی عبادت کے مشابہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا اس کے ساتھ انسان کافر

ہوگا تو اس کے متعلق قانون یہ ہے کہ یہ کام اگر عبادت اور تعظیم کے طور پر کرتا ہے تو کفر ہے اور اگر تحیہ کے طور پر ہے تو کفر نہیں ہے لیکن گنہگار اور مرتکب کبیرہ کا ضرور ہوگا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۵۵ : وظاہر کلامھم اطلاق السجود علی ھذا التقبیل (شامی ص ۲۳۶ ج ۵)

ترجمہ : فقہا کی ظاہر کلام یہ ہے کہ اس تقبیل (بوسہ دینا) پر سجود کا اطلاق کرتے ہیں۔

ماخذ ۵۶ : من سجد للسلطان علی وجہ التحیۃ او قبل الارض بین یدیہ لا یکفر ولکن یاثم لارتکابہ الکبیرۃ، ھو المختار (فتاوی عالمگیریہ ص ۳۶۸ ج ۵)

ترجمہ : جو شخص بادشاہ کو سلام کے طور پر سجدہ کرتا ہے یا اس کے سامنے زمین چومتا ہے کافر تو نہ ہوگا لیکن گنہگار ضرور ہوگا بوجہ مرتکب ہونے گناہ کبیرہ کے۔ یہی قول مختار ہے۔

علامہ محمد ورق حنفی لکھتے ہیں:

ماخذ ۵۷ : وبھذا تعلم ان ما یفعلہ الجھلۃ لطواغیتھم ویسمونہ بایکاہ کفر عند بعض المشایخ و کبیرۃ عند الکل فلو اعتقدھا مباحۃ لشیخہ فھو کافر وان امر شیخہ بہ ورضی بہ مستحسنا لہ فالشیخ

النجدی ایضا کافر ان کان قد اسلم فی عمرہ ۔ فتاوی بزازیہ علی هامش الهندیه صفحہ ۳۴۳ ج ۶ ۔

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ جہال اپنے ظالموں کے لیے جو کچھ کرتے ہیں اور ان کو بابکاۃ کہتے ہیں وہ بعض مشایخ حنفیہ کے نزدیک تو کفر ہے اور گناہ کبیرہ ساروں کے نزدیک ہے۔ پس اگر اس نے اس سجدہ تحیہ کا اپنے شیخ کے لیے جواز کا عقیدہ رکھا پس وہ کافر ہے اور اگر اس کے شیخ نے اس کو اس سجدہ کا حکم دیا اور اس کو اچھا جان کر اس پر راضی ہوا پس یہ شیخ نجدی بھی کافر ہے اگر اس کو ساری عمر میں کبھی اسلام نصیب ہوا ہو تو۔

مسئلہ

سر نیچا کرنا بادشاہ کے سامنے یا کسی اور کے سامنے سلام کے طور پر مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۱۰: وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ۔ شامی صفحہ ۲۳۹ ج ۵

ترجمہ: محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے لیے سر نیچا کرنا مکروہ ہے۔

ماخذ ۱۱: لانہ یشبہ فعل المجوس کذا فی جواہر

الاخلاطی و یکرہ الانحناء عند التحیہ وبہ ورد النہی کذا

فی التمرتاشی۔ عالمگیریہ ص۳۶۹ ج ۵

ترجمہ: اس لیے کہ یہ فعل مجوس کے مشابہ ہے جس طرح جواہر اخلاطی میں ہے اور تمرتاشی میں ہے کہ سلام کے وقت سر نیچا کرنا مکروہ ہے بوجہ اس پر نہی وارد ہونے کے۔

محدث کشمیریؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۳: ثم الانحناء ایضاً جعل مکروہاً تحریماً فی شریعتنا۔ فیض الباری ص۴۳ ج ۱۔

ترجمہ: سر نیچا کرنا بھی ہماری شریعت میں مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

بیان قرآن

آیت ۱ کی اعلان: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ

اللّٰہِ اَحَدًا ۔ پ ۲۹ ۔ جن ۔ ع ۲

ترجمہ: اور بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

فائدہ: کلمہ "مساجد" کی تفسیر میں اگرچہ مفسرین کے اقوال تفسیریہ تین ہیں لیکن مقصد ان ساروں کا نقطہ ایک ہے اور وہ یہ کہ مذہب اسلام میں تمام سجدے خواہ عبادت کے ہوں یا تحیہ کے ہوں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اس کے سوا ہر قسم کی مخلوق کے لیے ہر قسم کا سجدہ ممنوع ہے۔

قول اوّل: "مساجد" سے مراد سجدہ کرنے کی جگہیں ہیں اور مذہب اسلام میں وہ ساری روئے زمین ہے، جس طرح حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ اب مطلب آیت کا یہ بنے گا کہ جب ساری زمین صرف میری پیدا کردہ ہے اور خالص میری مخلوق ہے اور میرے سوا کسی قسم کی مخلوق کو اس کے پیدا کرنے میں کسی قسم کا دخل بھی نہیں ہے تو اس میری پیدا کردہ زمین پر ہر قسم کے سجدے بھی صرف میرے لیے کیا کرو اور میرے سوا کسی غیر اللہ تعالیٰ کے لیے اس زمین پر کسی قسم کا سجدہ نہ کیا کرو، نہ عبادت کا، نہ تحیہ کا۔

خلاصہ یہ کہ اس زمین پر سارے سجدے صرف خالق زمین کے لیے ہیں، نہ مخلوق کے لیے۔

حضرت امام رازیؒ لکھتے ہیں:

ما نحن فيه: قال الحسن اراد بالمسجد البقاع كلها

قال عليه الصلوة والسلام جعلت لى الارض مسجدا كانه

تعالى قال الارض كلها مخلوقة لله تعالى فلا تسجدوا عليها

لغير خالقها۔ تفسیر کبیر ص۱۶۳ ج ۳۰

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مساجد سے مراد ساری جگہیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میرے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تمام زمین صرف اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے تو اس پر اس زمین کے خالق کے بغیر کسی کے لیے سجدہ نہ کیا کرو۔

قول دوم: "مساجد" سے مراد وہ اعضاء ہیں جن سے سجدہ ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی منہ اور دو ہاتھ اور دو گھٹنے اور دو قدم تو مطلب آیت کا یہ بنے گا کہ جب یہ اعضاء بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور ان کے پیدا کرنے میں کسی غیر اللہ تعالیٰ کا کسی قسم کا ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہے تو پھر ان اعضاء کے ساتھ تمام قسم کے سجدے بھی صرف ان اعضاء کے خالق کے لیے کیا کرو۔ اور اس کے ماسوا کسی مخلوق کے لیے کسی قسم کا سجدہ ان اعضاء کے ساتھ نہ کیا کرو۔

خلاصہ یہ کہ ان اعضاء کا سجدہ صرف خالق اعضاء

کے لیے ہے، نہ مخلوق کے لیے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ماخذ عنہ: وقال سعید بن المسیب وطلق بن حبیب اراد بالمساجد الاعضاء التی یسجد علیها العبد وهی القدمان والرکبتان والیدان والوجه، یقول هذه الاعضاء انعم الله بها علیك فلا تسجد لغیره بها فتجحد نعمة الله قال عطاء مساجدك اعضاءك التی امرت ان تسجد علیها لا تذللها لغیر خالقها۔ قرطبی ص ۲۰/۱۹

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیبؒ اور طلق بن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کی مراد مساجد سے وہ اعضاء ہیں جن کے ذریعہ بندہ سجدہ کرتا ہے اور یہ دو قدم اور دو گھٹنے، اور دو ہاتھ اور منہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اعضاء صرف اللہ تعالیٰ ہی نے تجھ پر انعام فرمائے ہیں۔ لہٰذا ان اعضاء کے ساتھ کسی غیر اللہ تعالیٰ کو کوئی سجدہ نہ کر، ورنہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا منکر ہو جائے گا۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ مساجد تیرے وہی اعضاء ہیں جن کے ذریعہ سجدہ کرنے کا تجھے حکم کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کے خالق کے علاوہ کسی مخلوق کے لیے ان اعضاء سے سجدہ نہ کر۔

علامہ مظہری لکھتے ہیں:

ماخذ عنہ: یعنی انها مخلوقة لله تعالیٰ

فلا تسجدوا علیہا غیرہ۔ مظہری صفحہ ۹۳ ج ۱۰

ترجمہ: یعنی یہ اعضاء صرف اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، لہٰذا ان پر کسی غیر اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرو۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ماخذ ۳: والثانی: الاعضاء التی یسجد علیہا العبد، قالہ سعید بن جبیر، و ابن الانباری وذکرہ الفراء فیکون المعنی: لا تسجدوا علیہا لغیرہ۔ زاد المسیر صفحہ ۳۸۴ ج ۸۔

ترجمہ: دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور ابن الانباری کا قول یہی ہے اور فراء نے بھی اسی کو ذکر کیا ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اعضاء پر کسی غیر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ نہ کیا کرو۔

قول سوم: مساجد سے مراد سجدے ہیں، مطلب آیت کا یہ ہے گا کہ تمام سجدے خواہ تحیہ کے ہوں یا عبادت کے سب کے سب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ماخذ ۴: والرابع: ان المساجد السجود فانہ

جمع مسجد يقال سجدت سجوداً ومسجداً كما يقال
ضربت في الارض ضرباً ومضرباً ثم يجمع فيقال المساجد
والمضارب قال ابن قتيبة فعلى هذا يكون واحدها
مسجداً بفتح الجيم، والمعنى: اخلصوا له، ولا تسجدوا
لغيره - زاد المسير ص۳۸۳ ج ۸

ترجمہ: چوتھا قول یہ ہے کہ مساجد سے مراد سجود ہیں
کیونکہ یہ مسجد کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے سجدت سجوداً ومسجداً جس طرح
کہا جاتا ہے ضربت فی الارض ضرباً ومضرباً پھر اُن کی جمع کی جاتی ہے
مساجد اور مضارب ہے۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں
اس کا مفرد مسجد بنے گا جیم کی فتح کے ساتھ اور معنی آیت کا یہ ہے
کہ سجدوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر دو اور اس کے غیر کے
لیے سجدے نہ کرو۔

علامہ نیشاپوریؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۱۲: وعن الحسن ايضاً ان المساجد جمع
مسجد بالفتح فيكون مصدراً بمعنى السجود - تفسیر
نیشاپوری ص۹۳ ج ۲۹

ترجمہ: اور حضرت حسن بصریؒ سے بھی روایت ہے کہ
مساجد جمع ہے مسجد کی جیم کی فتح کیساتھ تو یہ مصدر میمی بنے گی اور اس کا
معنی سجود ہوگا۔

سوال: جب مساجد مصدر میمی ہے تو اس کو جمع کیوں لایا گیا ہے حالانکہ مصدر کو تثنیہ جمع نہیں کیا جاتا۔

الجواب: چونکہ سجدہ کے بہت اقسام اور انواع تھے مثلاً سجدۂ تحیہ اور سجدۂ عبادت اور سجدۂ عبادت صلوتیہ اور سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر۔ تو یہ جمع لانا سجدہ کے ان تمام اقسام اور انواع کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ تمام قسم کے سجدے خواہ تحیہ کے ہوں یا عبادت کے ہوں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اور کوئی سجدہ بھی کسی مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جمع لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آیت میں مخلوق سے ہر قسم کے سجدہ کی ممانعت ہو جائے۔

علامہ شیخ زادہؒ لکھتے ہیں:

ماخذ علمہ: والمساجد على تقدير كونه جمع مسجد بمعنى السجود جمع مع ان الاصل فى المصدر ان لايثنى ولايجمع لقصد الانواع فان انواع السجود مختلفة باختلاف اوقات الصلوات الخمس و تلاوت آيات السجدة۔ شیخ زادہ ص ۵۵۹ ج ۳

ترجمہ: مساجد جب بمعنی سجود کی جمع ہے تو باوجود کہ اصل مصدر میں یہ ہے کہ اس کو تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا لیکن اسکو جمع لایا گیا ہے انواع کے ارادہ کی خاطر کیونکہ انواع سجود کے مختلف ہیں

بوجہ اختلاف پانچ نمازوں کے اوقات کے اور تلاوت آیات سجود کے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۲: اور ان دبی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کو کیا جاوے اور کوئی سجدہ غیر اللہ کو جیسا مشرکین کرتے تھے۔ بیان القرآن ص۲۹ ج ۲

سوال: کیا سلفؒ میں سے کسی عالم دین نے اس آیت کو سجدۂ تحیہ کے جواز کے لیے ناسخ مانا ہے۔

الجواب: یقیناً مانا ہے۔ چنانچہ امام بزازی کردری حنفیؒ نے سجدۂ تحیہ کے مرتکب کے حق میں فقہاء حنفیہ کے دو قول نقل کیے ہیں ایک کفر کا دوسرا گناہ کا، اس کے بعد لکھتے ہیں:

ماخذ ۱: والقائل الاول یدعی نسخہ بتلک الآیۃ وبقولہ تعالٰی فلا تدعوا مع اللّٰہ احدا۔ فتاوی بزازیہ ص۳۴۳ ج ۱

ترجمہ: اور قائل پہلا (یعنی کفر کا فتوی دینے والا) اس کے نسخ کا دعوی کرتا ہے اس آیت کے ساتھ اور اس فرمان الٰہی کے ساتھ کہ بیشک تمام سجدے خالص اللہ تعالٰی کے لیے ہیں، پس نہ پکارو اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی ایک کو۔

حضرت شاہ عبدالقادر حنفیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۲: پہلے وقت میں سجدۂ تعظیم تھے آپس کے فرشتوں

نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا ہے۔ اس وقت اللہ نے وہ رواج موقوف کیا وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ۔ الآیۃ اس وقت پہلے رواج پر چلنا دیا ہے کہ کوئی بہن سے نکاح کرے کہ حضرت آدم کے وقت ہوا۔ موضح القرآن۔ ۳پ۔ یوسف۔ حاشیہ آیت نمبر ۱۰۰۔

علامہ محدث کبیر حضرت الاستاذ صاحب حنفیؒ لکھتے ہیں۔

ماخذ ۳: ذکر فی الموضح ان ناسخ السجدۃ التعظیمیۃ لغیر اللہ ھو قولہ تعالیٰ وان المساجد للہ۔ الآیہ۔ مشکلات القرآن ص۲۶۳

ترجمہ: موضح القرآن میں ذکر کیا ہے کہ سجدہ تحیہ ماسوی اللہ تعالیٰ کے لیے منسوخ کرنے والا یہ فرمانِ الٰہی ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ الآیۃ

آیت دوم: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ۔ پ۸۔ اعراف۔ ع۳

ترجمہ: کہدو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے کرو۔ اور اسی کے خالص فرمانبردار ہو کر اُسے پکارو۔ جس طرح تمہیں پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ پیدا ہوگے۔

علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں

ماخذ ۱: والثالث اجعلوا سجودکم خالصاً للہ تعالیٰ دون غیرہ۔ قالہ الربیع بن انس۔ زاد المسیر ص۱۸۵ ج۳

ترجمہ: تیسرا قول یہ ہے کہ اپنے تمام ہی سجدوں کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کرو، نہ اس کے غیر کے لیے۔ ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔

امام ابن جریرؒ لکھتے ہیں:

ماخذ ۱۵۵: وقال آخرون بل عنی بذلک واجعلوا سجودکم للہ خالصا دون ما سواہ من الآلھۃ والانداد۔

ابن جریر ص ۱۵۵ ج ۸

ترجمہ: دوسرے مفسرین فرماتے ہیں بلکہ مراد خداوندی اس آیت سے یہ ہے کہ اپنے سجدوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دو نہ ان معبودوں اور شریکوں کے لیے جو اس کے سوا ہیں۔

امام طبریؒ اس معنی کو حضرت ربیع بن انسؓ سے اپنی سند کے ساتھ نقل کر کے یوں محاکمہ لکھتے ہیں:

ماخذ ۱۵۶: واولی ھذہ التاویلین بتاویل الآیۃ ما قالہ الربیع۔ ابن جریر ص ۱۵۶ ج ۸۔

ترجمہ: آیت کی ان تاویلوں سے بہتر تاویل وہی ہے جو حضرت ربیع نے فرمائی ہے۔

آیت سوم: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ پ ۳۔ آل عمران۔ ع ۸۔

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ اس لیے کہ تم اللہ کی کتاب سکھاتے ہو اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو۔

بعض صحابہؓ نے آپؐ سے آپؐ کے لیے سجدہ تحیہ کی اجازت مانگی تو اس سے اوّلاً خود حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اسی آیت کو نازل فرما کر سجدہ تحیہ نبویہ صلعم سے منع فرما دیا۔

سوال ۱۰: ممکن ہے کہ صحابہؓ نے آپؐ سے آپؐ کے لیے سجدۂ عبادت کی اجازت مانگی ہو اور آیت میں اسی کی ممانعت نازل ہوئی ہو؟

الجواب: یہ بالکل باطل اور مردود ہے اس لیے کہ سجدۂ عبادت ہر دین میں غیر اللہ تعالیٰ کے لیے شرک ہے اور صحابہؓ شرک سے تائب ہونے کے بعد شرک کی اجازت کیسے مانگ سکتے تھے جب کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی نفی میں سجدۂ عبادت کی نفی معلوم کر چکے تھے۔

خلاصہ یہ کہ وہ حضرات سجدۂ تحیہ کی اجازت مانگ رہے تھے، نہ سجدۂ عبادت کی۔

بیانِ حدیث

اجمال: ہر ماسوی اللہ تعالیٰ کے لیے سجدۂ تحیہ کی حرمت پر شریعت مقدسہ میں احادیث متواترہ آچکی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں:

ماخذ علمہ: و در شریعت ما ایں طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام و ممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ۔ تفسیر عزیزی ص ۱۷۸ ج ۱۔

ترجمہ: اور ہماری شریعت میں یہ طریق (سجدہ تحیہ والا) بھی مخلوقات کے درمیان حرام اور ممنوع ہے۔ اس حرمت کی دلیل وہ احادیث متواترہ ہیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔

فائدہ: محدثِ وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے اجمالاً ثابت ہوا کہ سجدہ تحیہ کی حرمت پر احادیثِ متواترہ ثابت ہیں لیکن اس کی قدرے تفصیل عرض کی جاتی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ تاکہ کسی غبی یا غوی کو رخنہ اندازی کا موقع نہ ملے۔

اولاً وہ احادیث ہوں گی جو ہر ماسوی اللہ کے لیے سجدہ کی

ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

ثانیاً وہ احادیث جو صرف قبور کے سجدہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

قدرے تفصیل، احادیث عامہ

امام ترمذی لکھتے ہیں:

ماخذ علہ: عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لو کنت آمر احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها وفی الباب عن معاذ بن جبل وسراقة بن مالک بن جعشم وعائشة وابن عباس وعبد الله ابن ابی اوفی و طلق بن علی وام سلمة وانس و ابن عمر، حدیث ابی هریرة حدیث حسن۔ ترمذی ص ۱۳۸ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں (خدا کے علاوہ) کسی کو کسی اور کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اس باب میں معاذ بن جبل، سراقہ بن مالک بن جعشم، عائشہ، ابن عباس، عبداللہ بن ابی اوفی، طلق بن علی، ام سلمہ، انس اور ابن عمر سے روایات مذکور ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)، حدیث ابی ہریرہؓ حسن ہے۔

راوی نمبر ۱ ثعلبہ بن ابی مالک۔ مخرج ابونعیم نقل از خصائص کبریٰ ص ۵۶ ج ۲

راوی نمبر ۱۲ یعلیٰ بن مرۃ مخرج ابونعیم والطبرانی نقل از خصائص کبری ص ۵۰/۲

〃 ۱۳ قیس بن سعد 〃 ابوداؤد ص ۲۹۱/۱

〃 ۱۴ عصمۃ 〃 طبرانی نقل از نیل الاوطار شوکانی ص ۲۳۱/۱

〃 ۱۵ بریدہ 〃 مستدرک حاکم 〃 کنز العمال ص ۲۳۶/۲۱

〃 ۱۶ جابر بن عبداللہ 〃 بیہقی عبد بن حمید 〃 〃 ص ۲۳/۲۱

〃 ۱۷ زید بن ارقم 〃 طبرانی 〃 〃 〃

〃 ۱۸ عبداللہ بن مسعود 〃 طبرانی اوسط والکبیر مجمع الزوائد ص ۹/۹

〃 ۱۹ الصبیب 〃 طبرانی 〃 الاولیاء النوادر ص ۲۰۶/۱

〃 ۲۰ عقبہ بن مالک 〃 〃 〃 〃 〃

〃 ۲۱ غیلان بن مسلم 〃 〃 〃 〃 〃

خلاصہ یہ کہ ہماری ناقص تلاش کے موافق یہ حدیث اکیس صحابہؓ سے مروی ہے۔

فائدہ: اب صرف وہ حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جو بالخصوص قبر کے سجدہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں خواہ سجدہ عبادت کا ہو یا تحیہ کا سجدہ، قبر کو ہو یا قبر کی طرف ہو۔

احادیث خاصہ: یہ دو قسم ہیں۔ قسم اوّل وہ جو صرف بزرگوں کے مزارات کے سجدہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث ۱: عن علی بن ابی طالب قال قال لی

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ائذن للناس علی فأذنت قال لعن اللہ قوماً اتخذوا قبور انبیاءھم مسجدا ثم اغمی علیہ فلما افاق قال یا علی ائذن للناس علی فاذنت للناس علیہ فقال لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیاءھم مسجدا ثم اغمی علیہ فلما افاق قال یا علی ائذن للناس فاذنت لھم فقال لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیاءھم مسجدا ثم اغمی علیہ فلما افاق قال یا علی ائذن للناس فاذنت لھم فقال لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیاءھم مسجدا ثلاثا فی مرض موتہ۔ رواہ البزار۔ مجمع الزوائد ص۲۵ ج۲۔

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے مرض میں مجھ سے فرمایا کہ لوگوں کو ہمارے پاس حاضر ہونے کا حکم دو۔ میں نے حکم دیا۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ہر اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔ پھر حضورؐ پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو فرمایا اے علیؓ لوگوں کو اذن دو۔ میں نے اذن دیا فرمایا اللہ کی لعنت ہے اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔ یہ تین بار ایسا ہی ہوا۔

حدیث ع٢ : وعن عبد الله یعنی ابن مسعود قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من شرار الناس من تدرکهم الساعة وهم احیاء ومن یتخذ القبور مساجد ۔ رواه الطبرانی فی الکبیر واسناده حسن ۔ مجمع الزوائد ص ٢٧ ج ٢ ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سنا میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے سب لوگوں سے بدتر وہ لوگ ہیں جن کے جیتے جی قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ کہ قبروں کو سجدہ گاہیں بناتے ہیں ۔

حدیث ع٣ : عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی مرضه الذی لم یقم منه لعن الله الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد متفق علیه ۔ مشکوٰة ص ٦٩ ج ١ ۔ قالت فلولا ذلك ابرز قبره غیر انه خشی ان یتخذ مسجدا ۔ مسلم ص ٢٠١ ج ١

ترجمہ :۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس سے اٹھے نہیں تھے کہ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ۔

حدیث ۴: وعن جندب قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یموت بخمس وھو یقول الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذلک۔ مسلم شریف ص۲۰۱ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پانچ روز قبل سنا آپؐ نے فرمایا کہ خبردار ہو جاؤ کہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد (اور سجدگاہ) بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجد نہ بنانا! میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔

حدیث ۵: عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج۔ حدیث حسن۔ ترمذی ص۴۳ ج ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان پر جو قبروں پر مسجد بناتے ہیں اور چراغ جلا کر بیٹھتے ہیں۔

راوی نمبر ۶ اسامہ بن زیدؓ مخرج احمد و الطبرانی فی الکبیر نقل از مجمع الزوائد ص۲۸ ج ۲

راوی نمبر ۷ زید بن ثابتؓ مخرج طبرانی کبیر رجالہ موثقون

نقل از مجمع الزوائد صـ۲۸ ج ۲۔

راوی نمبر ۸ ابی عبیدۃ بن الجراحؓ مخرج بزار رجالہٗ موثقون نقل از مجمع الزوائد صـ۲۹ ج ۲

راوی نمبر ۹ ابی سعید الخدریؓ مخرج بزار نقل از مجمع الزوائد صـ۲۹ ج ۲

راوی نمبر ۱۰ جابر بن عبد اللہؓ مخرج ابن عدی نقل از ذیل لاو لالی صـ۱۲۰ ج ۲

راوی نمبر ۱۱ ابوہریرۃؓ مخرج مسلم صـ۲۰۱ ج ۱

حدیث ۱۳ : عن عائشۃ ان ام حبیبۃ وام سلمۃ ذکرتا کنیسۃ رایتها بالحبشۃ فیہا تصاویر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اولئک اذا کان فیہم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ عزوجل الی یوم القیامۃ۔ مسلم صـ۲۰۱

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ و ام سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس گرجا کا ذکر کیا جو حبشہ میں دیکھ کر آئی تھیں اور اس میں نبی کی تصویریں تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی صالح بندہ مر جاتا تھا تو اس کی قبر کے پاس سجدہ گاہ بنا کر اس میں یہ تصویریں بنا دیتے تھے ایسے ہی لوگ تا قیامت عند اللہ تمام مخلوق سے زیادہ برے ہیں۔

حدیث ۱۴ : عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا۔ مسلم ص۳۱۲ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔

حدیث ۸: عن انس بن مالک قال رآنی عمر بن الخطاب وانا اصلی عند قبر فجعل یقول القبر قال فحسبته یقول القمر قال فجعلت ارفع راسی الی السماء فانظر فقال انما اقول القبر لا تصل الیہ قال ثابت فکان انس بن مالک یاخذ بیدی اذا اراد ان یصلی فیتنحی عن القبور۔ مصنف عبد الرزاق ص۴۰۴ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مجھے قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بولے قبر قبر، میں سمجھا کہ قمر قمر کہہ رہے ہیں تو میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو فرمانے لگے، ارے میں تو قبر کہہ رہا ہوں۔ قبر کی طرف منہ کرکے نماز نہ پڑھو۔ حضرت ثابت کا بیان ہے کہ حضرت انس جب نماز پڑھنے لگتے تھے تو میرا ہاتھ پکڑ کر قبروں سے ایک طرف ہو جاتے تھے۔

حدیث ۹: عن انس[۱۵] بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یصلی بین القبور۔ صحیح ابن حبان ص۱۵۴ ج ۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے روک دیا۔

خلاصہ: یہ کہ یہ روایت ۱۵ صحابہؓ سے مروی ہے۔

احادیث خاصہ قسم دوم جو مطلقاً قبروں کے سجدہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث علہ: وعن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ و الحمام رواہ الخمسۃ الا النسائی۔ نیل الاوطار ص ۱۳۶ ج ۲

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین ساری مسجد ہے سوا قبرستان اور حمام کے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

ماخذ علہ: والحدیث صححہ الحاکم فی المستدرک وابن حزم الظاہری واشار ابن دقیق العید فی الامام الی صحتہ نیل الاوطار ص ۱۳۶ ج ۲

ترجمہ: اور اس حدیث کو حاکمؒ نے مستدرک میں صحیح کہا ہے اور ابن حزم ظاہری نے صحیح کہا ہے اور ابن دقیق العید نے امام میں اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

راوی نمبر ۲ حضرت جابرؓ۔

" ۳ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

راوی نمبر ۴ حضرت عمران بن الحصینؓ

〃 ۵ حضرت معقل بن یسارؓ

〃 ۶ حضرت انس بن مالکؓ۔

مخرج ابن عدی فی الکامل نقل از نیل الاوطار صـ۱۳۷ ج ۲

راوی نمبر ۷ حضرت علیؓ مخرج ابوداؤد صـ۷۱ ج ۱

〃 ۸ حضرت ابوسعید خدریؓ مخرج ابن ماجہ صـ۵۴

〃 ۹ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ 〃 〃 〃

〃 ۱۰ حضرت عمر بن الخطابؓ 〃 〃 〃

خلاصہ یہ کہ یہ روایت دس ۱۰ صحابہ سے مروی ہے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

ماخذ علہ: قال ابن حزم احادیث النہی عن الصلوٰۃ الی القبور والصلوٰۃ فی المقبرۃ احادیث متواترۃ لا یسع احدا ترکہا۔ نیل الاوطار صـ۱۳۷ ج ۲

ترجمہ: حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ قبروں کی طرف نماز پڑھنے اور قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی احادیث تو متواترہ ہیں۔ کسی شخص کو ان کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر احادیث عامہ اور خاصہ دونوں کو ملایا جائے تو کل تعداد ۴۶ چھیالیس بنتی ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ شمار کرو تو عامہ کی تعداد ۲۱، اور خاصہ قسم اول کی ۱۵، اور خاصہ قسم دوم کی ۱۰ بنیں گی۔

محدثینؒ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ جو حدیث دس صحابہؓ سے
مروی ہو وہ متواتر ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

**ماخذ علیہ: قال الاصطخری اقلہ عشرۃ وھو
المختار۔ تدریب الراوی ص۳۷۶**

ترجمہ: علامہ اصطخریؒ فرماتے ہیں کہ اقل درجہ اس کا
دس راوی ہیں اور یہی قول مختار ہے۔

تو بنا علیہ یہ حدیث بلاریب متواتر بنے گی کیونکہ یہ تو
۴۶ چھیالیس صحابہؓ سے منقول ہے۔

۱۴۳
سجدہ تعظیمی کفر ہے
مولوی احمد رضا کا فتویٰ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
حرمتِ سجدۂ تعظیمی
مصنفہ
اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ
نوری بک ڈپو لاہور

حدیث چہاردہم: حاکم صحیح مستدرک میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی اِنَّہٗ اَتَی الشَّامَ فَرَاَی النَّصَارٰی یَسْجُدُوْنَ لِاَسَاقِفَتِہِمْ وَرُھْبَانِہِمْ وَرَاَی الْیَھُوْدَ یَسْجُدُوْنَ لِاَحْبَارِھِمْ وَرَبَّانِیِّہِمْ فَقَالَ لِاَیِّ شَیْءٍ تَفْعَلُوْنَ ھٰذَا؟ قَالُوْا تَحِیَّۃُ الْاَنْبِیَاءِ قُلْتُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَّصْنَعَ بِنَبِیِّنَا فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہُمْ کَذَبُوْا عَلٰی اَنْبِیَائِہِمْ کَمَا حَرَّفُوْا کِتَابَہُمْ لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِہَا مِنْ عَظِیْمِ حَقِّہٖ عَلَیْہَا۔ وہ شام کو گئے۔ دیکھا کہ نصاریٰ اپنے پادریوں اور فقیروں کو سجدہ کرتے ہیں اور یہود اپنے عالموں اور عابدوں کو۔ اُن سے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ کہا: یہ انبیاء کی تحیت ہے۔ معاذ فرماتے ہیں میں نے کہا تو ہمیں زیادہ سزاوار ہے کہ ہم اپنے نبی کو سجدہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اپنے انبیاء پر بہتان کرتے ہیں جیسے انہوں نے اپنی کتاب بدل دی ہے۔ میں اگر کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم فرماتا تو شوہر کے عظیم حق کے سبب عورت کو سجدہ کرنے کا حکم فرماتا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پانزدہم: امام احمد مسند میں اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور طبرانی کبیر میں معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی اَنَّہٗ لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْیَمَنِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَاَیْتُ رِجَالًا بِالْیَمَنِ یَسْجُدُ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ اَفَلَا نَسْجُدُ لَکَ۔ قَالَ لَوْ کُنْتُ اٰمِرًا بَشَرًا یَسْجُدُ لِبَشَرٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِہَا۔ وہ جب یمن سے واپس آئے تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے یمن میں لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں، تو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں؟ فرمایا: اگر میں کسی بشر کو بشر کے لئے سجدے کا حکم دیتا۔ تو عورت کو سجدۂ شوہر کا

حدیث سی و چہارم: امام احمد و طبرانی بسند جید عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ۔ بے شک سب لوگوں سے بدتروں میں وہ لوگ ہیں جن کے جیتے جی قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ کہ قبروں کو جائے سجود ٹھہراتے ہیں۔ (صفحہ ۲۷)

(نوع دوم) قبر کی طرف سجدہ کرنے کی ممانعت۔

حدیث بست و چہارم: امام احمد، امام مسلم، ابوداؤد و ترمذی و نسائی و امام طحاوی ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا۔ قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔

حدیث بست و پنجم: طبرانی معجم کبیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُصَلُّوْا اِلَى قَبْرٍ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَى قَبْرٍ۔ نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور نہ قبر پر نماز پڑھو۔ تیسیر میں ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حدیث بست و ششم: صحیح ابن حبان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَى الْقُبُوْرِ۔ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ علامہ مناوی نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حدیث بست و ہفتم: ابوالفرج کتاب العلل میں بطریق رشدین عن کریب عن ابیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ اِلَى اَحَدٍ وَلَا اِلَى قَبْرٍ۔ خبردار ہرگز کوئی کسی آدمی کی طرف نماز میں منہ کرے اور نہ کسی قبر کی طرف۔

حدیث بست و ششم: احمد بخاری مسلم نسائی ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ اُدْخُلُوْا عَلَیَّ اَصْحَابِیْ فَدَخَلُوْا عَلَیْہِ وَھُوَ مُتَقَنِّعٌ بِبُرْدَۃٍ مَعَافِرِیٍّ فَکَشَفَ الْقِنَاعَ ثُمَّ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ. رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرض وفات شریف میں فرمایا کہ میرے اصحاب کو میرے حضور لاؤ، حاضر ہوئے، حضور نے روئے انور سے کپڑا ہٹا کر فرمایا یہود و نصارٰی پر اللہ تعالٰی کی لعنت، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبریں محلِ سجدہ قرار دے لیں۔ صفحہ ۱۴۳

فصل سوم

ڈیڑھ سو نصوص فقہ سے سجدۂ تحیت حرام ہونے کا ثبوت

(۴) فتح المعین علامۃ السید ابی السعود الازہری جلد اول ص ۲۵۰
اَلتَّوَاضُعُ غَایَتُہٗ تُوْجَدُ فِی السُّجُوْدِ وَلِھٰذَا لَوْ سَجَدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَکْفُرُ. تواضع کا ختم سجدے پر ہے۔ اس لئے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے۔

نص (۵) کفایۂ شعبی سے اِذَا سَجَدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَکْفُرُ لِاَنَّ وَضْعَ الْجَبْھَۃِ عَلَی الْاَرْضِ لَا یَجُوْزُ اِلَّا لِلّٰہِ تَعَالٰی. غیر خدا کو سجدہ کرے تو کافر ہے، کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کے لئے جائز نہیں۔

نص (۶) مبسوط امام جلیل شمس الائمہ سرخسی۔

نص (۷) اسی سے جامع الرموز ص ۵۳۵ مَنْ سَجَدَ لِغَیْرِہٖ تَعَالٰی عَلٰی وَجْہِ التَّعْظِیْمِ کَفَرَ. غیر خدا کو سجدۂ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔

سجدہ کسی کے لئے حلال نہیں۔ نص (۶۴) طریقہ محمدیہ قلمی نوع سیزدہم آفاتِ قلب میں تذلل کو حرام بتا کر فرمایا: وَمِنْهُ السُّجُوْدُ وَالرُّكُوْعُ وَالْاِنْحِنَاءُ لِلْكُبَرَاءِ عِنْدَ الْمُلَاقَاةِ وَالسَّلَامِ وَرَدِّهٖ؛ اسی حرام فروتنی سے ہے، بزرگوں کو ملتے اور انہیں سلام کرتے یا جواب دیتے وقت انہیں سجدہ یا اُن کے لئے رکوع کرنا یا قریب رکوع تک جھکنا۔ نص (۶۵) منح الروض ص ۲۲۷ اَلسَّجْدَةُ حَرَامٌ لِغَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى، غیر خدائے سبحانہ وتعالیٰ کو سجدہ حرام ہے۔

نص (۶۶) روضہ امام اجل ابو زکریا نووی، نص (۶۷) تحریر امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۱۳ مَا يَفْعَلُهٗ كَثِيْرُوْنَ مِنَ الْجَهَلَةِ الظَّالِمِيْنَ مِنَ السُّجُوْدِ بَيْنَ يَدَيِ الْمَشَايِخِ فَاِنَّ ذٰلِكَ حَرَامٌ قَطْعًا بِكُلِّ حَالٍ سَوَاءٌ كَانَ لِلْقِبْلَةِ اَوْ لِغَيْرِهَا وَسَوَاءٌ قَصَدَ السُّجُوْدَ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَوْ غَفَلَ وَفِيْ بَعْضِ صُوَرِهٖ مَا يَقْتَضِي الْكُفْرَ عَافَانَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ ذٰلِكَ؛ وہ جو بہت ظالم جاہل پیروں کو سجدہ کرتے ہیں، یہ ہر حال میں حرام قطعی ہے، چاہے قبلہ کی جانب ہو یا اور طرف، اور چاہے خدا کو سجدہ کی نیت کرے یا اس نیت سے غافل ہو، پھر اس کی بعض صورتیں تو مقتضی کفر ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ دے، آمین۔ ص ۳۴، ۳۵

(۲۴۳) اب شرائع سابقہ اور نسخ اور قطعی وظنی کا سب جھگڑا خود ہی چکا دیا، اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرما چکا اَيْنَمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ؛ تم جہاں کہیں ہو کعبہ ہی کو منہ کرو، تو جس طرح اس آیت سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا، اور جو اس طرف نماز کا قصد کرے، مستحق جہنم ہے، یوں ہی آدم ویوسف علیہما الصلاۃ والسلام کے یہاں جو معظمین دین کو سمت بناتا تھا وہ بھی بعینہٖ اسی آیت سے منسوخ ہو گیا، اور مشائخ و مزارات کو سمت بنانے والا حکم الٰہی کا مخالف و مستحق نار ہو گیا، جیسے

کوئی بہن سے نکاح کرے، یہاں سند ہے کہ شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ
و السلام میں جائز تھا۔ واقعی حظ نفسہا تجھی یا کش۔
(۲۴۳) اب وہ مجموعہ قیاس کہ۔ کیا پتھروں کا بنا ہوا کعبہ الخ
خود ہی مردود ہو گیا۔ نص قطعی کے مقابل قیاس کار ابلیس ہے،
کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔

غرض اول تا آخر تحریر بکر شاہد، اور محمد ہر شخص آگاہ کہ غیر
خدا کو سجدہ کرنے میں کلام ہے، نہ کہ پتھر کی طرف۔ کعبہ کی طرف ہر
مسلمان سجدہ کرتا ہے، اور کعبہ کو سجدہ کرے تو کافر۔ صلشا

نص (۶۹) غایۃ البیان فی شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی کی بلاغ
بحث سجدہ میں: وما یفعلہ بعض الجھال من الصوفیۃ بین
یدی شیخھم حرام محض اقبح البدع فینھون عن ذلک لا
محالۃ۔ سجدہ کہ بعض جاہل صوفی اپنے پیر کے سامنے کرتے ہیں نرا حرام
ہے اور سب سے بدتر بدعت ہے۔ وہ ضرور اس سے باز رکھے جائیں۔
نص (۷۰) وجیز امام حافظ الدین محمد بن محمد کردری جلد ۳ ص ۳۴۳
وبھذا علم ان ما یفعلہ الجھلۃ بطواغیتھم و یسمونہ پائے گاہ
کفر عند بعض المشایخ و کبیرۃ عند الکل فلو اعتقد ھا
مباحۃ لشیخہ فھو کافر، وان امرہ شیخہ بہ و رضی بہ
مستحسنا لہ فالشیخ النجدی ایضا کافر ان کان قد اسلم فی
عمرہ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کہ جاہل اپنے سرکش پیروں کو
کرتے ہیں اور اسے پائے گاہ کہتے ہیں، بعض مشایخ کے نزدیک کفر
ہے، اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے، پس اگر اسے اپنے پیر کے لئے
جائز جانے تو کافر ہے، اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم
کیا اور اسے پسند کرکے اس پر راضی ہوا، تو وہ شیخ نجدی خود بھی
کافر ہوا۔ اگر کبھی وہ مسلمان تھا بھی۔

اقول: بھئے ایسے متکبر خدا فراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خواہشمند غالباً شرع سے آزاد بے قید و بند ہوتے ہیں، یوں تو آپ ہی کافر ہیں، اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے، تو حرام قطعی یقینی جانی کر اچھا جان کر اب ہوئے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، یہ نفیس سجدۂ تحیت کے حکم میں عشر نصوص ہیں، کہ سجدہ اللّٰہ واحد قہار ہی کے لئے ہے، اور اس کے غیر کے لئے مطلقاً کسی نیت سے ہو، حرام حرام حرام، کبیرہ کبیرہ کبیرہ۔ ۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ تَعْزِيْزًا وَتَعْزِيْزًا اَبَدًا۔

گستاخانِ مصطفیٰ ﷺ
کی
خانہ تلاشی

مصنفہ
فاتح رضاخانیت، قاطع بریلویت
علامہ محمد رمضان صاحب نعمانی
ناشر
مکتبہ دار التصنیف والاشاعت احمد پور شرقیہ (بہاولپور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
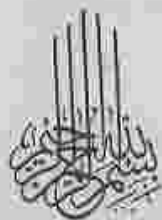
ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا
صفتِ باری تعالیٰ ہے
غیر کو شریک کرنیوالا خارج از اسلام ہے

قرآن و حدیث کا فیصلہ

لوازم و صفات الوہیت

حاضر و ناظر — علم غیب — قدرت و اختیار

الوہیت کے لوازم و خصائص اور عبادت کے اصول و قواعد تین ہیں۔ وہ تین بنیادوں یا ستونوں پر عبادت کی پوری عمارت قائم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنے استحقاقِ عبادت کو بیان فرمایا ہے تو انہی صفات کا اثبات فرمایا، اور غیر اللہ کی عبادت، دعا، پکار سے منع فرمایا ہے تو ان سے انہی صفات کی نفی فرما کر جن میں ان صفات ثلاثہ کا فقدان ہے۔ اس میں عبادت کی صلاحیت کہاں؟ لہٰذا کوئی مشرک کسی کے ساتھ شرک کرتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہے تو اس اعتقاد و شعور اور ایمان و یقین کے ساتھ کرے۔

۱۔ وہ معبود ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، جہاں بھی میں اسے پکاروں وہ میری پکار کو سنتا ہے، میری تکلیف کو دیکھتا ہے، اور موقع پر میری مشکل کو حل اور میری حاجت روا کر دیتا ہے۔ میری ڈوبتی ہوئی کشتی کو کندھا دے کر کنارے لگا دیتا ہے۔

۲۔ وہ معبود عالم الغیب ہے، یعنی میرے دکھ درد کو جانتا ہے۔ اسے میری مصیبت اور تکلیف کا —— خواہ وہ کہیں ہے اور میں کہیں —— سب علم ہے۔ اسی طرح جو بھی اسے پکارے اس کے حالات و مصائب سے وہ باخبر ہے، یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہے۔ اور دنیا کی کوئی بات، جہان کا کوئی راز اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔ زمین و آسمان کی مخلوقات کے ظاہر و باطن سے وہ بخوبی آگاہ ہے۔

۳۔ وہ معبود قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ مالک و مختار اور متصرف فی الامور ہے۔ نفع نقصان کا مالک ہے، میری تکلیف میرا دکھ درد دور کرنے پر قادر ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔

ہر مشرک بنیادی طور پر یہ تین احساسات و عقائد رکھتا ہے۔

۱۔ مشرکین سابقین کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

وَقَالُوْا هٰؤُلَاءِ يَسْتَمِعُوْنَ وَيُبْصِرُوْنَ وَيَشْفَعُوْنَ لِعِبَادِهِمْ وَيُدَبِّرُوْنَ اُمُوْرَهُمْ وَيَنْصُرُوْنَهُمْ

مشرکین کہتے ہیں کہ یہ معبود سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، اپنے پجاریوں کی سفارش کرتے ہیں۔ ان کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، جلد اول ص ۶۱)

۲۔ خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:۔

ولا اری احدا ممن یقول ذلک الا وھو یعتقد ان المدعو الحی الغائب او المیت المغیب یعلم الغیب او یسمع النداء ویقدر بالذات او بالغیر علی جلب الخیر ودفع الاذی الا لما دعاہ ولا فتح فاہ۔

غیر اللہ حضرات اولیاء کو پکارنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی میں نے نہیں دیکھا مگر وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے خواہ وہ زندہ ہے مگر غائب ہے یا وفات یافتہ ہے لیکن (قبر میں) غائب وہ غیب کا علم رکھتا ہے یا پکار کو سنتا ہے اور نفع پہنچانے اور نقصان یا تکلیف سے بچانے کی طاقت و قدرت رکھتا ہے خواہ ذاتی طور پر اور خواہ عطائی طور پر ——— اگر اس کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو نہ تو اسے پکارتا اور نہ منہ کھولتا۔

۳۔ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) عقائد باطلہ شرکیہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

و انبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ...)

حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لئے لوازم الوہیت ثابت کرتے ہیں علم غیب اور ہر شخص کی ہر جگہ فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت و اختیار رکھنا۔

بہرحال الوہیت کے لوازم اور عبادت کے اصول یہی تین ہیں
حضور و شہود یعنی ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، علم غیب اور قدرت و اختیار۔

گو اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے ۹۹ اسماء الحسنیٰ میں حاضر و ناظر دونوں نہیں ہیں لیکن اسماء حسنیٰ میں سے شہید اور بصیر اللہ رب العزت کے دو پاک نام ہیں شہید کے معنیٰ ہیں حاضر اور البصیر کے معنیٰ ہیں ناظر یعنی دیکھنے والا۔[1]

اللہ رب العزت کے لئے ناظر کا لفظ خود لسان نبوت سے ثابت ہے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ رواہ الترمذی[2]

دنیا بڑی لذیذ اور سرسبز و دلکش ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے اور دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔
حیرت ہے کہ اس کے باوجود پاکستان کے ایک بزرگ یوں داد تحقیق دیتے ہیں۔
"قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہؓ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔"[3] ایک اور محقق عصر نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھا کہ "ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہے"[4] ایک مقام شرک تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول خدا یا کسی اور کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے۔ اس مقام پر مجدد حاضر کے بعض بزرگوں کو قرار دیا آگے وہ ایک اور جست لگا کر اس مقام بالا

---

[1] الشہید، حاضر والبصیر، و البینا، المنجد … میں بھی یہی معنی ہیں … لغات القرآن میں ہے بصیر دیکھنے والا … [2] مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف۔
[3] تسکین … [4] … جاء الحق … ص ۱۵۳۔

یاد رکھئے! اور کبھی نہ بھولئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا شہید و بصیر ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، سمیع و قریب ہونا یہ سب صفت علم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذاتِ الٰہی تو جسم و تجسم سے پاک ہے۔ ذات پاک رب العزت کا تو ادراک ہی انسانی عقل و فہم سے وراء الوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات ہی کے ذریعے ہے اور اللہ کا ہر جگہ حاضر و موجود ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا ہر کسی کو دیکھنا ہر ایک کی سننا یہ سب صفت علم کی بنا پر ہے۔ چنانچہ عموماً ایسی آیات کے ساتھ صفت علم مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں۔

انداز ۶

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

۱۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (سورہ بقرہ رکوع ۲۳) — اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں۔ تو بیشک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجھے پکارتا ہے۔ ۱ پارہ

۲۔ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (ہود۔ ع ۶) — بے شک میرا رب قریب ہے دعا قبول کرنے والا۔ ۱۲ پارہ

۳۔ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ (آل عمران ع ۴۔ ابراہیم ع ۶) — درحقیقت میرا رب دعا سننے والا ہے۔ ۳ پارہ

عمران ۳ پارہ، ابراہیم ۱۳ پارہ

خلاصہ قرآن کریم میں سات اسلوب و انداز کے ساتھ ۱۸۸ بار اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و موجود، ناظر و بصیر، سمیع و بصیر، سمیع و قریب اور قریب و مجیب ہونے کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور ان ہی انداز و الفاظ میں کسی غیر اللہ کے لئے حاضر و ناظر یا بصیر و قریب اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونے کا ثبوت قرآن میں

سلہ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ہے۔ سلہ ۱۸۸ بار یہ حصر نہیں ہے۔ نہ حصر مقصود ہے۔

ایک بار بھی ذکر نہیں ہے۔

سنّتِ رسول

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول سے بھی یہی مضمون ثابت اور یہی حقیقت واضح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہر کسی کے ساتھ اور قریب سے اقرب ہیں

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ زور کی آواز سے تکبیریں کہنے لگے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرہ اور غائب ہو۔

إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ۔[1]

تم تو اس خدا کو پکارتے ہو جو سننے والا دیکھنے والا ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے اور وہ تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

سبحان اللہ! درجنوں آیاتِ قرآنی میں جن صفاتِ ربانی کو واضح فرمایا گیا ہے۔ ایک ہی ارشادِ نبوی میں ان تمام صفات کو اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ حاضر و موجود ہے (وَهُوَ مَعَكُمْ) قریب ہے اقرب ہے، اور سوار کے نزدیک و قریب سب چیزوں سے زیادہ اقرب اونٹ گھوڑے وغیرہ سواری کی گردن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور سَمِيعًا بَصِيرًا بھی ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ ہے خواہ کوئی کہیں ہو

۲۔ حضرت عبداللہ بن معاویہ غاضری روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

مَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ۔ رواه البزار في مسنده۔[2]

یا رسول اللہ! کسی شخص کا اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا۔ اس بات کا یقین ہو کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح باب ثواب التسبیح۔ [2] ترجمان السنۃ جلد دوم حدیث نمبر ۵۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ رواہ الطبرانی۔ [1]	سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں ہو۔

انسان کے ایمان کا درجہ کمال اور اس کے تزکیہ نفس کا انتہا یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ حاضر و موجود یقین کرے۔

اور یہ حضور و شہود کی صفت خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور کسی کی نہ یہ صفت ہے نہ شان ہے۔ اور تو اور ا محبوب رب العالمین سید المرسلین خود اپنی ذات اقدس کیلئے بھی اس ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص فرما رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لیجاتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ۔ [2]	اے اللہ تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل و عیال کا محافظ ہے۔

خلاصہ | قرآن کریم کی ہم نصوص کے بعد صرف دین کے قریب ارشادات رسول ہیں گویا کتاب و سنت کی کل تو کئے نصوص قطعیہ سے ذات پاک رب العزت کا حاضر و ناظر، سمیع و بصیر ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود اور قریب تر ہونے کا اثبات ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ و علت!

سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت جو اس طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر

[1] ترجمان السنۃ جلد دوم حدیث ۵۰۰
[2] صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح باب الدعوات فی الاوقات۔

یا عالم و خبیر ہیں تو کس لئے؟ اللہ تعالیٰ سے ہر جگہ اپنے حاضر و ناظر اور موجود ہونے یا ہر کسی کے ہر عمل و حرکت پر شاہد رہنے، ہر مخفی راز، پوشیدہ بھید بلکہ دل کی بات تک سے باعلم و باخبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہم نے حساب جو لینا ہے تو ہم ہر مجرم کو اس کے اعمال کی خبر دیں گے۔ اسے جتلائیں گے کہ تو نے فلاں جگہ فلاں وقت خلوت یا جلوت میں یہ کام کیا تھا۔ یا یہ باہم مخفی مشورہ کیا تھا۔ یا اپنے دل و دماغ میں یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ تو چونکہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا۔ (سورۃ نساء رکوع ۱۱) ... (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) اس لئے اس کا علم کامل اور بسیط و محیط ہے اور وہ اپنی اسی صفت علم کے اعتبار سے ہر وقت ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود و حاضر ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے تمام افعال و اعمال کا ناظر ہے۔ اور قیامت میں اپنے اسی وسیع و بسیط محیط علم اور اپنے حضور و شہود کی بنا پر ہر شخص سے حساب لے گا۔ اور اسے جزا یا سزا دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقامات پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے جیسے

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ (حج ع ۲ پ ۱۷)

بیشک مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

تمام مذاہب اور سب فرقوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ سب کے حالات و اعمال و عقائد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔ اس لئے وہ سب کو ان کے کردار کے مطابق مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیں گے

۲۔ عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

عالم الغیب اس کے علم سے ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر سب کتاب مبین میں

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ (پارہ ۲۲، سورۃ سبا ۴)

موجود ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں (اچھا) بدلہ دے، ان کے لئے مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے، اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے متعلق ہرانے کی کوشش کی تھی، ان کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

تو اللہ رب العزت کا علم غیب یا علم کلی بسیط و محیط اس لئے ہے تاکہ مومنین کو جزائے خیر دے، انہیں جنت عطا فرمائے اور کفار و مشرکین کو سخت سزا دے انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔

کئی جگہ قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر بار بار فرمایا۔ مثلاً سورۃ انعام میں

۳۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ۔ سے اپنے لئے علم کلی اور علم بسیط و علم محیط کا اثبات فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (پارہ ۷، انعام ۶۰)

پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

سورۃ توبہ میں فرمایا۔ اور سورۃ جمعہ میں بھی!

۴۔ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (پارہ ۱۱، توبہ ۹۴)

پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

سورۃ توبہ میں پھر فرمایا۔

۵۔ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔

۶۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (پارہ ۱۸، خاتمہ سورۃ نور)

بالیقین اللہ تعالیٰ اس حالت کو جانتا ہے جس پر تم ہو، اور جس دن اس کی طرف پھیرے جائیں گے تو وہ ان کو بتلا دے گا جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جب حضرات انبیاء و رُسل علیہم السلام کا منصب و مقام لوگوں تک آیات و احکام الٰہی صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور جو بھی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا اللہ کے بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا یا اہل ایمان کو خوشخبری سنانے کے لئے بھیجا امام الانبیاء و سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بھی صاف صاف ابلاغ و تبلیغ اور واضح طور پر انذار و تبشیر ہے۔ تو سوال یہ ہے اس منصب و مقام کے پیش نظر آپ کو علم غیب کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں تک دین پہنچانے اور انہیں ڈرانے کے لئے عالم الغیب ہونے یا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک مسلمہ اصول

منصب و مقام اور حاجت و ضرورت کے مطابق سامان، اسباب، وسائل، استعداد و اہلیت اور صلاحیت و قابلیت ودیعت کی جاتی ہے۔ ایک سپاہی یا تھانیدار کو گھوڑا یا سائیکل اور اسلحہ مہیا کی جائے گی کیونکہ اس نے نظم و امن قائم کرنا اور چور، بدمعاش، ڈاکوؤں وغیرہ امن دشمن عناصر کا تعاقب کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک مدرس کو کتاب، قلم، اور تختہ سیاہ فراہم کیا جائے گا کیونکہ اس نے بچوں کو پڑھانا ہے۔ ایک وکیل کو قانون کی ضخیم کتابوں سے بھری ایک عظیم لائبریری کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے عدالت کے سامنے ان کی روشنی میں دلائل دینا اور بحث کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ڈاکٹر کو ہسپتال میں آلات کے علاوہ ادویہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے مریضوں کا معائنہ اور علاج معالجہ کرنا ہے۔

ایک زمیندار اور کسان کے کنوئیں اور قطعے یا پیپ بیل ہل اور آلاتِ کشاورزی یا آج ٹیوب ویل اور ٹریکٹر موجود پائیں گے کیونکہ اسے اپنی اراضی پر کاشتکاری کے لئے ان کی ضرورت ہے۔ بخلاف اس کے ایک صنعت کار کی مل میں آپ چاروں طرف مشینوں کی گھن گرج، ہزاروں مزدوروں کی کھیپ اور بجلی کی کارفرمائی دیکھیں گے کیونکہ وہاں سوت، کپڑا، یا کھانڈ وغیرہ تیار کرنے کے لئے یہ چیزیں لابدی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ سکول کے کمرہ میں گھوڑا باندھا اور اسلحہ رکھی جائے۔ یا وکیل صاحب کے ہاتھ میں نشتر اور مرہم پٹی ہونی چاہئے۔ یا مثلاً زمیندار کی زمین پر ہزاروں مزدور اور مشینوں کا ہونا چاہئے یا کارخانہ دار مل کے اندر ہل اور بیل

مزدور موجود ہوں تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر ماسٹر صاحب کو گھوڑے اور رائفل کی یا وکیل صاحب کو نشتر اور مرہم پٹی کی یا کسان کو ہزاروں مزدوروں یا فقیر دن تمام مال کی اور کارخانہ دار کو بیلوں، ہلوں یا ٹریکٹروں کی آخر ضرورت کیا ہے؟

کتاب و سنت میں اس اصول کی رعایت

کتاب اللہ، سنت رسول اور شریعت مطہرہ میں بھی اس اصول کی رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ؕ (پارہ ۳۰۔ النازعات)

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس کے علم کی تعیین کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ اور آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

قیامت کب ہوگی، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو صرف قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرانا ہے۔ جب آپ کا کام صرف ڈرانا ہے تو اس کے وقوع کے وقت کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں: "تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے؟"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

۲۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پارہ ۲۹۔ الملک)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اور ڈرانے والے کو قیامت کے وقوع کے وقت سے کیا بحث؟

ایک اور مقام پر اس اصول کی رعایت ملاحظہ ہو۔ فرمایا۔

۳۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ (یٰس۔ سورت رکوع ۵)

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے لائق نہیں یہ تو محض نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف تاکہ اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر الزام ثابت ہو۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا کیونکہ شعر و شاعری آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی، آپ کو قرآن دیا جو نصیحت سے بھرپور ہے اور فلاح و ارشادی تعلیمات سے معمور ہے تاکہ حضرت کے قرآن پڑھ کر ڈرانے سے وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہے وہ اللہ سے ڈریں اور کافروں منکروں پر حجت تمام ہو جائے..... نبی کے منصب جلیل و مقام عظیم کے شایان قرآن ہے نہ کہ شعر۔ اس لئے آپ کو شعر نہیں سکھایا، قرآن دیا۔

۴۔ اسی طرح جب مشرکین کہ نے فضول فرمائشیں کیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۔۔۔۔

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے سرزمین (مکہ) سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

تو آپ کو حکم ہوا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۰)

آپ کہہ دیجئے سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیغام پہنچانے والا۔ اور کیا ہوں!

یعنی میں تو ایک آدمی ہوں پیغمبر، پیغمبر کو کسی فرمائش پوری کرنے کا اختیار کہاں؟ میرا کام تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تمہاری یہ فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں۔

نبی کریم کے لئے علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

اس اصول کی روشنی میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ابلاغ و انذار ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے لئے علم غیب، ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کیا

ضرورت ہے، اللہ رب العزت تو عالم الغیب، عالم الکل اور ہر جگہ حاضر و شہید ناظر و بصیر اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ تو اس لئے ہیں کہ انہوں نے کل اپنے بندوں کا حساب لینا ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حساب سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا علم بسیط و محیط اور حاضر و ناظر ہونے سے آپ کا کیا کام؟

اللہ کی شان اور نبی کا مقام

اللہ رب العزت نے جہاں اپنی صفات علم اور شہود و حضور کو پورے قرآن میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کا منصب و مقام بھی متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں چند مواقع پر اپنی شان اور اپنے رسول مقبول کا مقام و منصب ایک ساتھ بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۱۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ (پ ۱۳ سورہ رعد)

پس آپ کے ذمہ تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارا کام ہے

اسی طرح ارشاد فرمایا:۔

۲۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم (پ ۳۰ الغاشیہ)

پس آپ نصیحت کر دیجئے آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مختار نہیں ہیں، ہاں جس نے منہ موڑا اور کفر کیا۔ تو خدا اسے بڑا عذاب دیگا بیشک ہمارے پاس ان کو پھر آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔

تو اللہ کے رسول تو صرف مذکر و مبلغ ہیں۔ تذکیر و تبلیغ اور بلاغ و نصیحت کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہے۔ آگے اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرے گا۔ اعراض و روگردانی اور کفر و انکار کرے گا تو اسے مآل کار بالآخر رب العزت میں پیش ہونا ہے اور اس سے حساب لینا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو رسول خدا کو اپنے منصب کے پیش نظر علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ہر جگہ حاضر و موجود ہونا باعتبار صفت علم یہ اللہ کی صفت

ہے تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے کرتوتوں سے آگاہ کر سکیں۔ اور حساب کے وقت انہیں بتلا اور جتلا سکیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا تھا یا یہ بات کہی تھی یا دل میں یہ منصوبہ باندھا تھا۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور اپنی شان علم کل اور مقام فصل و حساب کے ساتھ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصب انذار و بلاغ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا:

۳۔ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۞ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۞ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۞ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۞ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۞ (مومن ع ۲)

جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) ظاہر ہوں گے۔ اللہ پر ان کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔ اس دن کس کی بادشاہی ہوگی؟ اسی اللہ ہی کی ہوگی جو اکیلا ہے غالب ہے۔ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ آج کسی پر ظلم نہ ہوگا بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اور آپ ان لوگوں کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیے جس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، اس دن ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (بلکہ ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

رسول کا منصب انذار ہے۔ اللہ کے رسول کا کام لوگوں کو قیامت کے ہولناک دن سے ڈرانا ہے۔ باقی اس دن حکومت و بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ پورے انصاف اور حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کریں گے کیونکہ آنکھوں

کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتے ہیں۔ لہٰذا کسی پر ظلم نہیں ہوگا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ اور صحیح فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو حقیقت حال کو جاننے والا ہو۔

اللہ رب العزت جو عالم الغیب، عالم الکل اور سمیع و بصیر اور علیم بما تخفی الصدور اور بدنظری تک کو جاننے والے ہیں۔ تو اس لئے کہ وہ سریع الحساب ہیں اور قیامت کے دن اپنے علم و سمیع و بصیر کی بنا پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں باقی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام صرف لوگوں کو قیامت سے ڈرانا اور اللہ کا دین اور حکم پہنچانا ہے۔ آپ کو علم غیب یا علم کل یا سمیع و بصیر ہونے یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ارشاد فرمایا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

(پارہ ۸۔ الاعراف، رکوع ۱)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے پھر ہم ان کو اپنے علم سے ان کے کام بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ سے کسی کا اچھا برا، قلیل و کثیر عمل مخفی نہیں، وہ اپنے علم محیط کی بنا پر ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں، وہ چونکہ باعتبار اپنے علم کے ہر جگہ ہر آن حاضر ہیں، کہیں سے بھی کبھی غائب نہیں۔ اللہ سب کے ظاہری یا باطنی احوال اور اچھے برے اعمال انہیں قیامت میں بتلا کر ان کا فیصلہ کریں گے۔

تو علم کل، علم غیب، علم محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا یہ وہ صفتیں اللہ رب العزت کی ہیں جن کے مطابق قیامت میں وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے کردار و اعمال سے نبی کریم کو کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے وہ قیامت میں ان سے خود بات کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور بہت سے فرقے ہوگئے

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (پ ۸۔ انعام۔ آخری رکوع)

آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ ان کو جتلا دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

شانِ خلاقی و رزاقی

آخرت اور حساب سے قطع نظر خالق اور رازق ہونے کی صفت کے تقاضے سے بھی اثبات آخرت کیا ہے

مخلوق کا علم کل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:-

۱- خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (پ ۷۔ انعام ع ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۲- دوسری جگہ فرمایا:-

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ (پ ۲۳۔ یٰس)

ایک کھڈی والا جانتا ہے کہ میں نے آج اتنے گز کپڑا بنا ہے۔ ایک کمہار جانتا ہے کہ میں نے اتنے گھڑے اور اتنے لوٹے تیار کئے ہیں، سب بکے ہیں اتنے رکھے ہیں۔ ایک لوہار جانتا ہے کہ میں نے کل اتنے توے بنائے تھے اور آج اتنی کلہاڑیاں تیار کی ہیں۔ ترکھان جانتا ہے کہ میں نے اتنے پلنگ بنائے ہیں اور اتنی کرسیاں تیار کی ہیں۔ تو خلاق العلیم کو کیسے ہر چیز کا علم کل نہ ہو جس نے ہر چیز کی تخلیق فرمائی ہے۔

۳- وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ (پ ۲۶۔ ق)

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم وہ جانتے ہیں۔

۴- أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ (پ ۲۹۔ ملک)

کیا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانے گا، اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تو خالق، پھر باریک بین اور پورے خبردار، پھر وہ نہ اپنی مخلوق کے حالات جانیں تو اور کون جانے!

۵- وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ

وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ | نہیں۔ اور وہ ہر ایک کی قرار گاہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب

(آغاز پارہ ۱۲)

چیزیں کتاب مبین میں ہیں۔

جب ٹیکیدار نے فوج کو راشن وغیرہ مہیا کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آج فوج کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟ صبح کس جگہ قیام ہے؟ اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پچھلے پہر کی چائے کہاں پیتی ہے اور رات کا کھانا کہاں کھانا ہے۔

تو اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو جو رزق دینا ہے۔ تو اسے اپنی مخلوق کے متعلق بسیط و کلی علم کیسے نہ ہوگا۔ فوق الافلاک ہے یا تحت الارض؟ یا ان کے درمیان، بحر پانی میں ہے یا ہوا میں؟ پتھر کے اندر ہے یا آگ میں، جہاں بھی جو مخلوق ہے۔ اس کا علم رازق کو ہے وہیں اس کا رزق پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خالق اور رازق ایک اللہ کی ذات پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کے خالق ہیں نہ رازق۔ بلکہ خود اللہ کے مخلوق و مرزوق ہیں۔ جب آپ کسی چیز کے خالق و رازق نہیں تو آپ کے لئے علم غیب و علم کلی کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کا منصب ابلاغ و تبلیغ اور انذار و تبشیر ہے اور اس کے لئے نہ علم غیب کی ضرورت ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی!

غیر رسول کے متعلق

جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کیلئے علم غیب، علم کلی اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی کوئی وجہ و ضرورت نہیں اور آپ نے خود اپنی ذات سے ان صفات کی صاف نفی فرما دی تو غیر رسول کے لئے اس کی بدرجہ اولیٰ کوئی وجہ اور ضرورت نہ ہوگی مگر حیرت اور استعجاب کا مقام ہے کہ جمعہ حاضر کے بعض حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کے لئے ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔ اور ہر آن!

چنانچہ خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں :۔

"ایک سیدی احمد سلجماسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی

تھی، سوتے ہیں جہاں ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت بھی شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ رہتے ہیں۔[1]

تو یہ صرف حضرت دباغ رحمۃ اللہ کی خاص صفت نہیں بلکہ ہر شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ رہتا اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں میں دیوبندی بھی "شیخ" ہیں۔ تو مرید بے چاروں کو میاں بیوی کو اپنے علاوہ ایک خالی پلنگ کا انتظام بھی بہر حال کرنا پڑے گا کیونکہ کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں، ہر آن ساتھ رہتے ٹھیک ہے مگر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب مرید یہ ماشاء اللہ بے شمار ہیں تو حضرت شیخ کو رات کی خلوت و تنہائی اور اندھیرے میں سینکڑوں ہزاروں جگہ وقت بے وقت تکلیف فرما کر مرید کے ساتھ ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک اور بزرگ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں، لکھتے ہیں:

لا تستقر نطفة في فرج انثى الا ينظرها ذلك الرجل الكامل[2]	کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔

سچ فرمایا کون انکار کرے۔ مگر اتنا تو فرما دیجئے کہ آخر وہ "رجل کامل" یہ تکلیف کس وجہ سے فرماتے ہیں!

فقہاء اسلام کی طرف سے حضرات انبیاء و اولیاء کو حاضر ناظر ماننے والوں کی تکفیر

عہد حاضر کے "فقہاء شہیر" کے ارشادات عالیہ تو آپ نے سن لئے اب شریعت محمدی کا فیصلہ اور حضرات فقہاء امت کا حکم ملاحظہ ہو۔

خاتم الفقہاء امام وقت حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی (م ١٣٠٤ھ)

---

[1] ملفوظات ... حصہ دوم صفحہ ... [2] القول ... صفحہ ...
[illegible] الرحمٰن محمد الرسا ... الرحمٰن صفحہ

رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

بجو اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاءؒ ہر وقت حاضر و ناظر اند و بہر حال ندا و ما مطلع میشوند اگرچہ از بعید باشد بشرک است چرا این صفت از مختصات حق جل جلالہ است کسے را دراں شرکت نیست، در فتاوی بزازیہ نے تولیت تزوج بلا شہود وقال خدائے و رسول خدا و فرشتگاں را گواہ کردیم یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب انتہی ونیز در بزازیہ است وعن هذا قال علماؤنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ انتہی ...... ؎

اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری پکار سنتے ہیں گو دور سے ہی پکاریں شرک ہے کیونکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خصوصیات سے ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا خدا و رسول خدا اور فرشتے گواہ ہیں یہ کافر ہو گیا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں" نیز بزازیہ میں ہے کہ اسی لئے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جس نے کہا بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں یہ کافر ہو گیا"

فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ فقہاء حنفیہ امام الفقہ کا یہ قول بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ پر بھی ہے۔

شریعت محمدی و دین اسلام کی مجبوری و مظلومی ملاحظہ ہو کہ فقہاء امت، ائمہ اعلام دین کے فتاویٰ و احکام بلکہ خود کتاب و سنت کے برعکس و برخلاف آج جاہل و بے دین لوگ متقی و مجتہد بن کر فتوے صادر کرتے ہیں کہ جو اولیاء اللہ اور خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ جانے وہ کافر ہے۔ کہاں علماء امت کا یہ فرمان کہ جو اپنے مشائخ کو حاضر سمجھے وہ کافر ہے اور کہاں آج ان کا یہ جھوٹ کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ و مرشد کو ہر وقت حاضر ناظر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ انا للہ۔

؎ مجموعۃ الفتاویٰ از حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۰۲ ج ۱۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
عالم الغیب صرف ذاتِ خدا ہے
قرآن و حدیث کا فیصلہ

انداز ۲

علم وسیع وبسیط

۱۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن، رکوع اول) ۱ بار

۲۔ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (انعام ع ۹ و طٰہٰ ع ۵ و اعراف ع ۱۱) ۳ بار

۳۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (انعام ع ۷)

اور وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہے۔ ۱ بار

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی میں ہے، خشکی تری زمین آسمان کی کوئی چیز بھی اس کے علم محیط وبسیط سے باہر نہیں۔

۴۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (پارہ ۱۳، رعد ع ۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک خاص اندازے سے ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالی قدر ہے۔ تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے یا پکار کر کہے اور جو شخص رات کو کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب اللہ کے علم میں برابر ہیں۔ ۱ بار

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

۵۔ يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي

اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے

خلاصہ | جہاں اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں الفاظ مختلف اسلوب اور انداز سے ۳۲ بار اپنے لئے صفت علم کا بیان اور علم غیب علم کلی علم محیط اور علم بے پایاں کا اثبات فرمایا ہے۔ وہاں اپنے سوا کسی برگزیدہ سے برگزیدہ مخلوق کسی فرشتہ یا ولی یا نبی حتیٰ کہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دفعہ بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ ان سے علم قیامت وغیرہ علوم کی نفی کی ہے حتیٰ کہ تمام ماسوی اللہ کے لئے علم غیب کی نفی فرمائی۔

تمام ماسوی اللہ سے علم غیب کی نفی

اپنے محبوب ومقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اعلان کرایا فرمایا۔

۱- قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پ ۲۰ نمل ع ۵)	آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں (ان میں سے)

کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ارض وسماء زمین وآسمان کی کوئی خاکی نوری یا ناری مخلوق الغیب نہیں جانتی غیب اگر جانتا ہے تو صرف ایک اللہ جانتا ہے۔ علم غیب خاصہ خدا ہے۔

کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو خود اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا ادعا باطل کرتے ہیں جن کی زبان پاک سے اللہ رب العزت نے یہ اعلان کرایا کہ زمین وآسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ ــــ تو عالم الغیب ہونے کی صفت اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے یہ صفت کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں۔ ارشاد فرمایا۔

۲- وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (پ ۷ انعام ع ۷)	اور غیب کی کنجیاں (یا خزانے) اللہ ہی کے پاس ہیں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا

تو غیب کے خزانے اور کنجیاں سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اور کسی کو ان تک رسائی نہیں۔ غیب صرف اللہ جانتا ہے۔ اس کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں

نبی کریم بھی عالم الغیب نہیں | منصب رسالت کے فرائض و وظائف ــ (انذار وتبشیر ــــ) کی ادائیگی وسرانجامی

کے لئے دو ہی اوصاف کی ضرورت ہے اختیار کی ضرورت ہے اور نہ ہی علم غیب کی۔ یہ دونوں صفات ذات پاک رب العزت کے لئے خاص ہیں۔ نبی کریم اپنی ذات کے لئے ان دونوں صفتوں کی نفی فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

۳۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ (پ ۹ ۔ الاعراف)

آپ کہہ دیجئے میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور نہ کوئی مضرت مجھے مس کرتی۔ میں تو محض اہل ایمان کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

علم قیامت کے ساتھ چند اور علوم کی تمام نفوس و ذوات سے نفی ہو رہی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (پ ۲۱ ۔ لقمان)

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا سب خبر رکھنے والا ہے۔

ف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ان پانچ باتوں کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی برگزیدہ نبی۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ ان میں سے کوئی بات جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ قرآن کی مخالفت کی۔ ھٰذِهٖ خَمْسَةٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُصْطَفٰى فَمَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ يَعْلَمُ شَيْئًا مِنْ هٰذِهٖ فَاِنَّهٗ كَفَرَ بِالْقُرْاٰنِ لِاَنَّهٗ خَالَفَهٗ ۔ [1]

---

[1] خازن مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۴۹ تفسیر اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ
خازن علامہ علاؤالدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر ہے۔

اللہ کے سوا کوئی آئندہ کی بات اپنے اختیار سے نہیں جان سکتا۔

۵۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (پارہ ۳ آیۃ الکرسی)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر جتنا وہی چاہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور کامل ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم کامل اور محیط نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر علم دینا چاہتے ہیں۔ دے دیتے ہیں۔

۶۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (پارہ ۱۶ طٰہٰ ع ۱۴)

اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا کا علم ساری مخلوق کو محیط ہے۔ اور کسی کا علم اللہ رب العزت کی ذات کا یا اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کا علم محدود ہے اور اتنا ہے جتنا اللہ رب العزت نے کسی کو دیا ہے۔

اطلاع علی الغیب

علم غیب تو کسی کو حاصل نہیں غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی مخلوق کی ان تک رسائی اور دسترس نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض غیوب پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اور اللہ تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے

لے تقویۃ الایمان، فصل دوم شرک فی العلم۔ تقویۃ الایمان توحید کی حقیقت اور شرک کی مذمت میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے حضرت شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کی مسلح جدوجہد میں سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ۔

مَنْ يَّشَآءُ ۖ (پارہ ۴، آل عمران ع ۱۸) جس کو چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔

عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی غیب پر اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیب کی جس بات پر چاہیں اطلاع دے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ (آخر سورۃ جن)

(اللہ) عالم الغیب ہے۔ سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) چلاتا ہے۔

تو غیب حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ و پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب کی جس بات پر چاہتا ہے اطلاع دے دیتا ہے اور یہ اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہے اور وحی کے ساتھ فرشتوں کا چوکی پہرہ ہوتا ہے۔

غیب کیا ہے اور کیا نہیں

۱۔ الحافظ العلامۃ الحبر المحقق حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳۹ھ

"شرح عقائد کی شرح میں رقم فرماتے ہیں کہ۔

مسئلہ علم غیب میں عوام کے لئے بحث مفید نہیں۔

"التحقيق ان الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروري والعلم الاستدلالي وقد نطق القرآن بنفي علمه عمن سواه تعالى فمن ادعى انه يعلمه كفر ومن صدق المدعي كفر واما ما علم بحاسة او ضرورة او دليل فليس بغيب ولا كفر في دعواه ولا في تصديقه في اليقيني"

تو غیب وہ ہے جو حواس ظاہری کی سمع و بصر سے غائب ہو اور علم ضروری وحی و الہام اور علم استدلالی علامات و دلائل پر اس کی بنیاد نہ ہو۔ کتاب اللہ اور ارشادات و احادیث نبوی میں اللہ کے سوا جس علم غیب کی نفی فرمائی گئی ہے وہ یہی علم غیب ہے اور اس کا مدعی و مصدق بالاتفاق کافر ہے لیکن جو امور سمع و بصر سے محسوس و مدرک ہوں یا وحی یا الہام یا علامات و دلائل سے معلوم ہوں وہ غیب

نہیں اور نہ ہی ان سے متعلق علم بلا علم غیب ہے، مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کی پیشین گوئیاں اور یا خبریں علم غیب میں داخل نہیں کیونکہ یہ وحی و الہام سے مستفاد ہیں، لہٰذا ان کا مدعی و مصدق کافر نہیں۔

۲۔ صاحب حاشیہ نبراس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متعلقہ غیب سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

فلا ينافي الآيات الدالة على أنه لا يعلم الغيب لأن المنفي علمه من غير واسطة فكل ما ورد عنه من الغيوب ليس هو الا من اعلام الله اياه

جو آیات علم غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ اس کی تردید نہیں کرتیں کیونکہ آپ کے علم (غیب) کی نفی بغیر واسطہ کے ہے اور حضرت سے غیب کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے آپ کو ذریعہ وحی وغیرہ علم دینے کی بنا پر ہیں (یعنی واسطے سے ہیں)۔[1]

ان تصریحات سے جہلاء کے اس اشکال و اعتراض کا بھی دفعیہ ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو غیر ممالک کی خبریں دیتے ہیں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ یا محکمہ موسمیات جو بارش وغیرہ سے متعلق مستقبل کی خبریں دیتا ہے وہ غیب کی نفی ہیں۔ تو ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا محکمہ موسمیات یہ واسطہ ذریعہ اور دلیل و علامات سے بات کرتے ہیں، اور علم غیب وہ ہے جو کسی واسطے یا ذریعے یا علامت و دلیل کے بغیر ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ بارش ہوگی، تو یہ علم غیب نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو حواس اور علم استدلال پر قائم ہے۔ جب بارش کی علامات ظاہر و موجود ہیں تو بارش ہوگی، اسی طرح اگر ایک قابل و ماہر طبیب نبض دیکھ کر مریض کا حال اور اس کے مرض کی کیفیت بتا دیتا ہے تو اس کی بنیاد اس کے علم و استدلال پر قائم ہے۔ لہٰذا یہ علم غیب نہیں۔

۱۔ چنانچہ رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ (متوفی سنہ ۱۰۱۴ھ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی سنہ ۷۹۲ھ) رحمہما اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] حاشیہ نبراس ص ۳۴۴

ذکر فرماتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صراحت سے ان لفظوں کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائیں۔

حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ علم کلام رحمہم اللہ نے بذریعہ وحی و الہام جس اطلاع علی الغیب پر بحث کی ہے۔ خود لسانِ رسالت سے اس کا بیان و ارشاد ملاحظہ ہو۔

امام ابن اسحاق[1] رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

غزوہ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی، آپ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، زید بن اللصیت منافق کہنے لگا محمد تو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ وَقَدْ دَلَّنِي اللّٰهُ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي هٰذَا الْوَادِي فِي شِعْبِ كَذَا وَكَذَا قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا	واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے، اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اس درہ میں موجود ہے درخت کی شاخ میں

اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ گئے اور اونٹنی کو لے آئے[2]۔

اگر اللہ رب العزت اپنے محبوب رسول کو یا غیر رسول کو بھی بطور معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں، تو اس کا انکار نہیں، یہ خود کتاب و سنت سے بصراحت ثابت ہے، اور یہ وحی و الہام کے واسطہ و ذریعہ سے جو علم و خبر کسی نبی یا ولی کو حاصل ہوگی یہ غیب نہیں، اور جو غیب ہے یعنی بغیر واسطہ و ذریعہ، بغیر علامت و دلیل غیر مشہود و غیر موجود حقائق و اشیاء کا علم، یہ خاصہ خدا ہے۔ یہ کسی انسان

---

[1] امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) سیرت و مغازی کے مسلّم امام ہیں، بڑے جلیل القدر محدث ہیں، تابعین میں سے ہیں، حضرت انسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

[2] سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۶۶، ذکر غزوہ تبوک، الاصابہ جلد اول نمبر ۲۹۱۹، الاصابہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی صحابہ کرامؓ کے حالات پر بڑی عجیب بلکہ بے نظیر کتاب ہے، ہزاروں صحابہؓ و صحابیاتؓ کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلام بڑے بلند پایہ محدث اور عظیم و جلیل مصنف ہیں۔ رحمہ اللہ

والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو، نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

سنتِ رسولؐ سے رسولِ کریمؐ کے علمِ غیب و علمِ کل کی نفی

کتاب اللہ کے بعد اب سنتِ رسولؐ سے علمِ غیب و علمِ کل کا خاصۂ خدا ہونا اور غیر اللہ سے اس کی نفی ملاحظہ ہو۔ نبی کریمؐ نے خود اپنے لئے علمِ غیب و علمِ کل کی ہر موقع پر صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ چند احادیث پیش ہیں:۔

۱- بروایت رُبیع بنت معوذؓ۔ ان کی شادی کے موقع پر نبی کریمؐ کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دف بجا کر ان کے آبا کے مناقب پڑھ رہی تھیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ان بچیوں میں سے ایک نے کہہ دیا۔ وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ کہ ہم میں نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فوراً فرمایا:۔

دَعِی هٰذِہٖ وَقُوْلِیْ بِالَّذِیْ کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ۔ رواہ البخاری[1]	اس بات کو چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

اللہ اکبر! مجلس تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ محفل فرح و سرور ہے، کہنے والی ایک معصوم لڑکی ہے، کوئی شیخ الحدیث یا علامہ نہیں، یہ بات [illegible] کے ایک حصہ کی ہے، کسی عقیدہ و ایمان سے متعلق کوئی عبارت نہیں مگر اللہ کے حبیب رسولؐ اس ایک لفظ کو بھی برداشت نہ فرما سکے اپنے متعلق علم غیب کی ذرا سی نسبت کی بھی اجازت نہ دی اور فوراً منع فرما دیا کہ یہ نہ کہو اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ!

۲- بروایت خارجہ بن زید۔ ایک انصاری بی بی حضرت ام العلاءؓ صحابیہ نے انہیں خبر دی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے کہا ابو السائب (یہ حضرت عثمان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت، میں تمہارے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا ہوگا۔ اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب اعلان النکاح۔

ان کو سرفراز فرمایا ہوگا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر ان کو نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! ان کی وفات ہوگئی اور خدا کی قسم مجھے بھی ان کے متعلق خیر کی امید ہے مگر

وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا ذَا يُفْعَلُ بِيْ۔ رواہ البخاری [1]	خدا کی قسم اگرچہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا

۳۔ بروایت اُبی بن کعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ... خضر نے کہا: یا موسیٰ! جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ آپ نہیں جانتے۔ اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے وہ میں نہیں جانتا ... پھر جب دونوں سمندر کے اندر کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ اور سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں تو (حضرت) خضر نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا:

مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ [2]	میرے اور آپ کے (دونوں کے) علموں نے (مل کر بھی) اللہ کے علم میں

کوئی کمی نہیں کی مگر سمندر سے اس چڑیا کی ایک چونچ برابر یعنی کوئی کمی نہیں کی)

اس حدیث پاک سے دو باتوں کا علم ہوا ایک تو یہ کہ نبی کا علم ہو یا غیر نبی کا۔ خضر کا علم ہو یا موسیٰ کا (علیہما السلام) یہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ ہے۔ جس کو جو علم دیا ہے اللہ نے دیا ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ حضرات انبیاء و اولیاء کے علوم جزئی ہیں یہ سب علوم مل ملا کر بھی علم الٰہی کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ انہیں اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو سمندر سے ایک قطرہ کو ہے۔ اللہ کا علم کلی ہے محیط ہے۔ وسیع و بسیط ہے۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سوتے میں کروٹ بدلی تو اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ پایا۔ اسے اٹھایا اور تناول فرما لیا۔ پھر باقی رات آپ تکلیف سے پیچ و تاب کھاتے رہے آپ کو نیند نہ آئی آپ نے اپنی کسی زوجہ کو یہ کیفیت بیان کی اور فرمایا:

---

[1] ترجمان السنۃ جلد دوم حدیث نمبر ۱۰ ۔۔۔ [2] صحیح بخاری کتاب العلم باب ما یستحب للعالم

إِنِّي وَجَدْتُ تَمْرَةً تَحْتَ جَنْبِي فَأَكَلْتُهَا ثُمَّ خَشِيتُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ ۱؎ | میں نے اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ پڑا پایا اور اسے کھا لیا۔ اب مجھے خوف

ہے کہ کہیں وہ صدقہ کے مال میں سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کھا تو لی مگر اس خوف سے کہ مبادا وہ عشر کے مال میں سے ہو جو عموماً آپؐ کے دولت کدہ میں جمع ہوتا اور پھر مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس فکر سے آپ کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ شب بھر آپؐ پیچ و تاب کھاتے رہے۔ یہ ساری کیفیت اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ کی ہے تو حضرت تناول ہی نہ فرماتے اور اگر علم ہوتا کہ صدقے کے مال میں سے نہیں تو رات بھر پریشان اور فکر مند اور بے چین نہ رہتے صلی اللہ علیہ وسلم

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی ارشاد فرمایا۔

لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا (متفق علیہ) | اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو میں اسے کھا لیتا (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ۲؎

تو آپؐ نے اس عدم علم و یقین کی وجہ سے کہ وہ کھجور صدقہ کی نہیں، کھجور کو تناول نہ فرمایا۔ اگر مال صدقہ میں سے نہ ہونے کا یقین ہو جاتا تو تناول فرما لیتے۔

۶۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو شخص باہم جھگڑنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ میں آیا تھا تاکہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دوں لیکن فلاں فلاں باہم جھگڑنے لگے۔

فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ ۳؎ | لہٰذا اس کی تعیین اٹھا لی گئی۔ اور شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ پس تم اسے

پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں (شب) میں تلاش کرو۔

۷۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں ہے ارشاد فرمایا۔

۱؎ طبقات ابن سعد، جلد اول ص ۳۹۰ ـ ۲؎ مشکوۃ المصابیح، باب من لا تحل له الصدقة

۳؎ مشکوۃ المصابیح، باب لیلۃ القدر۔ موطا امام مالک میں یہ روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے

أُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ۔ متفق علیہ ۱	مجھے یہ رات بتلائی گئی تھی پھر میں اسے بھول گیا۔ پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ، امام مالکؒ اور ابوداؤد وغیرہ نے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۸۔ ایک روایت میں ہے، ارشاد فرمایا۔

إِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ ۲	بے شک مجھے لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی۔ مگر وہ بھلادی گئی۔ پس اب تم اسے

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

یہ عظیم رات جو ہزار مہینوں سے بھی تعداد عظمت میں خیر و افضل اور برتر ہے۔ امت کو آپ متعین کر گئے نہ بتلا سکے کہ کون سی رات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا قطعی علم عطا نہیں فرمایا۔ عطا فرمایا بھی تھا مگر دو مسلمانوں کے باہمی تنازع کی وجہ سے وہ علم واپس لے لیا گیا۔ اب آپ نے اندازہ سے فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ کیونکہ رمضان المبارک میں اس کا ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ باقی قطعی تاریخ کا تعین آپ نے نہ فرمایا۔

۹۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ نے دس محرم (عاشورہ المحرم) کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ۔ رواہ مسلم ۳	اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہود و نصاریٰ

کی مخالفت ہو جائے۔ مگر آپ اگلے سال تک زندہ نہ رہے۔ ربیع الاول ۱۱ھ ہی میں وفات پا گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح، باب لیلۃ القدر۔

۲ صحیح بخاری باب الاعتکاف و خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عشرین۔

۳ مشکوٰۃ المصابیح، باب صیام التطوع۔

تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات شریفہ اور رحلت مبارکہ کا بھی علم نہیں
آپ فرما رہے ہیں کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ مگر
خالق دو عالم جل جلالہ کی طرف سے پیغام وصال آپہنچا اور آپ (از محرم سے ۱۰/۱۱
ربیع الاوّل تک) صرف دو ماہ بعد ہی اپنے رب اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔
صلی اللہ علیہ وسلم۔

خلاصہ کتاب اللہ کی متعدد نصوص قطعیہ کے بعد سنتِ رسول سے تو بار خود
نبی الانبیاء و سید المرسلین کی ذات پاک کے لئے علم غیب و علم کل کی نفی
ثابت ہے۔ اس کے بعد اور کون اس کا اہل ہے جس کے لئے علم غیب کا دعویٰ کیا جائے۔

فقہاء اسلام غیر اللہ حتیٰ کہ رسول کریم ﷺ کے لئے علم غیب کے مدعی کو کافر کہتے ہیں!

کتاب و سنت کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فقہاء امت کے اقوال درج ذیل ہیں۔
۱۔ امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بہ قاضیخان (المتوفی ۵۹۲ھ) رقمطراز ہیں۔

ایک شخص نے ایک عورت سے (گواہوں کے بغیر) اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا،
یہ باطل ہے ۔۔۔۔۔

وبعضهم جعلوا ذلك كفرا لانه يعتقد ان الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهو كفر
(فتاوی قاضیخان جلد اوّل کتاب النکاح)

اور بعض نے اسے کفر قرار دیا ہے کیونکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔

۲۔ علامہ زین الدین المصری ابن نجیم الحنفی (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں۔
لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح ويكفر لاعتقاده
أنه صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب (بحر الرائق جلد ۳ ص ۹۴)

---

۱ فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ، فتاویٰ رضانیہ میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں، اور درِ مختار شرح الملتقیٰ اور
مجمع الانہار شرح الملتقیٰ وغیرہ میں بھی!

۳۔ السلطان العادل اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے مرتب کرائے ہوئے فتویٰ میں ہے۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَأَةً وَلَمْ يَحْضُرِ الشُّهُوْدُ وَقَالَ۔

خدائے را و رسول را گواہ کردیم ..... یکفر (فتاوی عالمگیری جلد ۲ ص ۲۱۴)

۴۔ نیز امام قاضی علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) اپنی کتاب تجنیس ص ۱۹۵ پر علامہ طاہر بن احمد (المتوفی ۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ ص ۳۵۴ پر امام عبد الرحیم (المتوفی ۶۵۱ھ) فصول عمادیہ ص ۴۹۲ پر امام محمد بن محمد الخوارزمی المعروف بالبزازی (المتوفی ۸۲۷ھ) فتاوی بزازیہ ص ۳۲۵ پر اور محدث کبیر علامہ بدر الدین العینی (المتوفی ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۵۲ پر امام ابن ہمام محمد بن عبد الواحد (المتوفی ۸۶۱ھ) مسایرہ جلد ۲ ص ۸۸ مع المسامرہ پر اور علامہ ابن عابدین الحنفی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) شامی جلد ۳ ص ۳۰۹ اور دوسرے جلیل القدر و شہرۂ آفاق فقہاء اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا وہ کافر ہے۔ حتی کہ علامہ بیہقی وقت خاتم الفقہاء حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) رحمہ اللہ بھی یہی لکھتے ہیں۔[1]

۵۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) احناف کے چوٹی کے امام و فقیہ امام ابن ہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحْيَانًا وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالٰى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ كَذَا فِي الْمُسَايَرَةِ[2]

جان لو کہ یقیناً حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے، سوائے اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے اور احناف نے صراحت کے ساتھ اس اعتقاد رکھنے والے کی تکفیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، بایں وجہ کہ یہ اعتقاد، قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ ..... اِلَّا اللّٰهُ (الآیۃ) کے معارض و مقابل ہے یہ مسایرہ میں ہے۔ (جو امام ابن ہمام کی تالیف ہے)۔

---

[1] یہ تمام تفصیلات حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی تالیف ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب سے ماخوذ ہیں۔ [2] شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہوگیا۔

ویکفر بقوله عند رؤیة الدائرة التی تکون حول القمر یکون مطر مدعیا علم الغیب کذا فی البحر الرائق[1]

۳۔ امام الاحناف حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

وذکر فی العقائد ان قول القائل عند رؤیة هالة القمر یکون مطر مدعیا علم الغیب لا بعلامة منه کفر[2]

جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر نہیں بلکہ علم غیب کا مدعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی۔ یہ کفر ہے۔

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم

۴۔ فقیہ کبیر قاضی خان رحمہ اللہ الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا۔

انا اعلم المسروقات ... هذا القائل ومن صدقه یکون کافرا

میں چوری شدہ مال کا علم رکھتا ہوں یہ دعویٰ کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا کافر ہوگیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جن مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بنا پر کہتا ہوں تو فرمایا۔

هو ومن صدقه یکون کافرا بالله لقوله علیه السلام من اتی کاهنا فصدقه بما قال کفر بما انزل علی محمد صلی الله علیه وسلم لا یعلم الغیب الا الله لا الجن ولا الانس یقول الله تعالی فی الاخبار عن الجن فلما خر تبینت الجن

وہ کافر ہوگیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی اللہ کا منکر ہوگیا کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس کا انکار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا نہ کوئی جن اور نہ ہی کوئی انسان اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق قرآن میں

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ [2] شرح فقہ اکبر بحث الانبیاء لا یعلمون الغیبیات۔

اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ۔ [1]

فرماتے ہیں: فَلَمَّا تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ ...... یعنی جب (حضرت سلیمانؑ بعد وفات عصا) کے دیمک خوردہ ہونے پر) گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے۔

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ نجم اور رمال کا بھی یہی حکم ہے عہد جاہلیت میں ان لوگوں کا عام رواج تھا۔ اب بھی جاہل لوگ کاہنوں وغیرہ کے پاس جاکر اپنے متعلق مستقبل کی خبریں پوچھتے ہیں گم شدہ یا چوری کردہ مال کا پتہ نشان پوچھتے ہیں۔ اللہ ان کا مسخ القدرت ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس جاکر غیب سے متعلق خبریں دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ ...... فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ [3] رواہ احمد وابوداؤد۔

جو شخص کاہن کے پاس جائے اور (غیب سے متعلق) اس کی باتوں کی تصدیق کرے ...... تو جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ اس سے بری ہو گیا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے الفاظ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔

---

[1] حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں روح اقدس قبض ہو گئی جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اور بیٹھا دیکھ کر خدمت شاقہ میں مصروف رہے ایک سال تک اسی طرح ذلیل ہوتے رہے۔ سال کے بعد دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔

[2] فتاویٰ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۳ ص ۲۰۰ ... القول السدید شرح ... المعروف بمبرات التوحید مولانا عبدالقیوم ہزاروی کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جید و فاضل عالم ہیں۔ مدظلہ۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح باب الکہانۃ۔

مسلمانوں کے پہلی صدی کے دینی مقتداؤں رہبروں اور پیشواؤں کا مذہب

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی

امام المفسرین سیدنا عبداللہ ابن عباس کا مذہب

هٰذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفٰى فمن ادعى انه يعلم شيئًا من هذه فقد كفر بالقرآن لانه خالفه ؛
(تفسیر خازن ج ۵ ص۱۸۲)

یہ پانچ غیب کے علوم ان کو نہ کوئی فرشتہ مقرب جانتا ہے اور نہ نبی رسول بھیجا ہوا۔ پس جو شخص دعویٰ کرے کہ ان پانچ غیوب میں سے کچھ جانتا ہے۔ وہ کافر ہے کیونکہ قرآن کے خلاف کیا۔ ؛

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کا مذہب

ومن قال ان محمدًا صلى الله عليه وسلم يعلم ما في غدٍ فقد اعظم على الله الفرية والله يقول قل لا يعلم من في السمٰوٰت والارض الغيب الا الله ؛
(بخاری ج ۲ ص [illegible])

جس نے کہا کہ حضور علیہ السلام کل کی باتوں کو جانتے ہیں تو اس نے خدا تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں غیب خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ ؛

مذکورہ بالا عقیدہ کی تائید میں دوسری روایت

ومن حدثك انه يعلم ما في غد فقد كذب (الابریز ج ۱ ص ۵۵)

جو تجھے یہ کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی باتیں جانتے ہیں وہ جھوٹا ہے

تیسری روایت

ومن حدثك انه يعلم الغيب فقد كذب وهو يقول لا يعلم الغيب الا الله۔!

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۸)

اور جو تجھے یہ کہے کہ حضور علیہ السلام غیب جانتے ہیں پس تحقیق اس نے جھوٹ کہا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ غیب خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔!

حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا مذہب

متوفی ۳۲ھ

اوتی نبیکم علم کل شیء سوی هذه الخمس۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۵)

ان پانچ علموں کے بغیر حضور علیہ السلام سب چیز کا علم دیے گئے تھے۔!

حضرات! حضور علیہ السلام کے بعد بعد از انبیاء صحابہ کرام کا مرتبہ ہے۔ ان کے عقیدے اور علم غیب کے متعلق ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ اب دوسری صدی کے اہلسنت علماء محققین کے عقیدے ملاحظہ فرمائیے۔

دوسری صدی کے اہلسنت فقہاء محدثین کا عقیدہ

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب

متوفی ۱۵۰ھ

ورای المنصور فی منامه صورة ملک الموت وسأله عن مدة عمره فاشار باصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وخمسة اشهر وخمسة ايام فقال ابو حنيفةؒ هو اشارة الى هذه الاية فان العلوم الخمس لا يعلمها الا الله تعالى۔!

(بحوالہ تفسیر مدارک ج ۳ ص ۲۹)

منصور نے نیند میں ملک الموت کو دیکھا تو اس سے اپنی عمر کی مدت دریافت کی موت کے فرشتے نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا۔ تعبیر دینے والوں نے مختلف تعبیریں دیں، کسی نے کہا کہ آپ کی عمر پانچ برس ہے کسی نے کہا پانچ مہینے۔ کسی نے پانچ دن کہے حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچ علوم خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا

طریق استدلال:- امام ابو حنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ اور وفات ۱۵۰ھ میں امام اعظمؒ کا مذہب اور ان کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کی روشنی میں اپنا عقیدہ مستحکم کیجئے۔

حضرت قتادہؒ ابن دعامۃ تابعی کا مذہب

متوفی ۱۱۷ھ

خمس من الغیب استاثر

غیب سے پانچ علوم کو خدا تعالیٰ

بهن الله فلم يطلع عليهن ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا ان الله عنده علم الساعة فلا يدري احد من الناس متى تقوم الساعة في اي سنة او في اي شهر ليل او نهار وينزل الغيث فلا يعلم احد متى ينزل الغيث ليلا او نهارا ويعلم ما في الارحام اذكر ام انثى احمر او اسود وما هو وما تدري نفس ماذا تكسب غدا خير ام شر ولا تدري يا ابن آدم متى تموت لعلك الميت غدا او لعلك المصاب غدا وما تدري نفس باي ارض تموت اي ليس احد من الناس يدري اين مضجعه من الارض في بحر ام بر سهل او جبل

نے اپنے لئے خاص کر دیا ہے۔ نہ تو کسی مقرب فرشتے کو اس پر اطلاع دی ہے اور نہ کسی پیغمبر کو۔ (۱) علم قیامت کوئی بھی نہیں جانتا کہ قیامت کس سال یا کس مہینے یا کس دن یا کس رات قائم ہوگی مینہ برسانا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی، رات کو ہوگی یا دن کو۔ رحم کے اندر کی چیز جانتا ہے کہ مذکر ہے یا مونث ہے سرخ ہے یا سیاہ ہے۔ کیا ہے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا۔ اچھا کام کرے گا یا برا کام کرے گا۔ اے ابن آدم تو کب مرے گا، کسی کو علم نہیں کہ کس زمین میں مریگا، دریا میں مریگا یا جنگل میں، نرم زمین میں مریگا یا سنگلاخ میں!

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵ تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۹۹)

حضرت امام سُدی الکبیرؒ تابعی متوفی ۱۲۷ھ کا مذہب

ليس من اهل السموات والارض احد الا وقد اخفى الله عنه علم الساعة (تفسیر ابن کثیر ج ۱۰ ص ۱۳۴)

آسمانوں اور زمین میں جو بھی رہنے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان سے قیامت کا علم مخفی کیا ہے۔

حضرت سفیان ابن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ کا مذہب

ما کان فی القرآن " وما ادراک " فقد علمه الله وما قال " وما یدریک " فانه لم یعلمه (بخاری ج ۱ صفحہ ۲۷۰)	جہاں قرآن میں " وما ادراک " ہے خدا تعالیٰ نے اس کا پتہ بتلا دیا ہے اور جہاں " وما یدریک " فرمایا ہے۔ اس کا پتہ نہیں بتلایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

ان الله استاثر بعلم الغیب (بحوالہ کتاب الام ج ۲ صفحہ ۳۳۳)	خدا تعالیٰ نے علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔

حضرت مجاہد ابن جبیرؒ متوفی ۱۰۲ھ کا مذہب

وهی مفاتیح الغیب التی قال الله تعالیٰ وعنده مفاتیح الغیب لا یعلمها الا هو (ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۴۵۵)	اور یہ غیب کی چابیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اسکے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنکو خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

تیسری اور چوتھی صدی کے اہل سنت محققین کا مذہب

امام الاولیاء حضرت جنید بغدادیؒ متوفی ۲۹۷ھ کا مذہب

الروح استاثر الله بعلمه فلم یطلع علیه احدا من خلقه۔ (فتح الباری)	روح کی حقیقت کا علم خدا تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہے۔ اس پر اپنی مخلوق میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی۔

امام المفسرین ابن جریر طبریؒ المولود سنہ ۲۲۴ھ المتوفی سنہ ۳۱۰ھ کا مذہب و عقیدہ

معنی ذلك لو كنت اعلم الغيب لأعددت للسنة المجدبة من المخصبة ولوقت الغلاء من الرخص فاستعددت له من الرخص۔
(منقول از ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۳)

اگر میں خوشحالی اور قحط کو جانتا تو قحط کے سال کے لئے بہت سامان پہلے سے تیار کر لیا جاتا اور مجھے تکلیف نہ ہوتی اور فاقہ کی نوبت میرے قریب تک نہ آتی۔

امام ابن جریرؒ کا واضح عقیدہ

يقول تعالى قل لهؤلاء المنكرين نبوتك لست اقول لكم انى الرب الذى له خزائن السموات والارض فاعلم غيوب الاشياء الخفية التى لا يعلمها الا الرب الذى لا يخفى عليه شيء فتكذبونى فيما اقول من ذلك لانه لا ينبغى ان يكون ربا الا من له ملك كل شيء وبيده كل شيء ومن لا يخفى عليه خافية وذلك هو الله الذى لا اله غيره
(تفسیر جامع البیان ج ۷ ص ۱۲۷)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان منکرین نبوت سے فرما دیجئے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں رب ہوں جس کے پاس آسمانوں اور زمین کے خزانے ہوں اور نہ میں مخفی اشیاء کے غیوب کو جانتا ہوں جن کو رب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ وہ رب جس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے پس تم میری تکذیب کرتے ہو اس بات کی جو کہ میں کہتا ہوں کیونکہ رب تو وہ ہو سکتا ہے جس کے لئے ہر چیز کا ملک ہو اور اس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کا اختیار۔ اور جس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کے بغیر کوئی اور رب نہیں ہے۔

علامہ زجاج متوفی ۳۱۱ھ کا مذہب

من ادعی انہ یعلم الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم ۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷ ص ۱۶۱)

جس نے دعویٰ کیا کہ وہ پانچ علوم غیب جانتا ہے پس اس نے قرآن کا انکار کیا۔

پانچویں اور چھٹی صدی کے علماء اہل السنۃ کا مذہب

علامہ محی الدین بغوی مصنف تفسیر معالم التنزیل متوفی ۵۱۶ھ کا مذہب

یسئلک عن الساعۃ قل انما علمہا عند اللہ ما یدریک ای شیء یعلمک امر الساعۃ متی تکون قیامہا ای انت لا تعرفہ (تفسیر معالم التنزیل بر حاشیہ تفسیر خازن ص ۲۳۸)

یسئلک عن الساعۃ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کس چیز نے بتایا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ یعنی آپ اسے نہیں جانتے۔!

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر متوفی ۶۰۶ھ کا مذہب

اعلم ان اللہ تعالیٰ لما بین انہ المختص بالقدرۃ فکذالک بین ہو المختص بعلم الغیب ۔! (التفسیر کبیر ج ۲۴ ص ۲۱۱)

جان لے! بلاشبہ خدا تعالیٰ نے جب بیان کیا ہے کہ وہی قدرت کے ساتھ مختص ہے۔ اسی طرح یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ علم غیب کے ساتھ بھی مختص ہے۔!

علامہ رازیؒ کا دوسرا ارشاد:

عنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو يدل على كونه تعالى منزها عن الضد والند وتقريره ان قوله وعنده مفاتح الغيب يفيد الحصر أي عنده لا عند غيره ولو حصل موجود آخر واجب الوجود لكان مفاتح الغيب حاصلة أيضا عند ذلك الآخر وحينئذ يبطل الحصر۔!

(تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۱)

اس اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی قدرت ہے۔ جسے خدا تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ یہ آیت دال ہے اس پر کہ خدا تعالیٰ ضد اور شریک سے پاک ہے۔ اس کی تقریر یہ ہے۔ کہ غیب کی چابیاں خدا کے پاس ہیں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جملہ مفید حصر ہے یعنی اس کے پاس ہیں غیب کی چابیاں کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور واجب الوجود ہوتا تو چابیاں غیب کی اس کے پاس بھی ہوتیں اور اس سے حصر باطل ہوتا۔

علامہ رازیؒ کا تیسرا ارشاد:

فان قيل أليس انه صلى الله عليه وسلم قال بعثت انا والساعة كهاتين فكان عالما بقرب وقوع القيامة فكيف قال ههنا

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور قیامت ہم دونوں ساتھ ایسے ہیں جیسے ساتھ والی انگلی کی طرح آئے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضور کو وقوع قیامت کے وقت

لا ادری اقریب ما توعدون ام بعید۔ اجیب بان المراد اقرب وقوعه هو ان ما بقی من الدنیا اقل مما انقضی فهذا القدر معلوم فاما معرفة مقدار القرب فغیر معلوم۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ٣٤٣)

سے باخبر تھے ایسی کیا وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں نہیں جانتا کہ قیامت قریب ہے یا بعید ہے۔ جواب دیا گیا ہے کہ قرب وقوع سے مراد یہ ہے کہ جو دنیا کا باقی حصہ گذشتہ مدت سے کم ہے۔ لیکن قرب کا اندازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم نہ تھا۔

امام فخر الدین رازیؒ کا چوتھا ارشاد:

المراد ان العلم بالوقوع غیر العلم بوقت الوقوع فالعلم الاول حاصل عندی وهو کاف فی الانذار والتحذیر واما العلم الثانی فلیس الا لله۔
(تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٩١)

مراد یہ ہے کہ وقوع قیامت کا علم اور ہے اور وقت وقوع کا علم اور ہے۔ وقوع قیامت کا علم تو مجھے حاصل ہے کیونکہ اس سے مقصد مخلوق خدا کو خوف دلانا اور ڈرانا ہے لیکن وقت وقوع قیامت کا علم صرف خدائے جل شانہ کو ہے اور کسی کو نہیں ہے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کے علمائے اہل سنت کا مذہب

امام ابو البرکات عبد اللہ حافظ الدین نسفی احمد بن محمودؒ حنفی المتوفی ٧١٠ھ مصنف تفسیر مدارک کا عقیدہ

ولله غیب السموات والارض الخ

لله غیب السموات والارض سے مراد یہ

يختص به علم ما غاب فيهما عن العباد وخفي عليهم علمه او اراد الغيب السموات والارض يوم القيامة على ان علمه خاف عن اهل السموات والارض لم يطلع عليه احد منهم۔

کہ جو علم بندوں سے غائب ہے ۔ وہ خدا کے لئے خاص ہے یا غیب السموٰۃ والارض سے علم قیامت ہے کہ علم قیامت سب سے غائب ہے ۔ اس پر کسی کو اطلاع نہیں دی گئی ۔

(مدارک ج ۳ ص ۲۹۲)

امام اہلسنۃ مفسر القرآن علامہ علاؤ الدین بن علی ابن محمد ابنِ ابراہیم البغدادی المتوفی ۷۲۵ھ مصنف تفسیر خازن کا مذہب وعقیدہ

وانه لا علم لاحد من خلقه بشيء من الامور الغيبية التي استاثر الله بعلمها وهذا ابيان لاختصاص المقدرات الغيبية به تعالى من حيث العلم (تفسير خازن ج ۳ ص ۱۵)

جن علوم غیب کو خدا تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہے ۔ اسکا اس کی مخلوق میں سے کسی کو علم نہیں ہے اور یہ بیان ہے کہ مقدورات غیبیہ باعتبار علم کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ۔

مفسر وقت علامہ قاضی بیضاوی کا مذہب

متوفی ۶۸۵ھ

وقت الساعة مما استاثر الله بعلمه۔

(بیضاوی ج ۴ ص ۳۵۵)

وقت قیامت کا ایک قبیلہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے اور اپنی ذات کو سب پر ترجیح دی ہے ۔

امام ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر دمشقی المتوفی سنہ ۷۷۴ھ کا مذہب

يقول تعالى مخبرا لرسوله صلوات الله وسلامه عليه انه لا علم له بالساعة وان سأله الناس عن ذلك وارشده ان يرد علمها الى الله عز وجل كما قال تعالى في سورة الاعراف وهي مكية وهذه مدنية فاستمر الحال في رد علمها الى الذي يقيمها لكن اخبره انها قريبة بقوله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا (تفسير ابن كثير ج ۳ ص ۵۱۹)

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے متعلق خبر دیتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں ہے۔ اگرچہ لوگ اُن سے اس کے متعلق دریافت کریں۔ اور آپ کو نصیحت فرمائی ہے کہ اس کے علم کو خداوند تعالیٰ کی طرف رد فرمائیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے کہ وہ مکی ہے اور یہ مدنی ہے۔ پس ہمیشہ حال یہی رہا کہ علم قیامت خدا تعالیٰ کی طرف رد ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور کو خبر دی ہے کہ قیامت قریب ہے۔

علامہ تفتازانی متوفی سنہ ۷۹۲ھ مصنف "شرح العقائد" کا عقیدہ و مذہب

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى لا سبيل اليه للعباد الا باعلام منه او الهام بطريق المعجزة او الكرامة او الارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك (شرح العقائد ص ۱۳۲)

خلاصہ کلام علم غیب ایک ایسا امر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے۔ بندوں کو اس طرف پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر اعلام یا الہام سے جسے کرامت پر محمول کیا جائے یا معجزے پر۔

مفسر ابن کثیر کا ایک اور بیان

يقول تعالى آمراً رسوله صلى الله عليه وسلم ان يقول معلماً لجميع الخلق انه لا يعلم احد من اهل السموات والارض الغيب الا الله فانه المتفرد بذالك لا شريك له (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۲)

اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کو یہ حکم فرماتا ہے کہ وہ جمیع مخلوق کو اس مسئلہ کی تعلیم دیدیں کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی غیب دان نہیں سوائے خدا کے وہ اس صفت میں اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ کہ کسی اور کو غیب دان تسلیم کیا جائے۔

شیخ الامام قاسم ابن قطلوبغا الحنفی المتوفی ۸۷۹ھ کا مذہب و عقیدہ

ان الله لم يطلع على الروح ملكاً مقرباً ولا نبياً مرسلاً۔ (شرح مسائرہ ج ۲ ص ۱۰۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت پر نہ تو کسی ملک مقرب کو اطلاع دی ہے اور نہ نبی مرسل کو۔

دسویں صدی کے محققین علماء اہلسنت کا مذہب

ملا علی القاری کا عقیدہ و مذہب

متوفی ۱۰۱۴ھ

العلم بالغيب امر تفرد به الله ... (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۵)

علم بالغیب ایک ایسا امر ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہی اکیلا موصوف ہے۔

ملا علی قاری کا تفصیلی عقیدہ

اعلم ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لایعلمون المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانا و ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۷)

جان لے بلاشبہ انبیاء علیہم السلام غیبات میں سے کسی چیز کو نہیں جانتے۔ مگر جو کچھ کہ خدا تعالیٰ ان کو کسی وقت بتلا دیتا ہے اور حنفیوں نے اس کو صراحۃً کافر کہا ہے۔ جو اعتقاد رکھتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب کو جانتے ہیں۔ کیونکہ اس عقیدے کے مخالف قرآن کی آیت موجود ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

گیارھویں بارھویں صدی کے محققین علماء اہلسنت کا مذہب

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

رجل تزوج امرأۃ ولم یحضر الشھود۔ قال: خدائے را و رسول را گواہ کردم او قال خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم کفر۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۳)

کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور گواہ حاضر نہ ہوئے۔ اس نے کہا کہ میں نے خدا اور رسولِ خدا کو گواہ بنایا ہے یا خدا اور فرشتوں کو گواہ بنایا ہے۔ کافر ہو گیا۔

نوٹ: واضح رہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ فتاویٰ تاتارخانیہ، جواہر اخلاطیہ، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۹۵، رد المختار الشامی وغیرہ میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

علامہ شہاب الدین الخفاجی الحنفی المتوفی ١٠٦٩ھ کا مذہب

وانما انا بشر لا اعلم الغیب وانکم تختصمون الی۔

(بحوالہ نسیم الریاض ج ۴ ص ٣٦١)

بلاشبہ میں بشر ہوں۔ میں نہیں جانتا غیب کو۔ اور تم جھگڑا لاتے ہو میرے پاس۔

شیخ محدث علامہ سندھی الحنفی المتوفی ١١٣٩ھ کا مذہب

وانما انا بشر ای لا اعلم من الغیب الا ما علمنی ربی کما ھو شان البشر

(حاشیہ سندھی علی النسائی ج ۲ ص ٣٦١)

بلاشبہ میں بشر ہوں۔ میں غیب کو نہیں جانتا۔ اگرچہ کچھ مجھے رب نے سکھایا ہے جیسا کہ بشر کی شان ہے۔

تیرھویں صدی کے محققین علماء کا مذہب

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا مذہب

لا یعلمھا الا ھو۔ تنصیص بما اشیر الیہ من حصر علم الغیب بہ تعالی لا یعلم شیئا من المغیبات الا اللہ ولا یعلم غیرہ الا بتوفیقہ تعالی و ھو سبحانہ تعالی یعلم اوقاتھا

لا یعلمھا الا ھو۔ نص ہے۔ اس سے ساتھ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ علم غیب کا خدا تعالیٰ کے ساتھ حصر ہے یعنی مغیبات سے کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے بغیر نہیں جانتا اور نہیں جانتا کوئی بھی چھپی ہوئی چیز

اہلِ بدعت کے چند دلائل اور اُن کے جوابات

پہلی دلیل

علمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما ۔

جتلا دی ہے خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ بات جو آپ نہیں جانتے تھے اور یہ آپ پر اللہ کریم کا بڑا فضل تھا۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کلی عطا فرما دیا ہے اور وہ بہرحال عالم الغیب ہیں۔

جواب ۱ :۔ اس آیت میں علم غیب کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔ لہٰذا دعویٰ ثابت نہ ہوا کیونکہ جو بات سکھائی پڑھائی جائے وہ علم غیب نہیں۔ اور جو علم غیب ہے وہ سکھانے پڑھانے کا محتاج نہیں۔

جواب ۲ :۔ اس آیت کے شانِ نزول کو اگر دیکھ لیا جائے۔ تو بات صاف ہو جاتی ہے کیونکہ یہ آیت ایک واقعہ کی اطلاع پر نازل ہوئی ہے بس ایک واقعہ کی اطلاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو قدرۃ علی الغیب دیدی تھی یا عالم الغیب بنا دیا تھا ورنہ وہ واقعہ بوساطتِ سرورِ کائنات جن جن حضرات کو معلوم ہوتا جائیگا سب کو عالم الغیب ماننا پڑے گا۔

جواب ۳ :۔ ما لم تکن تعلم سے مراد اگر علم غیب ہے تو وہ عام ہے۔ کہ خدا اللہ جل شانہٗ نے ہر وہ چیز جو حضورؐ نہیں جانتے تھے۔ سب لاتعد و چیزیں بتا دیں حالانکہ یہ مطلب اہلِ بدعت کے مذہب کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ

"خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روز ازل سے لے کر تا قیام قیامت تمام چیزوں کا علم دیدیا ہے۔"

پس دعوے اور دلیل کے درمیان توافق نہ رہا۔

کیونکہ دعوے تو علم محدود کا تھا اور دلیل علم غیر محدود کی دیدی۔

جواب ۳:- اس آیت سے بقول اہلِ بدعت معلوم ہوتا ہے کہ پورے قرآن کو خدا تعالیٰ نے اسی دن اتار دیا تھا۔ اور حضورؐ کو سکھا دیا تھا۔ کیونکہ "ما لم تکن تعلم" میں تمام قرآن مجید بھی داخل ہے۔ حالانکہ یہ چیز واقعات اور مسلم بین الفریقین کے خلاف ہے۔ جبکہ قرآنی آیتیں اور احکام اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی نازل ہوتے رہے ہیں۔

جواب ۴: کسی بھی معتبر تفسیر میں روایات موثقہ کے ساتھ حضور علیہ السلام کا قول نقل نہیں کیا گیا کہ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْغَیْبِ یعنی میں نے علم الغیب جان لیا اور نہ کسی صحابی کا قول نقل کیا گیا ہے۔

جواب ۵ قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کی بعثت کی علت تعالیٰ اور نبوی پروگرام کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون۔	اور سکھاتے رسول تم کو وہ باتیں سکھاتے ہیں اور جو تم نہیں جانتے۔

وہاں اگر ما لم تکن تعلم تھا۔ تو یہاں ما لم تکونوا تعلمون ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں معلم ذات خدا ہے اور متعلم حضرت محمد مصطفےٰ ہیں۔ اور یہاں معلم سرورِ کائنات ہیں اور متعلم صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے۔ وہاں معلم ارحم الراحمین ہے تو یہاں معلم رحمۃ للعالمین ہیں۔

پس لازم آئے گا کہ تمام صحابہ کرامؓ کو اولاً بالذات اور جمیع مومنین کو بواسطہ صحابہ کرام عالم الغیب تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔

اہلِ بدعت کی دوسری دلیل اور اس کے جوابات

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان (الرحمٰن)	رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے انسان کو پیدا کیا ہے اسے بیان سکھایا ہے۔

طرزِ استدلال :۔ انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں۔ اور بیان سے مراد بیان جمیع ماکان وما یکون ہے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام عالم الغیب ہیں۔

جواب :۔ بیان سے مراد بیان ماکان وما یکون جو کہ شانِ نبوت کے لائق ہے۔ تو ہمیں تسلیم ہے لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ جمیع ماکان و ما یکون کا بیان ہی مراد ہے۔ جبکہ یہ تفسیر حضور علیہ السلام کے اپنے ارشاد کے منافی ہے چنانچہ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۱۱ میں ہے

استأذن على ربي فيؤذن لي ويلهمني محامد احمده بها لا تحضرني الآن فاحمده بتلك المحامد۔	پروردگار سے اجازت طلب کروں گا پس مجھے اجازت ملیگی۔ اور مجھے خدا تعالیٰ ایسے محامد کا الہام کریگا جو اب مجھے معلوم نہیں۔ پس میں وہی تعریفیں کروں گا۔

پس اگر حدیث قابلِ اعتبار ہے تو تفسیر قابلِ اعتبار نہیں۔ اور اگر تفسیر لائق اعتماد ہے تو حدیث قابلِ تردید ہے۔

؎ عجب مشکل میں آیا ہے سینے والا جیب و داماں کا
ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا ادھر ٹانکا ادھر ادھڑا

جواب ۲ : علمه البیان کی یہ تفسیر نہ تو کسی صحابی سے منقول ہے.
اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ورفشاں سے۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے:

ان اصح الطرق فی ذلک ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانه قد بسط فی موضع آخر فان اعیاک ذلک فعلیک بالسنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له وحینئذ اذا لم نجد التفسیر فی القرآن ولا فی السنة رجعنا فی ذلک الی اقوال الصحابة فانهم ادری بذلک لما شاهدوا من القرآن والاحوال التی اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحیح والعمل الصالح (تفسیر ابن کثیر ص ۵)

بلا شبہ سب سے زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے پس قرآن میں اگر ایک جگہ اجمال ہوگا تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوگی پس اگر آپ کے لئے یہ طریق مشکل ہو جائے تو حدیث کو دیکھئے کیونکہ حدیث، قرآن کی شرح کرتی ہے اور وضاحت کرتی ہے۔ جب ہم تفسیر نہ قرآن میں پائیں اور نہ حدیث میں۔ تو ہم رجوع کریں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن اور خصوصی احوال کو خوب جانتے ہیں کیونکہ ان کی فہم تام ہے، علم صحیح ہے اور عمل صالح ہے۔

پس یقیناً یہ تفسیر ناقابل قبول ہوگی جبکہ قرآن وحدیث اس کی تائید میں موجود نہیں ہیں۔

جواب ۳ : تعجب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت کے منکرین کو کس طرح جرأت ہوتی ہے۔ کہ وہ اس دلیل کو اہل سنت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر چہ وہ علم غیب کو ثابت نہیں کر سکیں گے

لیکن انسانیت کا قائل قرآن کو خواہ مخواہ ہونا ہی پڑے گا۔ وہذا ایضاً ہوالمطلوب۔

جوابِ ۴: دعویٰ علم الغیب کا اور دلیل تعلیم البیان کی دیکھئے کتنا غیر مناسب الاستدلال ہے۔

اہلِ بدعت کی تیسری دلیل

عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسوله۔

جاننے والا غیب کا خدا تعالیٰ ہے پس نہیں مطلع کرتا اپنے غیب پر کسی ایک کو، مگر جس کو اپنے رسول سے چن لے۔

طرزِ استدلال: معلوم ہوا کہ حضور عالم الغیب ہیں۔ جبکہ تمام انبیاء و رسل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرتضیٰ پیغمبر ہیں۔ اور پروردگار عالم اپنے منشاء مقدس سے اپنے برگزیدہ رسولوں پر غیب ظاہر کر دیتا ہے۔

جوابِ ۱: اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ عالم الغیب خدا تعالیٰ ہے ہاں اگر اپنی مہربانی سے کسی پیغمبر پر غیب کی خبر ظاہر فرما دیں تو جائز ہے۔ اور یہ مطلب ہمارے مسلک کے عین مطابق ہے۔ پس جو کچھ اہل بدعت ثابت کرنا چاہتے تھے۔ وہ ثابت نہ ہوا۔ اور جو کچھ ثابت ہوا وہ ان کے دعوے کے لئے مثبت نہیں۔

جوابِ ۲: دعویٰ اظہار الغیب علی احد کا اور دلیل اظہار الاحد علی الغیب کی۔ کم از کم دلیل تو دعوے کے مطابق لائی ہوتی۔

جوابِ ۳: اظہارِ غیب اور ہے اور علم غیب اور ہے اور آیت میں

اظہار غیب کا ذکر ہے۔ علم غیب کا نہیں ہے۔

جواب ۳: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ خدا تعالیٰ جس برگزیدہ پیغمبر کو چاہے غیب کی اطلاع دیدے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ جمیع غیب کی اطلاع دے دیتے ہیں۔

جواب ۴:- اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خدا تعالیٰ جسے چاہے عالم الغیب بنا دیتا ہے۔ جس کا ثبوت کسی بھی آیت سے نہیں ملتا۔ تو کیا عالم الغیب کو آگے پیچھے پہرے دار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جسے اپنی ذات پر پہرے داروں کی ضرورت ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اور جو عالم الغیب ہو۔ اسے پہرے دار کی ضرورت نہیں رہتی۔ ملائکہ کو برگزیدہ پیغمبر پر پہرہ دار مقرر کیا جاتا۔ وہ اسی آیت کے آخر میں موجود ہے

یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً (سورۃ الجن)	بھیج دیتا ہے اس کے آگے پیچھے پہرہ دار محافظ (فرشتے)

اہل بدعت کی چوتھی دلیل

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔	نہیں کوئی تر اور خشک چیز مگر کتاب واضح میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام عالم الغیب ہیں۔ کیونکہ جب سب اشیاء کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا پورا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام سب غیب کے عالم ہیں۔

جواب ۱: قرآن مجید کی اس آیت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ

یہ ہے کہ دین کے سب مسائل اصولی طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور اسی کو رطب و یابس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں نہ تو غیب کا ذکر اور نہ علم غیب کا ذکر ہے۔

جوابؔ: کتاب مبین کی مراد کے سلسلے میں علماء مفسرین کے تین قول ہیں:۔

(۱) لوح محفوظ (۲) قرآن مجید (۳) علم الٰہی

لیکن اقویٰ قول یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد علم الٰہی ہے۔ چنانچہ علامہ رازیؒ تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں۔

فیہ قولان الاول ان ذلک الکتاب المبین ھو علم اللہ تعالیٰ لا غیر و ھذا ھو الصواب۔

اس میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ کتاب مبین علم الٰہی ہے اور اس کے غیر نہیں ہے اور یہی ہی صحیح مفہوم ہے۔

اور اگر کتاب مبین سے قرآن مجید لیا جائے تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام اصولی مسائل قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اور اگر لوح محفوظ مراد ہو تو بھی مطلب یہ ہوگا کہ لوح محفوظ میں بھی جمیع اصولی مسائل مسطور ہیں۔ اور ان کا علم بتمامہ حضور علیہ السلام کو حاصل ہے۔ اور یہی ہمارا ایمان ہے اور یہی مطلب ہے۔ آیت تبیانا لکل شیء کا۔

اہل بدعت کی پانچویں دلیل

فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی ۔۔

پس وحی کی خدا تعالیٰ نے اپنے عبد کی طرف جو کچھ وحی کی ۔۔

معلوم ہوا کہ شبِ معراج خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عالم الغیب یعنی قادر علی الغیب بنا دیا تھا۔ کیونکہ "مدارج النبوۃ" ج اوّل میں ہے تمام علوم و معارف و حقائق و بشارات و اشارات، و اخبار و آثار و کرامات و کمالات در احاطۂ ایں ابہام داخل است و جمیع شامل و کثرت عظمت اوست کہ مبہم آوردہ و بیان نہ کردہ اشارات باآنکہ جز علام الغیوب در رسول محبوب بہ آں محیط نتواند شد مگر آنچہ آنحضرت بیان فرمودہ۔!

جوابِ ۱ :۔ قرآن مجید کی اس آیت میں علم الغیب کا ذکر نہیں اور اجمال سے تفصیل کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

جوابِ ۲ :۔ مدارج النبوۃ کی عبارت خبرِ مشہور اور خبرِ واحد کا درجہ نہیں رکھتی۔ کہ اسے اثبات عقائد کے باب میں پیش کیا جائے۔ ان عبارتوں کا اعتبار زنگ میں تو لایا جا سکتا ہے۔ لیکن عقائد ان سے ثابت نہیں ہو سکتے

جوابِ ۳ :۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تصریح فرمائی تھی۔ علوم و معارف خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو معراج کی شب القا فرما دیئے تھے۔ لیکن اس میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ان کو قادر علی الغیب بھی بنا دیا تھا۔ لہٰذا سرے سے اہلِ بدعت کا استدلال ہی غلط ہے۔

جوابِ ۴ :۔ واللہ ہم ان کے دلائل کو بنظرِ حیرت و استعجاب دیکھتے ہیں جب ان کو استدلال میں حیران پاتے ہیں۔ کیونکہ کتنی برس بیت چکے۔ ابھی تک یہ لوگ آپس میں بیٹھ کر اتنا فیصلہ نہیں کر سکے کہ خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کلی طور پر عالم الغیب اور قادر علی الغیب روزِ اوّل سے بنا دیا تھا یا اس دن جبکہ اعلانِ نبوت کا حکم صادر فرمایا تھا یا جس دن "علمک ما لم تکن تعلم" آیت اتری

تھی۔ اور یا اس موقع پر جبکہ شب معراج حضور علیہ السلام کو آسمانوں پر بلایا تھا۔ بہرحال دلیل مشکوک ہونے کی وجہ سے کسی قدر دعاوی مشکوک ضرور نظر آتے ہیں۔

اہل بدعت کی چھٹی دلیل

وماھو علی الغیب بضنین | اور نہیں ہے وہ غیب پر بخیل!

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام عالم کل، عالم الغیب اور قادر علی الغیب ہیں۔ جبکہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں بخیل نہیں۔ اُدھر سے جو کچھ آیا اِدھر امت کو بتلا دیا۔!

جواب ۱ :۔ آیت میں کہیں بھی یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام عالم الغیب یا قادر علی الغیب ہیں۔ آیتِ مقدسہ سے ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ حضور علیہ السلام کو پروردگار عالم جن جن غیوب پر اطلاع دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی چیز امت کو بتلانے میں بخیل نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے غیب کو غیب کہا گیا نہ کہ حضور علیہ السلام کو عالم الغیب۔ عالم الغیب تو وہ ہوتا ہے جس کو بغیر بتلانے کے معلوم ہو جائے۔

جواب ۲ :۔ مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ضمیر ھُوَ سے مراد حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے یا قرآنِ کریم جب تک خصم ان دونوں میں سے ایک کو ترجیح دیگر وجوہ ترجیح بیان نہ کرے۔ تب تک استدلال غیر تام رہے گا۔

جواب ۳ :۔ مگر حضرت ابن زید اور حضرت قتادہ اور ان کی جماعت کے

لوگوں کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ عم صفحہ ۹ اور تفسیر حقانی ج ۸ صفحہ ۵۹ میں موجود ہے۔

وقال قتادہ کان القرآن غیبًا فانزلہ اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما ضنّ بہ علی الناس بل نشرہ وبذلہ لکل من ارادہ کذا قال عکرمہ وابن زید و غیر واحد۔

"قتادہ فرماتے ہیں کہ قرآن غیب تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے حضور علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ حضور نے اس کے بتلانے پر بخل نہ فرمایا۔ بلکہ اسے پھیلا دیا ہر اس شخص تک جس نے اس کا ارادہ کیا اسی طرح کہا ہے عکرمہ اور ابن زید اور بہت سے مفسرین علماء کرام نے"

اس سے معلوم ہوا کہ غیب سے مراد مطلقاً غیب نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے تبلیغ یا ابلاغ میں بخل سے کام نہیں لیا۔ کہ کچھ تو پہنچا دیا ہو اور کچھ اپنے لئے یا اپنوں کے لئے چھپا رکھا ہو۔ پس جو مطلب اہل بدعت لینا چاہتے تھے وہ ثابت نہ ہوا اور جو ثابت ہوا وہ ان کے لئے مفید نہ ہوا۔

جواب ۲:۔ صاحب مدارک علامہ نسفی نے الغیب سے مراد وحی الیٰ لی۔ صاحب خازن نے وہ خبریں مراد لی ہیں۔ جن کی حضور کو اطلاع دی گئی ہے۔ پس مطلب واضح ہوا کہ الغیب سے مراد وہ مطلب نہیں جو اہل بدعت لیتے ہیں۔

جواب ۳:۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ غیب سے مراد کل غیب ہے اور حضور علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اس کل غیب کی اطلاع دیدی ہے اس بناء پر حضور علیہ السلام عالم الغیب ہیں۔ تو لازم آئے گا کہ حضور

علیہ السلام کی پوری امت کو عالم الغیب مانا جائے۔ جبکہ حضورؐ نے امت کو غیب بتلانے میں بخل نہ فرمایا۔ حالانکہ یہ خلاف عقل و نقل ہے۔

اہل بدعت کی ساتویں دلیل

وعلم آدم الاسماء کلہا ۔!	سکھا دیے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نام سارے ۔!

طرزِ استدلال : جب آدم علیہ السلام کے لئے تمام اسماء کا علم ثابت ہوا تو حضور علیہ السلام کے لئے بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

جواب ۱ :۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے علم پر قیاس کر کے اپنا مقصد ثابت کرنا مفید للمقصد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے سب وہ علوم دیئے جو ان کے لئے ضروری تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے لئے خدا تعالیٰ نے وہ علوم عنایت فرمائے جو حضور علیہ السلام کی ذات مقدس کے لائق تھے۔ پس اس قسم کے قیاسات سے قطعی عقائد ثابت نہیں کئے جا سکتے۔

جواب ۲ :۔ تعلیم الاسمائے سے علم تفصیلی مراد لینا بے دلیل ہے۔ اور اجمالی علم سے انکار نہیں اور تقریباً یہی مفہوم اقرب الی الصواب ہے جیسا کہ حضرت العلامہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں تصریح کی ہے۔

المراد ان اللہ تعالیٰ علم آدم لاشیاء کلہا علما اجمالیا و لیس المراد العلم التفصیلی حتی یلزم المحذور۔!	مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کے متعلق علم اجمالی دیا تھا۔ یہاں تفصیلی علم مراد نہیں ہے تاکہ کوئی اعتراض وارد ہو۔!

جوابؑ :- اگر سیدنا آدم علیہ السلام بعد از تعلیم اسماء عالم بکل شئی ہوتے تو اکل شجرہ کا ارتکاب نہ فرماتے۔

وہ حل طلب حدیثیں جنکو دیکھکر اہل بدعت مغالطوں میں مبتلا ہوگئے

پہلی حدیث کا حل؛

فتجلّٰی لی کل شیء وعلمت ما فی السمٰوات والارض -:	پس میرے لئے ہر شے واضح ہوگئی پس میں نے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ تھا جان لیا -:

پہلا جواب :- ہم نے بار ہا دلائل کی روشنی میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ اثبات عقائد کے لئے محکمات کتاب وسنت کے علاوہ دلائل پیش نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا اصولی طور پر ہم اس قسم کی روایات کے جواب دینے پر مکلف نہیں ہیں۔

دوسرا جواب :- اگرچہ بعض حضرات نے اس کی توثیق کی ہے لیکن امام بخاریؒ اس حدیث کی سند کے متعلق فرماتے ہیں:-

قال البخاری عبد الرحمٰن بن عائش الحضرمی لہ حدیث واحد الا انھم یضطربون فیہ وھو حدیث الرؤیۃ قال البیھقی وقد روی من طرق کلھا ضعاف وفی ثبوتہ نظر (تعقیر فاذن ج۳ ص۳۲ ملخص)	امام بخاریؒ نے فرمایا عبد الرحمٰن بن عائش حضرمی کی صرف ایک حدیث ہے مگر اس میں بھی اضطراب ہے اور وہ حدیث رؤیت والی ہے۔ اس کی سب سندیں ضعیف ہیں اور اس کے ثبوت میں کلام ہے۔

اس لحاظ سے بھی یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔
تیسرا جواب:۔ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی اس کا درجہ خبر واحد کا رہیگا جو کہ مثبت للعقائد نہیں ہے۔
چوتھا جواب:۔ اس روایت میں علمت مافی السموٰت وما فی الارض کا جملہ ہے۔ بعض روایات میں فتفہمت الذی سالتی عنہ ہے بعض میں ماکان وما یکون کے الفاظ ہیں جن کے معانی و مفاہیم ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ جب تک صاحب استدلال کسی جملے کا تعین دلائل قاہرہ سے نہ کرے گا۔ اہلسنتہ پر جواب دینے کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔
پانچواں جواب:۔ یہ حدیث سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے مافی السموٰت وما فی الارض کو جان لیا۔ اور قرآن مجید کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکی طرف صرف اتنا قدر وحی کی تھی کہ آپ نذیر مبین ہیں۔ پس جو حدیث قرآن سے ٹکرا جائے وہ قطعاً مثبت دعویٰ کے نہیں رہتی۔
قرآنی آیت ملاحظہ فرمایئے جس میں حضرت کریم کا بیان درج ہے۔

ماکان لی من علم بالملا الاعلیٰ اذ یختصمون ان یوحیٰ الیّ الا انما انا نذیر مبین ۞ (ص)	جب ملاء اعلیٰ جھگڑ رہے تھے مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ میری طرف صرف اتنا قدر وحی کی گئی کہ میں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔

چھٹا جواب:۔ بر تقدیر تسلیم اس وقت کی موجودات مافی السموٰت وما فی الارض کے کشف سے گذشتہ واقعات جو معرض وجود میں آ کر

معدوم ہو چکے تھے یا آئندہ یا آنے والے تھے ان کا منجلی ہو کر معلوم ہو جانا لازم نہیں آتا۔ اور نہ یہ کیفیت مستمرہ دائمہ تصور کی جاسکتی ہے جب تک حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام سے اس امر کی تصریح نہ ہو۔

دوسری حدیث کا حل

قام فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطیبًا بعد العصر فلم یدع شیئًا یکون الی قیام الساعۃ الا ذکرہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پس آپ نے قیامت تک کے سارے حالات بتا دیئے کسی نے یاد کیا، کسی نے بھلا دیا

جواب ۱ :۔ چونکہ یہ خبر واحد ہے۔ اس لئے باب العقائد اس سے استدلال قائم کرنا غیر نافع ہے۔

جواب ۲ :۔ اہلسنت کا سابقہ مطالبہ ابھی باقی ہے۔ کہ یہ جو کچھ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اپنی طرف سے تھا یا خدا تعالیٰ نے ان کو بتایا تھا۔ اگر اپنی طرف سے ہے تو خلاف طرفین ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے تو علم غیب نہ رہا۔

جواب ۳ :۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۶۳ میں اس حدیث کی تشریح موجود ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے بڑے فتنوں کا ذکر فرمایا۔ اور قابل تسلیم بھی یہی ہے۔ ورنہ قیامت تک کے نباتات و جمادات حیوانات طیور و وحوش ان کے حرکات و سکنات کے سنانے کے لئے نہ تو حضور علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور نہ حضورؐ نے بیان فرمایا۔ کثیر واقعات کو تعبیر یوں کیا گیا ہے کہ سب کچھ قیامت تک

کی چیزیں بیان کر ڈالیں۔ ایک چیز بھی نہیں چھوڑی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے پرندوں کا بھی ذکر فرمایا۔ ورنہ آخر کسی صحابی نے بھی تو آپ ﷺ سے بالتفصیل ذکر کیا ہوتا۔ اور آخر وہ ذخیرۂ حدیث کہاں گیا۔

تیسری حدیث کا حل:

بلاشبہ حضور علیہ السلام ہم کو چھوڑ گئے۔ پرندوں کے پروں کے ہلانے کا ذکر بھی ہمارے سامنے فرمادیا۔	لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ الا ذکر لنا منہ علماً

جواب:- پھر تو سب کو عالم الغیب کہنا پڑے گا۔ حالانکہ اس سے مراد ضروری واقعات کثیرہ کا بیان ہے۔

چوتھی حدیث کا حل:

مشکوٰۃ شریف میں ہے:-

پس آپ نے ہمیں خبر دی جو کچھ کہ ہونے والا تھا۔ قیامت تک یعنی ہمارا اعلم وہ ہے جو زیادہ حافظ ہے	فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیامة فاعلمنا احفظنا۔

پہلا جواب:- اولاً یہ روایت باب العقائد میں غیر مقبول ہے۔ اس لئے کہ خبر واحد ہے۔

ثانیاً اس سے علم کلی کی نفی ہو رہی ہے جبکہ الی یوم القیامۃ کی قید موجود ہے۔ ثالثاً قدرۃ علی الغیب کا مسئلہ بھی ثابت نہ ہوا کیونکہ جو قادر علی الغیب ہو۔ اس کی معلومات محدود نہیں ہوتیں۔

لہٰذا قیامت تک کے واقعات کا اجمالی طور پر بیان کرنا ہمارے مسلک اہلسنت کے خلاف نہیں جبکہ تفصیل کی تصریح روایت میں موجود نہیں ہے۔

پانچویں حدیث کا حل

ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارق الارض ومغاربھا۔ (مشکوٰۃ شریف باب فضل سید المرسلین)	بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا پس میں نے زمین کے مشارق اور مغارب دیکھ لئے

جواب :- یہ حدیث ہمارے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں۔ اور اہل بدعت کے لئے مفید نہیں کیونکہ انبیاؑ و اولیاءؒ پر بلاشبہ ایسا وقت آجاتا ہے جبکہ ان کی نگاہ مشرق و مغرب تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ لی مع اللہ وقت کا مقتضا ہے لیکن اس کیلئے دوام و استمرار ضروری نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کا واقعہ زیر غور رکھئے کہ پتہ چل گیا تو یوسف علیہ السلام کی خوشبو کا۔ اور نہ پتہ چلا تو کنوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا۔ اسی طرح بتا دیا تو حضورؐ نے دجال کے آنے اور اس کے پکڑے جانے اور قتل ہونے کے متعلق باب لد علاقہ شام کا۔ اور نہ پتہ چلا تو ہودج میں سیدہ عائشہؓ کا۔ اور ہار کا اور اولیاء امت میں سے سیدنا فاروق اعظمؓ کو لے لیجئے کہ پتہ چل گیا تو نہاوند کی فوج کا۔ اور نہ پتہ چلا تو مسجد میں محراب کے قریب اپنے قاتل کا۔

بہرحال ہر وقت ہر چیز کو جاننا صرف خدا تعالیٰ کے ہی خاص ہے۔

علماء بریلوی کا فتویٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں

أقول بل لا یعلم شیئًا الا اللّٰه بل لا وجود حقیقیًا الا اللّٰه۔
الدولۃ المکیۃ۔ مولوی احمد رضا بریلوی ص ۱۳۳۔

وعند العامۃ لا معبود الا اللّٰه وعند الخاصۃ لا مقصود الا اللّٰه
وعند الاخصین لا مشہود الا اللّٰه وعند المنتہین لا موجود
الا اللّٰه وکل حق۔ الدولۃ المکیۃ ص ۱۳۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ تم فرما دو کہ آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا
سوائے اللہ کے۔ تو نبی علیہ السلام نے خاص پانچ چیزوں کو فرمایا۔ اور اللہ عزوجل
نے عام حکم فرمایا۔ اور ہم سب پر ایمان لائے۔ اس لیے کہ خاص عام کی نفی نہیں
کرتا۔ تو ان پانچ کو کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے۔ اور اس کے سوا اور غیب جو
ان سے علاوہ ہیں ظرف وقت یا جہات میں نہ اور میں۔ انہیں بھی کوئی نہیں جانتا۔
سوا اللہ تعالیٰ کے الدولۃ المکیۃ ص ۱۳۵

اقول بلکہ کوئی کچھ نہیں جانتا سوا اللہ تعالیٰ کے۔ بلکہ حقیقی وجود کسی کے لیے
نہیں سوا اللہ کے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے تمام مقولات
میں سب سے زیادہ سچا لبید کے اس قول کو فرمایا۔ سن لو ہر شئی بے حقیقت ہے
سوا اللہ کے اور ہمارے علماء فرما چکے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا معنی۔ عام لوگوں کے نزدیک
یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا
کوئی مقصود نہیں اور خاص خواص کے نزدیک یہ ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔
جو نہایت کو پہنچ گئے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں
یہ سب معنی حق ہیں۔ الدولۃ المکیۃ ص ۱۳۵

۳۔ ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ۔ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غائب جان لیتا ہوں ۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں ۔ تو میرے احکام غیب پر مبنی ہیں ۔ تاکہ تمہیں یہ اعتراض کرنے کا موقع ہو کہ جب میں نے کہا ہی نہیں تو اعتراض بے محل ہے اور شریعت میں ظاہر ہی کا اعتبار ہے ۔ لہذا تمہیں یہ اعتراض بے جا ہے ۔ نیز لا اعلم الغیب فرمانے میں قوم پر ایک لطیف تعریض بھی ہے کہ کسی کے باطن پر حکم کرنا اسی کا کام ہے جو غیب کا علم رکھتا ہو ۔ میں نے تو اس کا دعویٰ ہی نہیں کیا ۔ باوجود کہ میں نبی ہوں تم کس طرح کہتے ہو کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے ۔ کنز الایمان ص ۳۲۵

۴۔ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ۔ تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ ۔ کنز الایمان ص ۵۵۳

۵۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ جس کا معنی مولوی احمد رضا نے یہ لکھا ہے کہ بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم ۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق مولوی نعیم الدین مراد آبادی کنز الایمان کے حاشیہ ف ۱۰۰ ص ۵۹۴ پر لکھتا ہے ۔ یہ آیت حارث بن عمرو کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کا وقت دریافت کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ میں نے کھیتی بوئی ہے خبر دیجئے کہ بارش کب آئے گی ۔ اور میری عورت حاملہ ہے مجھے بتائیے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے ۔ لڑکا ہے یا لڑکی ۔ یہ تو مجھے معلوم ہے ۔ کہ کل میں نے کیا کیا یہ مجھے بتائیے کہ آئندہ کل کو کیا کروں گا ۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ میں کہاں پیدا ہوا مجھے یہ بتائیے کہ کہاں مروں گا ۔ اس کے جواب میں آیت کریمہ نازل ہوئی

۶۔ الیہ یرد علم الساعۃ ۔ قیامت کے علم کا اسی پر حوالہ ہے ۔ مولوی نعیم الدین اسی تفسیر کنز الایمان کے حاشیہ ف ۷۹ ص ۱۱۳۳ پر لکھتے ہیں کہ جب اس سے وقت قیامت دریافت کیا جائے ۔ اس پر لازم ہے کہ کہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے

حوالہ: یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی ۔

اس آیت کا ترجمہ مولوی احمد رضا بریلوی نے یوں کیا ہے۔ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ کب کو ٹھہری ہے۔ تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں مولوی نعیم الدین کنزالایمان

کے ص ۲۵۲ ف ۳۶۴ پر لکھتے ہیں۔ شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتائیے قیامت کب قائم ہوگی کیونکہ ہمیں اس کا وقت معلوم ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ فائدہ ف ۳۶۴ قیامت کے وقت کا بتانا رسالت کے لوازم سے نہیں ہے۔ کنزالایمان ص ۲۵۲

(ختم شد)

قادرِ مطلق و مختارِ کُل
صرف اللہ تعالیٰ ہے!
قرآن و حدیث کا فیصلہ

قدرت و اختیار

عبادت کی تیسری اور عظیم شرط و بنیاد "قدرت و اختیار" ہے خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

اِذْ شَرْطُ اسْتِحْقَاقِهَا الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ التَّامَّةُ عَلٰى دَفْعِ الضُّرِّ وَجَلْبِ النَّفْعِ [1]

عبادت کی شرط و بنیاد یہ ہے:- دفعِ ضرر و جلبِ منفعت پر قدرتِ کاملہ تامہ!

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں عموماً اسی صفت کو بیان کر کے اپنے لئے عبادت کا اثبات فرمایا ہے۔ اور غیر اللہ سے اسی صفت کا عدم ذکر کر کے ان کی عبادت کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:-

قدرتِ کاملہ و اختیارِ کُل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات اور عدمِ قدرت و اختیار کی بنا پر عبادتِ غیر اللہ کی نفی و مذمت!

۱۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (پ ۶، مائدہ، ع ۳)

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے آپ پوچھئے کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کون اللہ سے بچانے کا ذرا بھی اختیار رکھتا ہے، اور اللہ ہی کے لئے خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور

[1] روح المعانی جلد ۵ ص ۹۰۔

نہیں رکھتے۔ اور نہ موت وحیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے کا۔

اللہ زمین و آسمان کا حاکم و بادشاہ ہے۔ وہ ہی بادشاہ ہے، کوئی اقتدار و شاہی میں اس کا شریک نہیں۔ پھر وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں مشرک کہ ان صفتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو خود مخلوق ہیں، کسی اور کو کیا پیدا کریں گے، اور خود اپنے لئے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، موت وحیات پر قدرت نہیں، ان بے بس و بے اختیار معبودوں کو عبادت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا!

۴۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۔ (پارہ ۲۲۔ فاطر ع ۱)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں، اور وہ اللہ جو کچھ بند کر دے اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں، اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو۔ (جب نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو پھر) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق (بھی) نہیں، سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو؟

جب خالق و مالک اور رحیم و رازق صرف اللہ ہے، اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ رازق، نہ رحیم ہے نہ منعم، تو پھر اس کے سوا کسی کو عبادت کا کیا حق ہے! پھر عبادت کسی کا بھی حق نہیں۔

۵۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ڮ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۔ (پارہ ۲۲۔ فاطر ع ۲)

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، سلطنت (بھی) اسی کی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے

اللہ رب العزت دن رات کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں، موسموں میں تغیر تبدل کرتے ہیں پھر سلطنت و بادشاہی اسی کی ہے۔ لہٰذا عبادت بھی اسی کا حق ہے مگر ظالم مشرک اللہ کے سوا ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سے پردے کا بھی اختیار نہیں۔

۲۱- ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ۝ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۝ اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ (سورۃ مومن)

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ (پچھلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قرار کی جگہ بنایا۔ اور آسمانوں کو چھت بنایا۔ اور تمہاری صورت بنائی سو عمدہ صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب پس بڑا برکت والا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار وہی (ازلی ابدی) زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو۔

خالق، مالک، رازق، مصور، منعم، حاکم ہادی، احسن و اجمل تصویریں بنانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے زمین و آسمان اسی نے بنائے۔ ان عظیم اختیارات کے واحد مالک کا حق ہے کہ ہر قسم کی عبادت اسی کی کی جائے۔ اس کے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں۔

عبادت کی بنیاد اور الوہیت و معبودیت کے لوازم نفع نقصان کا مالک و مختار ہے۔ معبود کے نافع و ضار ہونے کے علم و یقین ہی کے اندر اس کی الوہیت و معبودیت کا سارا راز مضمر ہے۔

اللہ رب العزت نے جہاں اس اصل و اساس کی بنا پر اپنی عبادت کا اثبات فرمایا ہے وہاں ان کے عدم و فقدان پر یعنی تمام ماسوی اللہ کے نفع نقصان کا مالک نہ ہونے پر اب ان کی معبودیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:۔

۳۔ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (پارہ ۱۱، آخر سورۃ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، برائی، نفع و ضرر سب کا اختیار اور قبضہ تمام تر اللہ رب العزت کا ہے، اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و زیاں اور گناہ پر قطعاً کوئی اختیار نہیں، اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور درد کو کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ الغرض الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد کی ہے۔

۴۔ صرف ایک موقع اور ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُوْرَ ۝ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا ۚ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (پارہ ۲۵، آخر شوریٰ)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جس کو چاہے (محض) بے اولاد رکھتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیٹے، بیٹیاں، دینا نہ دینا محض اس کے اختیار میں ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی، علم کل اور قدرت کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بنا پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے جو اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

بطور اجمال اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان

اجمالاً پورے قرآن میں اللہ رب العزت کی

۱۸- المتین [1] پورے قرآن میں ۱ مقام پر

۱۹- ذُو انْتِقَامٍ: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ، اِنَّا مُنْتَقِمُونَ۔ وغیرہ مُنْتَقِمٌ [2] ۹ " "

۲۰- اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ واسع [3] ۸ " "

۲۱- اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْقَيُّوم [4] ۳ " "

۲۲- وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ، وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ، اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ [5] " "

۲۳- خَيْرُ الْفَاصِلِينَ [6] اور خَيْرُ الْفَاتِحِينَ [7] ۲ " "

۲۴- الْحَكَمُ ایک ایک مقام پر حَکَم [8] وَالٍ [9] اور الْفَتَّاح [10] ۳ " "

میزان ۳۰ ۲۲۴ مقامات

خلاصہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں قریباً سو دو سو مقامات پر اپنی قدرت کاملہ، اپنے علم و اقتدار، تصرف اور اپنی قوت و مالکیت مطلقہ کا بیان واثبات تو فرمایا ہے مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ کسی بت اور قبر کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت و اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

---

۱ المتین قوی طاقت والا۔

۲ منتقم بدلہ لینے والا، سزا دینے والا (لغات القرآن جلد ۶ ص ۲۸۹)

۳ واسع بہت دینے والا، ہر چیز پر محیط (المنجد)

۴ القیوم اسماء حسنیٰ میں سے ہے، یعنی ذات الٰہی ہر چیز کی نگہبان اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اسی کی ضروریات زندگی بہم پہنچاتی ہے (مفردات القرآن)

۵ احکم الحاکمین سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم۔

۶ خیر الفاصلین سب حکم کرنے والوں سے بہتر۔

۷ خیر الفاتحین بہتر حکم کرنے والا۔

۸ الحکم حکم جاری کرنے والا، فیصلہ کرنے والا (المنجد) حَکَمًا فیصلہ کرنے والا ہے حاکم سے زیادہ بلیغ ہے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۹)

۹ وَالٍ اصل میں والی ہے، وَلِیَ متصرف، مددگار، حاکم، مدبر، کارساز (لغات القرآن جلد ۶ ص ۲۱۳)

۱۰ الفتاح بہت بڑا فیصلہ کرنے والا، صیغہ مبالغہ، حاکم (المنجد)

اسماء الحسنیٰ: نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات والے اسماءِ الٰہی کے علاوہ قابض[1]، باسط[2]، خافض[3]، رافع[4]، معز[5]، مذل[6]، واجد[7]، ممیت[8]، مغنی[9]، نافع[10]، ضار[11]، مانع[12] وغیرہ۔ اسماء حسنیٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت و ذلت، موت و حیات سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو صرف اجمالی طور پر صفات و اسماءِ الٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار و اقتدارِ مطلقہ کا ذکر ہے۔ ورنہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ، ربوبیت عامہ اور رحمت واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔

نیز انسان اگر چشم بصیرت سے دیکھے تو ساری کائنات، سارا جہان اور خود اس کا اپنا وجود اللہ رب العزت کی قدرت کا مظہر و شاہد ہے۔ لیل و نہار کی گردشیں، دن رات کا گھٹنا بڑھنا، موسم کے تغیرات، گرمی، سردی، خزاں، بہار، برسات، بجلی، گرج، کڑک، چمک، ابر، دریا، پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، تارے، سورج، پھر خاکی، نوری، ناری، بری، بحری اور آسمانی مخلوقات، پھر ساری مخلوق کے لئے ضروریاتِ زندگی کا اہتمام، زمین سے فصلوں، غلوں، پھلوں اور میووں کی پیدائش، کیا یہ سب کچھ کسی ان دیکھی طاقت اور غیر محدود و لامتناہی قدرت کا پتہ نہیں دیتا؟ اگر یہ تمام مناظرِ قدرت اور شواہدِ فطرت کسی کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی نہیں، تو پھر اسے کم از کم اپنے وجود کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ کیا ناپاک پانی کے قطرے سے یہ کوہ پیکر اور ربیل تن جوان، یہ سڈول جسم کا تنومند پہلوان خود بخود بن گیا؟ کتنی تبدیلیوں

---

[1] قابض: تنگی دینے والا۔ [2] باسط: کشادگی کرنے والا۔

[3] خافض: پست کرنے والا۔ [4] رافع: بلند کرنے والا۔

[5] معز: عزت دینے والا۔ [6] مذل: ذلت دینے والا۔

[7] واجد: قادر (الغنی)۔ [8] ممیت: مارنے والا۔ [9] مغنی: بے پروا کرنے والا۔

[10] نافع: نفع دینے والا۔ [11] ضار: نقصان پہنچانے والا۔ [12] مانع: روکنے والا، حفاظت

کے بعد اور کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسے یہ جسم ملا پھر یہ جوانی خود بخود بڑھاپے
میں تبدیل ہو جانے گی اور زور و قوت، صحت و توانائی کا یہ مجسمہ خود بخود ضعف و
نقاہت کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلا جائے گا اور ایک دن اس کا نام و نشان
بھی باقی نہیں رہے گا؟ یہ تبدیلی پر تبدیلی لانے اور گندے پانی سے خوبرو قوی تن
بدن بنانے اور پھر ایسے حسین و جمیل چہروں کو مٹی کی مٹھی بنا کر رکھ دینے والی ذات
کا انکار ممکن ہے؟ یا اس ذات پاک کی قدرت اور ربوبیت اور رحمت اور اس
کے اختیار کلی کا احساس و ادراک یا اقرار و اعتراف کوئی مشکل ہے؟

معبودان باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے!

جہاں قدرت و اختیار کی اس بحث کے شروع میں اللہ رب العزت کی
قدرت کاملہ کے ساتھ معبودان من دون اللہ کی بے بسی و بے اختیاری کی واضح
ہو چکی ہے۔ ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ یہ کھجور کی گٹھلی
تو کیا، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک پردے تک کے مالک نہیں۔ ان آیات
کے علاوہ پورے قرآن میں نہایت شرح و بسط اور تکرار کے ساتھ بار بار
معبودان باطل کی بے اختیاری ثابت کی گئی ہے۔

غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فلسفہ

غیر اللہ کی پرستش کا منشا در اصل ان کی
مفروضہ در پردہ قدرت و طاقت ہے۔
انسان فطرتاً لالچی ہے، وہ ہر وقت اپنے لئے نفع کی تلاش اور نقصان سے بچنے
کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی کا تانا بانا سود و زیاں کی ادھیڑ بن ہے
اسے ہر وقت یہی فکر و انگر رہتی ہے کہ اس کے وارے نیارے ہو جائیں لے
کاروبار میں لین دین میں نفع ہی نفع ہو، مال و دولت میں زیادتی اور گھر بار اہل و
عیال آل و اولاد میں افزائش ہو گی نقصان اور خسارے کے تصور سے یہ
لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔

تجارت، مال و دولت میں نقصان کا اندیشہ ہو یا جان اور اپنے بچوں کی

بیماری یا موت کا خطرہ ہو تو یہ گھبرا کر چارہ سازی کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر گھڑی سے گزری آزمائش میں اپنے قادر و کریم مولا کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں لیکن نفس اور شیطان کے بندے اللہ کے نیک، صالح بندوں، اماموں، ولیوں اور نبیوں کو قدرت اور اختیار کا مالک سمجھ کر انہیں پکارتے ہیں۔ ان کی منتیں مانتے ہیں، اور جب اللہ کریم رب رحیم ان کی مشکل حل کر دیتے ہیں تو یہ بزرگوں کی خانقاہوں پر نذریں پیش کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں سجدے کرتے ہیں۔ مزاروں کو چومتے چاٹتے ہیں، اور اگر ممکن ہو تو قبر کی خاک مٹی تک پھانک جاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی اصل و اساس جلب منفعت کا جذبہ ہے یا دفع مضرت کا احساس۔ دنیوی کے بندوں نے جب بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کی ہے کسی نفع کے لالچ میں یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے، غیر اللہ کی پرستش کا سارا فلسفہ آپ کو ان دو ہی لفظوں —— جلب منفعت یا دفع مضرت —— کے گرد گھومتا نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر دیکھئے جاہل انسان نے دیکھا پانی پر اس کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ دریا اس کی فصلوں کو سیراب کرتا ہے تو اس نے پانی اور دریا کی پوجا شروع کر دی۔ سورج کو دیکھا اس کے اندھیروں کو اجالے میں بدلتا ہے۔ اسے نور و ضیا دیتا ہے۔ گرمی پہنچاتا ہے اور اس کی فصلیں اور اس کے پھل میوے پکاتا ہے۔ اس کی پرستش شروع کر دی۔ چاند تاروں کو دیکھا رات کو ٹھنڈی روشنی بہم پہنچاتے ہیں ان کی پوجا میں لگ گیا۔ ہندی مشرکین نے دیکھا گائے میٹھا دودھ دیتی ہے ٹھنڈی لسّی پلاتی ہے، اس کی پوجا پاٹ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ اگر دھوپ میں جل جاتا کوئی یا تھکا ماندہ تھا پیپل یا بڑ کے گھنے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی تو بدن میں جان آئی تو پیپل اور بڑ کی پوجا شروع کر دی۔ آگ کو دیکھا یہ کھانا پکاتی ہے اور مشتعل ہو جائے تو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے ضرر سے بچنے کے لئے اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ بعض احمقوں نے دیکھا کہ سانپ موت کا سبب بنتا ہے تو ڈر کر اس کی پرستش شروع کر دی اور بعض عقل کے

انہوں نے بعض بیماریوں کو موت اور تکلیف کا سبب بنتے دیکھ کر ان بیماریوں کی مثلاً چیچک کی پوجا شروع کر دی۔ اور مستقل کے سامنے جھکا گیا۔ و شرافت کا بھی جنازہ اٹھ گیا جب آبرو باختہ لڑکیاں اور عورتیں "شیو جی" کے مندر میں جا کر جنون کے ساتھ مس و مساس کر کے مخصوص اعضاء (شیو لنگ) کی پوجا کی محض اس لالچ میں کہ اس کی گود ہری ہو جائے اولاد ہو جائے گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بتوں کی پوجا کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ بزرگ رجال کے ناموں پر یا ان کی صورتوں پر گھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان اولیاء و صلحاء کی پرستش کے گویا قبلہ و ذریعہ ہیں، ان کی پوجا سے وہ اولیاء ہم سے خوش ہوں گے۔ اور ان کی خوشی سے ہمارے سارے کام سنور جائیں گے۔

اولیاء اللہ کی مزاروں کی پوجا پاٹ، ان سے متعلق جھنڈے یا نگاروں اور ان کے جملہ آثار و نشانات کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، اماموں کے نام تعزیے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حتیٰ کہ ان سے منسوب گھوڑے دلدل کی پرستش، منتیں نذریں یہ سب اسی لئے تو ہیں کہ یہ اولیاء و ائمہ ہم سے راضی ہوں اور ہماری بگڑی بن جائے جس سے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں۔

سید الاولیاء سیدنا حضرت عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر گیارہویں کا دودھ وغیرہ محض اس ڈر سے بانٹا جاتا ہے کہ کہیں ان کی گائے بھینس بیمار نہ ہوں یا مر جائیں یا ان کا دودھ خشک نہ ہو جائے، حضرت رحمہ اللہ ان کو ان کے مال مویشی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھیں گے۔ الغرض کسی غیر اللہ کی پرستش کا آپ کھوج لگائیں گے تو یہی اصل و سبب پائیں گے۔ اس عبادت اور پوجا کی تہہ میں یہی نفع کی طمع و طلب، فائدے کی ہوس، کوئی نہ کوئی لالچ کارفرما ہوگا یا نقصان اور زیاں و ضرر سے بچنے کی غرض پوشیدہ ہوگی۔

انتہائی تعظیم، انتہائی محبت، آخری درجے کی انکساری و عاجزی، بے حد و نہایت شکر گزاری ——— جسے عبادت سے تعبیر کرتے ہیں ——— حق ہی اسی کا ہے جو نفع نقصان کا مالک ہو جس کے ہاتھ میں سود و زیاں کی باگ ڈور ہو۔ جلیل و قریب مگر وہ بندوں سے جس کسی کو بھی نفع نقصان، سود و زیاں کا

مالک بھی اسی کی عبادت شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد

ایک بندہ، ایک عاجز و محتاج بندہ، ایک سراپا غرض مند بندہ قدم قدم پر بلکہ اپنی زندگی کے ہر سانس پر مدد و اعانت کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ذات پاک رب قدیر کی طرف بندے کے میلان و توجہ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ نفع و نقصان اور سود و زیاں اسی کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ درحقیقت نادیدہ خدا اور غیر محسوس و غیر مرئی خدا لاکھوں حجابوں بلکہ بے شمار پردوں میں مستور و مخفی خدا پر صحیح ایمان کی بنیاد درحقیقت بندے کو یہی میلان و تصور ہے ایک موحد مسلمان خوف و طمع اور بیم و رجا کے لئے اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا یہ نفع و نقصان کا مالک صرف اپنے نافع و ضار خدا کو سمجھتا ہے اور اس نے تمام غیر اللہ سے سود و زیاں کے تمام رشتے اور علاقے قطع کر لئے۔

غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد

بخلاف اس کے جب اس ایمان و یقین میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو ایک محتاج و غرض مند بندہ غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی توجہ و میلان کا مرکز بھی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔ اب وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو انہی غیر اللہ کی چوکھٹ پر اور ذکر و اذکار میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے تو غیر اللہ کے۔ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (سورہ زمر رکوع ۵)

اب یا رسول اللہ اور یا علی اور یا عبد القادر جیلانی کے نعروں میں جو کیف و سرور محسوس کرتا ہے وہ اللہ اکبر کے نعرے میں کہاں؟

اب اس کی محبت کا مرکز و محور بھی یہی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ (پارہ ۲- بقرہ- ع ۲)	اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں ان ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ ان کے دل میں تمام

غیر اللہ کی محبت لے لیتی ہے۔ اب تمام تر محبت ہے تو ان کی اور خوف ہے تو ان کا، جس محبت اور ذوق شوق سے بزرگوں کی نذر نیاز دیتے ہیں، اولیاء و مشائخ کے چالیسویں نکالتے ہیں، خدا کی زکوٰۃ عشر اور اس کے نام پر نذر و قربانی میں اس جوش و محبت کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ گائے بھینس کے مر جانے یا ان کا دودھ خشک یا کم ہو جانے کے خوف سے جس اصرار و التزام اور شدت و سختی کے ساتھ حضرت سید الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارھویں نکالتے، بانٹتے اور کھاتے ہیں، کیا اس لزوم و التزام کا ہزارواں حصہ بھی عشر نکالنے، قربانی کرنے اور قربانی کا گوشت کھانے میں پایا جاتا ہے؟

تمام ماسوی اللہ مطلق بے اختیار ہیں کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں

تو شرک کی اصل و بنیاد یہی غیر اللہ کے نافع و مختار ہونے کا احساس و ایقان ہے۔ اللہ رب العزت نے شرک کی بنیاد یعنی عبادت غیر اللہ کی اسی اصل و اساس ہی کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اپنے کلام پاک قرآن کریم میں بیسیوں جگہ تمام ماسوی اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

اـ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا (بنی اسرائیل)

آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا مشکل کشا سمجھتے ہو، ذرا ان کو پکارو تو سہی، وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل دینے کا۔

اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو قطعاً کوئی اختیار نہیں اور وہ کسی کی کوئی تکلیف دور کر سکتا ہے نہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔

پھر ایسی بے اختیار و عاجز مخلوق کو معبود بنا لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

فی دعوتھم الاولی اشبه الناس
بعبدة الاصنام القائلین انما
نعبدھم لیقربونا الی اللہ زلفی
ودعوتھم الثانیة لا بأس بھا
لو لم یطلبوا منھم بذلک شفاء مریضھم
او رد غائبھم او نحو ذلک والظاھر
من حالھم الطلب ویرشد الی ذلک انه
لو قیل لھم انذروا للہ تعالی واجعلوا
ثوابه لوالدیکم فانھم احوج
من اولئک الاولیاء لم یفعلوا ورأیت
کثیرا منھم یسجد علی اعتاب حجر قبورھم

خالیوں میں سے جو متقی شد ہیں مع کہتے
ہیں کہ یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک
پہنچانے کے لئے ہمارے وسیلے ہیں
ہم منت تو صرف اللہ عزوجل کے لئے
مانتے ہیں، ولی کو تو صرف ثواب پہنچاتے
ہیں" اور یہ حقیقت مخفی نہیں کہ یہ اپنے
پہلے دعوی میں بتوں کے ان پجاریوں
کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں جو کہتے ہیں
کہ ہم تو بتوں کی پوجا محض اس لئے کرتے
ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں
اور ان کے دوسرے دعوی میں کوئی حرج
نہیں بشرطیکہ یہ ان اولیاء اللہ سے یہ منت مان کر اپنے مریض کی شفا یا اپنے غائب
ہو جانے والے کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اور ان کے حال سے یہ مطالبہ ظاہر
ہے اور یہ حقیقت بھی اسکی پر دلالت کرتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم منت اللہ
تعالیٰ کے لئے مان کر اس کا ثواب اپنے والدین کو بخشو جو ان اولیاء اللہ سے ثواب
کے زیادہ محتاج ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے
اکثر اولیاء اللہ کی قبروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض تو
تمام اہل قبور کے لئے علی فرق مراتب اختیار ثابت کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور ان
میں سے بعض کا یہ گمان بھی ہے کہ اولیاء اللہ قبروں سے نکل کر مختلف شکلیں اختیار

. . . .
۔۔۔۔ وکل ذلک باطل لا
اصل له فی الکتاب والسنة
وکلام سلف الامة۔ وقد افسد
ھؤلاء علی الناس دینھم وصاروا
ضحکة لاھل الادیان المنسوخة

کر لیتے ہیں اور ان کے عالم کہتے ہیں کہ
ان کی روح شکلیں اختیار کرکے ظاہر
ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں پھرتے
پھرتے ہیں، اور کبھی شیر کی صورت کی یا
اسی طرح کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتے
ہیں اور یہ تمام باتیں باطل ہیں کتاب و سنت

من الیھود والنصاریٰ ورگ ... لاھل النحل والملل ھو اثبتہ نسأل اللہ تعالیٰ العفو والعافیۃ۔ [1]

اور سلف امت کے اقوال میں ان کی کوئی اصل نہیں اور انہوں نے لوگوں کا دین خراب کر دیا ہے اور یہی ہیں جو یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اور دہریوں کے لئے ہنسی مخول کا سامان بن کر رہ گئے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور اس بلاء و برائی سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

اختیار صرف ایک اللہ کو ہے

تمام حضرات انبیاء و رسل مجبور و بے اختیار ہیں

جہاں قرآن کریم سے اس حقیقت کا وضوح و انشراح ہو گیا کہ تمام معبودان غیر اللہ بے بس و بے اختیار محض ہیں، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مجبور و بے اختیار ہیں، اختیار صرف ایک اللہ کو ہے چنانچہ یہ حضرات بھی درد و مصیبت کے وقت مدد و نصرت اور مشکل کشائی کے لئے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان مصیبتوں سے نجات عطا فرماتا ہے۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ (پ ۱۷ انبیاء رکوع ۶)

اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام:۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ

اور ایوب جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان

---

[1] روح المعانی جلد [illegible] ص [illegible] الکلام علی الآیات من باب الاشارۃ

ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۝ (۸۴۔ انبیاء رکوع ۶)

ہیں۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دور کر دیا۔ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا۔ اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ جب حضرت کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۸۸۔ انبیاء رکوع ۶)

پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام:۔

وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (۹۰-۸۹۔ انبیاء رکوع ۶)

اور زکریا جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریا نے اپنے لئے وارث یعنی فرزند کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام:۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت ع ۳)

(دعا کی) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

۶۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام:۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ o وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ o وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ o (پ۲۳، الصّٰفّٰت ع۷)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

۷۔ حضرت لوط علیہ السلام :-

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ o (پ۲۳، الصّٰفّٰت، ع۴)

اور بے شک لوط علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

۸۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (سورہ ص ع ۳)

خلاصہ ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ پیغمبر بھی اور برگزیدہ سے برگزیدہ رسول نے دکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا کو سنا قبول کیا اور دکھ، درد، کرب و بلا، غم و مصیبت سے نجات دی۔

۹۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ (پارہ ۷۔ سورہ انعام رکوع ۴)

اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی، انہوں نے ان اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔

یہ آیتِ کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار اللہ سوا کسی کو حاصل نہیں تھا۔ ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف انبیاء کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں، اور وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم کا ہدف و نشانہ بنے اور صبر و تکذیب کا مظاہرہ کیا۔ آخر اللہ رب العزت قادر مطلق

قدیر کی بدولت نصرت آئی اور حق غالب آیا:

۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کو وصیت

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی اس لئے ساتھ ہی فرما دیا کہ:۔

وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ (پارہ ۱۳، یوسف ع)

اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی ہیں صرف ایک تدبیر بتلا دیا بھلا باقی ہوگا وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے یعنی قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الٰہی ہوگا۔ یعنی حکم الٰہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔
آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں:۔

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ....

ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

۱۱۔ امام المرسلین مختار کل نہیں

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوب خدا سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مختار کل نہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

۱۔ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ
(پارہ ۹ - الاعراف رکوع ۲۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

۲۔ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ (یونس ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع کا۔ مگر جو چاہے اللہ۔

۱۔ خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں کہ :۔

استثناء منقطع عند جمیع اٰتی و لکن ما شاء اللّٰہ تعالیٰ کائن لہ یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی میں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۲۔ علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۰۱ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں رقمطراز ہیں :۔

قل یا محمد اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا من مرض او فقر وَلَا نَفْعًا من صحۃ او غنی اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ استثناء منقطع ای ولکن ما شاء اللہ من ذلک کائن۔	اے محمد کہہ دیجئے بلاشک و شبہ میں اپنی جان کے لئے بھی مرض و فقر وغیرہ ضرر اور صحت و مالداری وغیرہ نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے، یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۳۔ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (پارہ ۲۹، جن رکوع ۲)	آپ کہئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نفع و ضرر کے اختیار کی نفی کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کج ذہن و کج بحث یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضور نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع و ضرر اور سود و زیاں کا کوئی اختیار نہیں، اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں لیکن ہر قسم کے نفع و نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔

کج بحثی کے ساتھ کج بحثی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب جاگے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرمایا گیا ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں

سلہ روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۲۰ سورۂ یونس۔
سلہ مدارک تفسیر آیت قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا

اقلیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں

گو آپ اقلیم بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسند رشد و ہدایت کے صدر نشین ہیں لیکن آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

۵۔ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ (پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص۔ رکوع ۶)

تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر موضح القرآن میں حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے۔ اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری۔ اس آیت کا شان نزول صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

۶۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ (سورۃ الشعراء)

شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان دے دیں گے۔

آپ کے دل میں بنی نوع انسان سے محبت و رحمت کا جو بحر زخار موجزن تھا۔ اس کے الطاف و اکرام کا اقتضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوش رحمت اور درد محبت سے آپ کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نہ گھلے آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

۷۔ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ۔ (فاطر ع ۲)

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی کہ سوز و گداز رحمت کے باعث آپ کی جان کے لالے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں

۸۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (پ ۴ - آل عمران - ع ۱۳)

آپ کا کچھ اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

جنگ اُحد میں کفار کے ہاتھوں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ مشرکین نے ظلم و تعدی میں انتہا کر دی۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہ سیدنا الشہداء رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ طور پر مثلہ کیا۔ ناک، کان، ہونٹ کاٹے، پیٹ مبارک چاک کیا، جگر نکال کر چبایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ ابن قمیئہ کمینے نے بڑھ کر سر اقدس پر تلوار سے وار کیا جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ چہرہ پاک مجروح تھا اور سارا وجود اطہر لہو میں نہا گیا۔ آپ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت کفار نے مشہور کر دیا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ یعنی حضورؐ قتل ہو گئے۔ اس سے اکثر صحابہؓ کے حواس بجا نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت زبان مبارک سے نکلا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، غزوہ اُحد، باب لَيْسَ لَكَ ...)

۹۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (پ ۱۰ - سورۃ توبہ - ع ۱۰)

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی جب مر گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے کفن کے لئے قمیص کی درخواست کی۔ آپ نے قمیص دے دیا۔ پھر درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ مگر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ...... اور اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ بار استغفار پر اللہ اسے بخش دے گا تو میں ستر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا۔ غرض آپ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نماز پڑھ کر پھرے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ ... وَهُمْ فَاسِقُوْنَ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اس کے بعد کفار و منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے کفن دفن میں شریک ہونے کی صراحت سے ممانعت کر دی گئی ——— آپ کی بے اختیاری صاف ظاہر ہے کہ کرتہ بھی دیا جنازہ بھی پڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین رئیس المنافقین کو نہ بخشا اور حضرت کو آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۱۰۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (پ ۱۰ انفال ع ۸)

اور (اللہ تعالیٰ نے) ان (مسلمانوں) کے دل میں الفت ڈال دی اگر آپ روئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے (تو بھی) ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ زور (قوت) والا حکمت والا ہے۔

اس ارشاد الٰہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفت قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ان کے قلوب میں الفت و محبت کے دریا بہا دیئے۔ وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائل عرب کی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں فرما سکتے۔

۱۱۔ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ (پ ۷ سورہ انعام ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک و بدعت علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت کو سنبھال دی ہیں۔ اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِی کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضورؐ کو عطا کر دیئے ہیں ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے نیز کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار اور قاسم و مقسم حضورؐ ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لئے ان تینوں باتوں کی احتیاج و ضرورت نہیں نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی اللہ نے اپنی بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریباً انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں: وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ (پارہ ۱۲۔ سورۂ ہود۔ رکوع ۳)

خلاصہ | دوسرے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری کا قرآن کریم میں کم و بیش ۵۰ مقامات پہ بیان فرمائی گئی ہے۔

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان ۵۰ مقامات پر منحصر ہے بلکہ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ مقصود ہے نہ آساں۔

سنّتِ رسولؐ سے نبی کریمؐ کے ملک و اختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنّتِ رسولؐ احادیث نبویہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت و بے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں:

(۱) لَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا | حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ

۵- اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں

اسی طرح آپ کی ایک اور دعا اس طرح ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ ...... رواہ النسائی

[illegible]

الٰہی! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے خیر ہو اور مجھے وفات دے جب تیرے علم میں وفات میرے لئے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علم غیب اور قدرت کا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہاں اپنے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرما رہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت و حیات اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات و وفات کا بھی اختیار نہیں۔

۶- ایک قطرہ بارش پر اختیار نہیں

حضرت انسؓ فرماتے ہیں عہد رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے بال بچے بھوکے ہیں، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے (بارش کی) دعا فرمائیے چنانچہ آپ نے (دعا کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھائے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے حضرت نے اپنے ہاتھ نہیں گرائے حتیٰ ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ یہاں تک کہ بادل پہاڑوں کی طرح امڈ آیا پھر آپ منبر سے نہیں اترے حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ یہاں تک کہ میں نے آپ کی داڑھی مبارک سے بارش کا پانی گرتے دیکھا۔ پھر ہم پر اس دن دوسرے دن تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی۔ (جمعہ میں) وہی دیہاتی یا کوئی اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مکان گر گئے، مال غرق ہو گیا، آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیے فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا۔ چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا ...... الٰہی ہمارے گرد و نواح میں برسا ہم پر اب نہ برسا چنانچہ جب آپ بادل کی طرف اشارہ فرماتے تھے تو بادل پھٹ جاتا تھا

یہاں تک کہ مدینہ کی فضا پر بادل کا نام و نشان باقی نہ رہا، مگر وادی میں مہینہ بھر پانی چلتا رہا۔ نواحی علاقے سے جو بھی آدمی آتا تھا وہ شدید بارش کی خبر دیتا تھا۔ حضرت انس کہتے ہیں حضرت کی دعا کے بعد بادل ختم ہوگیا اور ہم مسجد سے نکلے تو دھوپ میں چلے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم (مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعجزات)

اللہ اللہ! دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابی درخواست کرتا ہے کہ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا آپ ہمارے لئے اللہ سے اس کی دعاء فرمائیں۔ اور اگر بارش رکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب بارش ختم کرانی ہے تو بھی رب قادر و قدیر کی بارگاہ قدس میں دست سوال دراز کرکے دعا کرتے ہیں اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا محبوب رب العالمین کی شان محبوبیت و مقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر آپ مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ رب العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے۔ ست دنوں لگاتار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن، بایں ہمہ بے اختیاری و بے بسی کا عالم یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذات قادر سے اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی رب قدیر سے!

۷۔ اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں اللہ رب العزت کے لئے قدرت و غنا اور اپنے لئے فقر و بے اختیاری بیان فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی چنانچہ آپ نے حکم دیا اور منبر عیدگاہ میں رکھ دیا گیا۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تکبیر و تحمید بیان کی پھر فرمایا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے نیاز ہے اور ہم محتاج ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی۔۔۔ پھر آپ نے منبر سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پس اللہ نے بادل بھیج دیا، بجلی کڑکی اور بارش پھر اللہ کے حکم سے

بارش شروع ہوگئی یہاں تک آپ اپنی مسجد نبوی تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ نالے بہنے لگے جب آپ نے لوگوں کو جلدی سے مکانوں کو جاتے دیکھا تو آپ خوب ہنسے، اور فرمایا۔

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ المصابیح باب الاستسقاء)	میں گواہی دیتا ہوں کہ بالیقین اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کو خیر و شر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔

٨۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ۔	الٰہی! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ

چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔ (مستدرک حاکم جلد اول ص ٥٢٥)

٩۔ معطی اللہ ہے اور حضرت قاسم

بروایت حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح باب رزق الولاۃ)	نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ

کا حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! توحید کی حقیقت کتنی کھلی کھلائی جا رہی ہے اگرچہ بظاہر مال و دولت آپ ہی دے رہے ہیں مگر ساتھ ہی فرما رہے ہیں کہ یہ منع و عطاء درحقیقت من جانب اللہ ہے، میں تو صرف ایک واسطہ ہوں جس کے لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اسے دیتا ہوں اور جہاں اللہ نہ دینے کا حکم دیتا ہے نہیں دیتا۔ تو رسول کی حیثیت صرف واسطہ و وسیلہ کی ہے حقیقت میں منع و عطاء ذات پاک رب العزت ہے۔

١٠۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ متفق علیہ ۔۔۔ ۱

اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں، اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اس دولت کی طرح علم و فہم بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ تو صرف قاسم ہیں وہ تو اپنی ساری امت کو وحی الٰہی کی برابر تبلیغ فرما دیتے ہیں۔ مگر مراتب علم و فضل میں کوئی فرق ہے، کوئی زیادہ عالم و فاضل ہے فقیہ و مجتہد ہے کوئی کم ۔۔۔

خدا کی دین ہے وہ جس کی بہتری چاہتے ہیں اسے دین و علم کا فہم و تفقہ دے دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صاحب مشکوٰۃ کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر کتاب العلم میں روایت کیا ہے اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سیاق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم اور فہم مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، دینے والا اللہ ہی ہے میں تو صرف بانٹتا ہوں یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں باقی رہی ان کی سمجھ سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔

بار لوگوں نے اسی حدیث پاک سے آنحضرت نبی کریم ﷺ کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اسی ارشاد رسول ﷺ سے خود آپ کے ملک و اختیار کی نفی واضح ہے چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا حَالَ حَيٰوتِهِمْ كَمَا اَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُوْنَ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ وَلَا اسْتِدْلَالَ بِهٰذَا

بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار

ــــــــــ

۱ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری ظاہر ہے کہ اپنا بچاؤ اور تحفظ بھی آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور دشمنوں سے اللہ ہی آپ کو بچاتے ہیں

۱۲۔ اَفْقَرُ اِلَی اللّٰہ

رزین [illegible] دمشقی ۵۲۳ھ نے روایت کی ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں حضور بھی صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں وغیرہ اٹھا رہے تھے چنانچہ آپ کے ہاتھ میں اینٹ تھی ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا۔

اِذْهَبْ فَخُذْ غَيْرَهَا فَلَسْتَ بِاَفْقَرَ اِلَى اللّٰهِ مِنِّي ..... [1]

جاؤ تم دوسری اینٹ اٹھا لاؤ تم مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

سبحان اللہ! رحمۃ للعالمین ہیں، امام المرسلین ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں مگر رب العزت کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کوئی دوسرا، تو کیا افتقار و احتیاج میں مختار کل ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ دعا

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت بارگاہ رب العزت میں طالب دعا رہتے تھے، اسی کتاب کے گزشتہ صفحات میں آپ کی دعاؤں کا کچھ حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ہر وقت دعا، صبح و شام، رات دن دعا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا۔ سفر پر جاتے، گھر سے نکلتے، واپس آتے دعا۔ وضو اور نماز کے بعد دعا، نماز کے اندر دعا، یا ہر دعا ہر وقت، ہر مجلس میں خلوت و جلوت میں اللہ سے دعا، حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا، غرض آپ کی پوری حیات طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصل و اساس ہی دعا کرنے والے کی بے اختیاری ہے، مجبوری و لاچاری ہے۔ اگر اختیار و اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور جب ہر وقت دست طلب دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعا تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء ج اوّل ص [illegible]۔ وفاء الوفاء تاریخ مدینہ طیبہ پر علامہ سمہودی کی چار جلدوں پر مشتمل بے نظیر کتاب ہے۔ مولانا ابو الحسن علی بن احمد السمہودی المصری المدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے مفتی، مدرس اور مورخ تھے۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۔ شفاعت | شفاعت کے معنی ہیں سفارش کسی کا کسی کے لئے سفارش کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر مجھے کسی بات کا خود اختیار ہے تو میں اس کے متعلق کسی دوسرے کو سفارش کیوں کروں گا۔ وہ کام خود ہی کیوں نہ کروں گا۔ تو شفاعت کا منشاء بے بسی و بے اختیاری ہے۔ اگر نبی کریم کی شفاعت مسلّم ہے تو آپ کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ کے مختارِ کل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا۔ شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں؟

خلاصہ | قرآن کریم میں ۱۱ مقامات پر اور سنت رسول سے ۱۳ مقامات پر کل ۲۴ بار ثابت ہے کہ نبی کریم امام المرسلین کو نفع و نقصان کا ملک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی و بے اختیاری کے ان ۲۴ چوبیس شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختارِ کل ہونے کا اعتقاد باقی برابر جاری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے ذیل مقامات سے دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے اختیاری ثابت ہو چکی ہے۔ امام المرسلین سید الانبیاء سمیت تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی چھپن ۵۶ نصوص کتاب و سنت سے مطلق بے اختیاری ثابت

سنتِ رسول سے کل اختیار و قدرت خاصۂ خدا ہونے

اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلق نفی کا بیان!

کتاب اللہ کے بعد سنت رسول سے بھی یہی ثابت ہے کہ قدرت کاملہ و اختیارِ کلی خاصۂ خدا ہے۔ احادیث نبوی میں نہایت صراحت و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور خود بھی اس

[illegible]

وسلّم کے اللہ والوں پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان وظائف کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً:۔

حضرتؐ کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ

۱۔ بروایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیہ)[1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، الٰہی! جو تو عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو منع کر دے کوئی نہیں دے سکتا اور تیرے سامنے کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی۔ یا تیری بارگاہ میں کسی عزت والے کو اس کی عزت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

ایک مرد مومن حضرتؐ کی سنت کے اتباع میں ان صفات ربانی کا اظہار پانچ وقت کرتا ہے کہ جب اس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جب ملک دنیا بھی اسی کی ہے تو منع و عطاء کی دو صفتوں میں بھی وہ واحد و لاشریک ہے وہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔

اللہ رب العزت کے اقتدار و اختیار کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی کا کیا موثر انداز ہے۔

صبح وشام کا وظیفہ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے صبح وشام کا ورد وظیفہ فرمایا ہے:۔

۲۔ بعض بنات النبیؐ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ صبح وشام کہا کریں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کوئی زور و قوت نہیں جو اللہ چاہے وہی ہوگا اور جو وہ نہ چاہے وہ نہ ہوگا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

فرمایا جو شخص صبح کو یہ کہے وہ شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو یہ کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ [1]

تو مسلمان کا صبح و شام کا وظیفہ یہی ہے کہ علیٰ کل شیء قدیر اللہ رب العزت ہے اور علم کل شیء محیط و بسیط بھی اسی کی شان ہے۔

دن بھر میں سو بار

۳۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرمایا جس نے دن میں سو بار پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور یہ سارا دن اس کے لئے شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے یہاں تک کہ شام ہو جائے وَلَمْ يَأْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ۔ متفق علیہ۔ [2] اور اس سے کوئی شخص بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے ان کلمات کو اس سے بھی زیادہ پڑھا۔

سبحان اللہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی الوہی صفات کا ورد و وظیفہ کرنے والے کے لئے کتنا اجر و ثواب ہے۔

۴۔ اور حضرت ابو عیاشؓ کی روایت میں ہے فرمایا جس نے صبح کو کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس کے لئے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں گرا دی جائیں گی، اور اس

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء۔
[2] " " ثواب التسبیح۔۔۔۔

کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا
اور اگر شام کو یہی کلمات کہے گا تو یہی اجر ملے گا۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)[1]

صرف انہی وظائف پر بس نہیں بلکہ اس کتاب کے صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳ پر بھی وہ (۴۴) احادیث پاک پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ مطلقہ سے متعلق اذکار اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ ان احادیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیا جائے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اسلام کا چوتھا کلمہ تمجید ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اس کلمہ پاک کا ایک حصہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس کے معنی ہیں نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے۔ گویا جس مضمون کو قرآن کریم میں عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سے بیان فرمایا گیا ہے نہ صرف اس مضمون کو حدیث پاک لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں بیان فرمایا گیا ہے بلکہ غیر اللہ سے قدرت و طاقت کی نفی مستزاد ہے۔ قدرت و طاقت اور قوت کا سرچشمہ صرف ذات پاک رب العزت ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کسی کو قدرت و طاقت حاصل ہے نہ قوت۔ تو اس اعتبار اور ان الفاظ میں بھی قدرت و اختیار کو اللہ تعالیٰ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔ اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ اب دیکھئے یہ اذکار ورد النبی الامی نبی کریم ﷺ کے وظائف میں شامل ہیں۔

گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ

۱۔ بروایت حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تھے تو یہ کہتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَلتُّكْلَانُ عَلَى اللّٰهِ[2]

اللہ کے نام کے ساتھ اور قدرت و طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے اور اللہ کے سپرد ہوں۔

۲۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے اور کہے:

---

[1] مشکوٰۃ باب ما یقول عند الصباح والمساء [2] ابن ماجہ باب ما یدعو به الرجل اذا خرج۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ | اللہ کے نام کے ساتھ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں قدرت اور طاقت و قوت اللہ کے سوا نہیں ہے۔

تو بذریعہ فرشتہ اسے جواب دیا جاتا ہے تو ہدایت دیا گیا، اور کفایت کیا گیا اور تو محفوظ ہو گیا۔۔۔۔۔ (ابوداؤد، ترمذی) [1]

ہر وقت کا وظیفہ

لا صرف گھر سے نکلتے وقت بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر وقت کا وظیفہ قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا۔

۷- أَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ (ترمذی) | لاحول ولا قوۃ۔۔۔ کثرت سے پڑھا کرو یہ جنت کا خزانہ ہے۔

۸- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عبد اللہ بن قیس کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں، میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا۔
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (متفق علیہ) [2]

۹- حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

كُفِّرَتْ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ [3] | اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے خواہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

۱۰- بروایت ابوہریرہؓ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ دَاءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ | لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے معمولی غم والم ہے۔

۱۱- انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمہ نہ بتلاؤں۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات۔ [2] مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح۔
[3] مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح۔ [4] مستدرک حاکم، جلد اول ص ۵۴۲ کتاب الدعاء

پہنچا سکتی ہے۔ نہ نقصان، نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصۂ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو عزم کے ساتھ دعا مانگے۔
اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهٗ۔ بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔ (صحیح بخاری) سلہ

ساری دنیا پر اس کی مشیت و قدرت غالب ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادر مطلق پر دباؤ ڈال سکے۔ زبردستی کر سکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یَفْعَلُ مَا يَشَآءُ

تو کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول سے بھی اسی حقیقت کا واضح اثبات ہوا کہ قدرت و اختیار خاصۂ خدا ہے۔ نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔

آثار صحابہؓ و اقوال سلف

کتاب و سنت کے بعد اب حضرات صحابہؓ و اولیاء کے آثار و اقوال سے اللہ رب العزت کے لئے اختیار و قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی ملاحظہ ہو۔

حجر اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب!

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور حجر اسود سے فرمایا۔

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ (متفق علیہ) سلہ

میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

سلہ معارف السنۃ جلد دوم حدیث نمبر ۶۳۹۔

سلہ مشکوٰۃ المصابیح باب دخول الکعبہ، مظاہرات نیز مشکوٰۃ امام مالک باب تقبیل الرکن الاسود، ابوداؤد باب فی تقبیل الحجر، ترمذی باب فی تقبیل الرکن میں بھی یہ روایت ہے۔

من تحت العرش من كنز الجنة لا حول ولا قوة الا بالله۔ رواه البيهقي في الدعوات الكبير ..... [1]

جو تحت العرش جنت کا خزانہ ہے اور وہ عرشی و جنتی خزانہ ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔

صبح و شام گھر سے نکلتے وقت اور ہر وقت کا وظیفہ جنت کا اور تحت العرش خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔ اس کی عظمت کا سارا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی ہے۔

اللہ کے حکم کے خلاف ساری دنیا مل کر نفع نقصان نہیں دے سکتی

۱۴۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ دارین میں تمہاری حفاظت کریگا اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر، اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ

اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ (تقدیر کے قلم اٹھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے) (رواہ احمد والترمذی)[2]

سبحان اللہ! سوال کرنا، دعا کرنا، مدد طلب کرنا یہ اللہ ہی کی ذات سے لازم ہے ساری دنیا مل کر بھی اللہ کی مشیت اور تقدیر الٰہی کے خلاف کسی کو نہ کوئی فائدہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب التسبیح

[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب التوکل والصبر

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بحوالہ دارقطنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [۱]

ایک عظیم و مسلم تجربہ ہے۔ شعائر میں داخل ہے۔ اسی لیے دنیا سے کب ثابتہ و معمول صحابہؓ ہو وقت ہے۔ جو حضرات تجھیں ان کے نافع و ضار ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تاکہ کوئی ان کی عظمت کی وجہ سے انہیں نفع نقصان کا مالک نہ سمجھنے لگ جائے۔

حضرت محبوب سبحانی کا ارشاد

سرخیل صلحاء امت امام الاولیاء سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ اور الفاظ مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کس درجہ مشابہ ہیں۔

۱۔ وان الخلائق لو جهدوا ان ينفعوا المرء بما لم يقضه الله تعالى لم يقدروا عليه ولو جهدوا ان يضروه بما لم يقضه الله تعالى لم يستطيعوا كما ورد في حديث ابن عباس وقال تعالى وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو

۲۔ آپ کی مرض وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبد الوہاب رحمہ اللہ نے آپ سے وصیت کی استدعا کی تو فرمایا۔

وصيتك بتقوى الله عز وجل لا تخف احدا سوى الله ولا ترج احدا سوى الله وكل الحوائج الى الله ولا تعتمد الا عليه واطلبها جميعا منه تعالى ولا تثق باحد غير الله سبحانه التوحيد التوحيد اجماع الكل۔ [۲]	اپنے اوپر خدا کے تقویٰ کو لازم رکھو اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ کسی سے امید رکھو تمام حاجتیں اللہ کو سونپ دو اس کے سوا کسی پر بھروسہ کرو سب کچھ اسی سے طلب کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔ توحید پر قائم رہو کہ توحید سب کا اجماع ہے۔

شیخ المشائخ ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء فصل فیما ورد من ... [۲] فتوح الغیب ... جلد اول فصل بیان مذہب [۳] تحفہ ... الطیب

۳۔ لا يملك معه أحد شيئا في ملكه أحد شيئاً لا ضار ولا نافع ولا دافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلي ولا معافي ولا مصح فلا تشتغل بالخلق لا في الظاهر ولا في الباطن فإنهم لن يغنوا عنك من الله شيئاً۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ملک و اختیار میں کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں اللہ کے سوا کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع نہ کوئی تکلیف دفع کرنے والا ہے نہ کوئی بھلائی کرنے والا، نہ کوئی بیمار کرنے والا ہے نہ کوئی آزمائش میں ڈالنے والا اور نہ کوئی صحت دینے والا ہے نہ کوئی نجات دینے والا۔ لہٰذا مخلوق میں مشغول نہ ہو نہ ظاہراً نہ باطناً کیونکہ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔

اللہ اللہ! اقلیم علم و تصوف کے اس تاجدار نے کس زور دار انداز اور دلنشیں الفاظ میں اللہ رب العزت کی قدرت و اختیار کے اثبات کے ساتھ ساری مخلوق تمام ماسوی اللہ کے اختیار کی مطلق نفی فرمائی ہے۔

مگر آہ! آج جو نئے مدعیانِ تصوف غیر اللہ کے لئے اختیار ثابت کرتے اور انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ان تاجدار اِن اقلیم ولایت وصدر نشینانِ مسند تصوف کے مقابلے میں ان کی بے سند و بے دلیل بات ایک بڑ سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے!

سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ وغیرہ جن	کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے

سات مظلوم و مقہور آقائین سابقین اصحاب رسول کو خرید کر آزاد فرمایا، ان میں ایک مظلومہ صحابیہ حضرت زنیرہؓ بھی تھیں۔

اے اصیبت بصرھا حین اعتقھا فقالت قریش ما اذھب بصرھا الا

جب انہیں خرید کر آزاد کیا گیا تو ان کی بینائی جاتی رہی، قریش کہنے لگے اس

[1] فتوح الغیب، مقالہ ۲۰۔

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ ذکر فرماتے ہیں۔

وَ اَمَّا الْمُفَوِّضَۃُ فَہُمُ الْقَائِلُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَوَّضَ تَدْبِیْرَ الْخَلْقِ اِلَی الْاَئِمَّۃِ وَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَقْدَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی خَلْقِ الْعَالَمِ وَ تَدْبِیْرِ الْخَلْقِ وَ اِنْ کَانَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا وَ کَذٰلِکَ قَالُوْا فِیْ حَقِّ عَلِیٍّ ۱

مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے امور کی تدبیر ائمہ کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق عالم اور تدبیر کائنات پر قادر فرما دیا ہے۔

اور دنیا کی کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں کی، اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہتے ہیں (کہ خلق و تدبیر عالم اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا)۔

ذاتی نہ، بلکہ عطائی

مفوضہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی کریم ﷺ یا حضرت علیؓ کو ذاتی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے انہیں خلق و تدبیر عالم کے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ اسی طرح کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشرکین کا بھی اپنے معبودوں سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی و حاجت روائی پر ذاتی طور پر قادر ہیں۔ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح و مقبول بندوں کو صفات ذاتی میں عطائی طور پر شریک مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں، بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کرا سکتے ہیں۔

گویا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کے حق میں جانب اللہ تعالیٰ ملک و قدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طواف کرتے وقت کہتے تھے لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ہُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ ۔۔۔۔ ۲

یعنی مشرکین کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی

---

۱ غنیۃ الطالبین حصہ اول فصل اصناف الرافضۃ۔ ۲ صحیح مسلم باب التلبیہ

شریک نہیں مگر وہ آپ کا شریک (مقدور) ہے جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔

تو وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی ملک و قدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار و اقتدار کے قائل تھے مگر ذاتی طور پر انہیں قادر و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

اِعْلَمُوْا اَنَّہٗ لَیْسَ فِی الْعَالَمِ اَحَدٌ یُّثْبِتُ لِلّٰہِ شَرِیْکًا یُّسَاوِیْہِ فِی الْوُجُوْدِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْعِلْمِ وَالْحِکْمَۃِ وَھٰذَا مِمَّا لَمْ یُوْجَدْ اِلَی الْاٰنَ [1]	جان لو کہ سارے جہان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتا ہو جو وجود قدرت اور علم و حکمت میں اللہ کے برابر ہو اور ایسا عقیدہ اس

وقت تک (دنیا میں کہیں) موجود نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی صفات (قدرت علم اختیار و ملک) جو بھی ہیں ذاتی ہیں۔ اس طرح ذاتی صفات کا مالک دنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا انہوں نے اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ملک و قدرت اور علم و حکمت عطا کی ہے۔ مالک حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ان (مشرکین) میں سے بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ بیشک آقا اور مدبر تو اللہ ہی ہے

لٰکِنَّہٗ قَدْ یَخْلَعُ عَلٰی بَعْضِ عَبِیْدِہٖ لِبَاسَ الشَّرَفِ وَ الْتَّأَلُّہِ وَیَجْعَلُہٗ مُتَصَرِّفًا فِیْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ الْخَاصَّۃِ۔	لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا

ہے .... اس وجہ سے ایسے اشخاص کو بیٹا (ابن خدا) یا (عباد اللہ) کہنے کی لوگوں کو رغبت نہیں ہوتی وہ ان کو ابن اللہ اور محبوب اللہ کہتے ہیں اور اپنا نام ایسا رکھتے ہیں جن میں ان کا عبد (غلام) ہونا ظاہر ہو جیسے عبد المسیح اور عبد العزیٰ وغیرہ۔

---

[1] تفسیر کبیر جزء ۲ ص ۱۱۲ [2] تفہیمات ج ۱ [illegible] حجۃ اللہ البالغۃ [illegible]

ارشادِ خداوندی اور اعلانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۸

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝

تو کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو ہی پکارتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دے کہ مجھے تمہارے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں۔

ہو سکتا ہے کہ خصم ہمارے اس استدلال کو صحیح تسلیم نہ کرے۔ اس لئے ابن کثیرؒ کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ مضمون مستحکم ہو جائے اور بات ثابت ہو جائے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیرؒ اردو ۲۹/۱۱۴ پ میں ہے کہ

"جب دعوتِ حق اور توحید کی آواز مشرکین کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی۔ تو ان کفار نے ایذا رسانی مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی۔ اور حق کو مٹا دینا چاہا۔ اور رسولؐ کی عداوت پر اجماع کر لیا۔ اس وقت ان سے رسولؐ نے کہا کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت میں مشغول ہوں۔ میں اسی کی پناہ لئے ہوں۔ اسی پر میرا توکل ہے۔ وہی میرا سہارا ہے۔ مجھ سے ہرگز یہ توقع نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں۔ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ میں تو خدا کا ایک غلام ہوں۔ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ تمہاری ہدایت و ضلالت کا مختار و مالک نہیں ہوں۔"

پہلی صدی کے اہل سنت کا مذہب

صاحب سنت اور صاحب نبوۃ ﷺ کا اپنا مذہب

قل انی علی بینة من ربی وکذبتم به ما عندی ما تستعجلون به ان الحکم الا للہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین قل لو ان عندی ما تستعجلون به لقضی الامر بینی وبینکم ! (پ)

اے محبوب فرما دیجئے بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف سے با دلیل ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ فیصلہ تو خدا کا ہوتا ہے۔ وہ سچی بات بتلاتا ہے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے کہہ دیجئے اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کا تم تقاضا کرتے ہو۔ تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ !

حضرت نے توحید بیان فرمائی۔ مشرکوں نے مخالفت کی۔ حضرت نے عذاب الٰہی کا ڈراوا دیا۔ مشرکوں نے عذاب کی تمنا کی۔ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ عذاب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے حضرت کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور کو اس کا اختیار حاصل نہیں تھا کہ جب چاہیں کسی کو عذاب دیں اور جب چاہیں کسی کو بچالیں۔ یہ سب امور خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں

ہیں اور رہیں گے

دوسری صدی کے علماء کا مذہب

کعب احبار کا مذہب

قال الله في التوراة
انا الله فوق عبادي
وعرشي فوق جميع
خلقي وانا على عرشي
أدبّر امور عبادي
لا يخفى علي شيء من
امر عبادي في سمائي
ولا ارضي والي مرجع
خلقي فانبئهم بما خفي
عليهم من علمي اغفر
لمن شئت منهم بمغفرتي
واعاقب من شئت بعقابي

خدا تعالیٰ نے توریت میں فرمایا ہے
کہ میں خدا ہوں، اپنے بندوں سے
اوپر ہوں اور میرا عرش ساری مخلوق
سے اوپر ہے اور میں عرش پر غالب
ہوں، اپنے بندوں کے کاموں کی
تدبیر کرتا ہوں، مجھ سے کوئی چیز مخفی نہیں
ہے میرے بندوں کے امور میں سے
خواہ وہ آسمانوں پر ہو یا زمین پر۔
میری طرف خلق کا رجوع ہے۔ پس
میں ان کو خبر دوں گا جو کچھ کہ ان پر میرے
علم سے مخفی ہے، پس جسے چاہوں گا
بخشوں گا اور جسے چاہوں گا عذاب دوں گا

(اجتماع الجیوش الاسلامیہ صفحہ ۱۱)

طرزِ استدلال:- یہ تصریح کی گئی ہے کہ تدبیر اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی شان ہے

تیسری چوتھی صدی کے علماء کا مذہب

تفسیر ابن جریر ص ۸۲ ج ۱ میں ہے:-

فقال ذیل الآیة اذا الذی قلتم یا محمد! ان فی ملک السموات والارض و سلطانهما دون غیری احکم فیهما وفیما بینهما ما اشاء وآمر فیهما وفیما بینهما ما اشاء.

پس مطلب یہ ہے کہ اے محمد! کیا آپ نہیں جانتے کہ میرے لئے آسمانوں اور زمین کا ملک ہے اور ان کی سلطنت صرف مجھے حاصل ہے۔ اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ان میں جو چاہتا ہوں میں حکم کرتا ہوں

حتی قال فی صفحة ۴۸۳

انا المنفرد بولایتکم و القائم علیکم والمتوحد بنصرکم بعزتی وسلطانی ا

میں تمہاری ولایت میں اور تم سے دفاع میں اکیلا ہوں۔ میں اپنے غلبے کے ساتھ تمہاری امداد پر متوحد ہوں

پانچویں چھٹی صدی کے اہل سنت علماء کا مذہب

فمن الذی یقدر ان یدفع من مراده ومقدوره وقوله فمن یملك من الله شیئا ای فمن یملك من افعال الله شیئا والملك هو القدرة یعنی فمن الذی یقدر علی دفع شیئ من افعال الله تعالی و منع شیئ من مراده (التفسیر الکبیر ص ۳۸۵ ج ۲)

پس کون قادر ہے جو کہ اس کی مراد اور مقدور سے دفع کرے یعنی کون مالک ہے خدا کے کاموں میں سے کسی چیز کا ملک کا معنی قدرت ہے۔ یعنی پس کون خدا تعالیٰ کے افعال میں سے کون دفع کرنے پر قادر ہے۔ اور اس کی مراد روکنے پر قادر ہے۔ !

ساتویں آٹھویں صدی کے علماء اہلسنت کا مذہب

فلہ ملک السموت و الارض یعنی انہ تعالی یملک ذلک فلا شریک لہ فی ذلک فیعطاء فدارضا ھو الذی یملک المغفرۃ لمن یشاء والتعذیب لمن یشاء وفیہ دلیل علی انہ تعالی لا ولد لہ لان من یملک السموت والارض یستحیل ان یکون لہ شبیہ من خلقہ او شریک فی ملکہ (تفسیر خازن ج ۴ ص ...)

بلاشبہ خدا تعالے ہی اس کا مالک ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کے برابر ہو سکے۔ وہ بخشش دینے کا بھی مالک ہے اور عذاب دینے کا بھی۔ اور اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ خدا تعالے کا بیٹا نہیں ہے، اس لئے کہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس کے لئے محال ہے کہ اس کا کوئی شبیہ مثال ہو جو اس کی مخلوق ہے اور شریک ہو اس کے ملک میں۔!

علامہ بیضاوی ۶۸۵ھ کا مذہب

پہلی عبارت

بانہ تعالی مالک الملک علی الاطلاق فلہ ان یوتیہ من یشاء بانہ واسع الفضل یوسع علی الفقیر ویغنیہ علیم بمن یلیق بالملک (بیضاوی ج۱ ص ... مجتبائی)

بلا تقیید خدا تعالے مالک ہے جسے چاہے عطا کر دے وسیع الفضل ہے فقیر کو غنی بنا دیتا ہے اسے خبر ہے کہ یہ چیز کس کے لائق ہے کہ اس نے اسے غنی بنائے

دوسری عبارت!

هذه الآية مشتملة على مهمات المسائل الالهية فانها دالة على انه موجود واحد في الالهية متصف بالحيوة واجب الوجود لذاته موجد لغيره اذ القيوم هو القائم بنفسه المقيم لغيره منزه عن التحيز والحلول مبرء عن التغير والفتور لا يعتريه ما يعتري الارواح مالك الملك والملكوت مبدع الاصول والفروع واسم الملك والقدرة كل ما العيون ملك وهو العليم (تفسیر بیضاوی)

یہ آیت الہیات کے بنیادی مسائل پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہ آیت دلالت کر رہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ یہ جانا بلا کیف موجود ہے۔ ذاتی طور پر اس کا ہونا ضروری موجد لغیرہ ہے۔ جوہر ہونے کی طرح مکانیت سے پاک ہے۔ کسی لی نفسی کہ رنگ بدلنے سے بھی پاک ہے۔ تغیر فتور سے بھی پاک ہے۔ ارواح کی طرح اسے کوئی چیز عارض نہیں ہوتی۔ مالک الملک والملکوت ہے۔ اصول وفروع کا موجد ہے ملک اور قدرت اس کی وسیع ہے

نویں دسویں صدی کے علماء اہلسنت کا مذہب

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر جلالین میں رقمطراز ہیں۔

بیدک تالک الخیر والشر!

تیری قدرت کے ہاتھ خیر و شر ہے!

☆ ☆

گیارہویں صدی کے علماء اہلسنت کا مذہب

له التصرف في السموات و الارض بالايجاد والاختراع ونفوذ الامر في جميع مخلوقاته ۔
(تفسير فتح القدير)

ایجاد و اختراع کے ساتھ زمین و آسمانوں میں اسی کو تصرف کا حق ہے۔ اسی طرح اپنی جمیع مخلوقات میں حکم کے نافذ کرنے کا حقدار ہے۔!

بارہویں تیرہویں صدی کے علماء اہلسنت کا مذہب

له وحده الملك جميع الموجودات والتصرف المطلق فيها ايجادا واعداما واحياء واماتة لا احد سواه استقلالا ولا اشتراكا ۔
(تفسير روح المعاني پ ۲)

جمیع موجودات کا ملک خاص خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور تصرف مطلق بھی موجود و معدوم کرنے کا، زندہ کرنے اور مارنے کا۔ کوئی اس کے سوا اس کا حقدار نہیں ہے نہ استقلالاً اور نہ اشتراکاً۔!

چودہویں صدی کے علماء اہل سنت کا مسلک

گزشتہ تفسیروں کی طرح تفسیر مظہری میں بھی وہی عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے جو معلوم ہوا کہ چودہ سو سال کے علماء اہل سنت حیات و ممات کا مالک نفع و نقصان کا مالک مدبر فی الامور اور مختار فی الافعال صرف خدا تعالیٰ کو

کو سمجھتے ہیں۔ اس صفت میں کسی کو بھی شریک نہیں سمجھتے، خواہ وہ چھوٹا ہو، یا بڑا۔ مگر افسوس کہ آج کل کے رسمی طور پر اہل سنت کہلانے والے چودہ سو سال کے علماء اہل سنت، نیز قرآن و حدیث مبارکہ کے خلاف ایک مذہب وضع کرکے اس کے پروپیگنڈے میں مست ہیں۔

اہل بدعت کے چند مغالطے اور انکے جوابات

پہلا مغالطہ اور اسکے جوابات

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (پ ۲۶)	بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو وہی اختیارات حاصل ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کو ہیں۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے حضور کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔

جواب نمبر ۱:۔ اس آیت میں کلی اختیارات کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔ ورنہ اپنے اختیار سے حضرت کریم حضرت عثمانؓ کو فوراً منگوا لیتے۔ نیز لوگوں کی جھوٹی افواہ پر اعتبار کرکے (کہ حضرت عثمانؓ قتل کئے گئے ہیں) صحابہ کرامؓ کو قربان ہو جانے پر بیعت نہ فرماتے۔ نیز صلح حدیبیہ کے وقت مشرکین کے متعدد شرائط تسلیم نہ فرماتے۔

جواب نمبر ۲:۔ ید اللہ کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے اسلئے کہ ید اللہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کے ہاتھ کو نہیں فرمایا گیا،

بلکہ ایک بشارت دی گئی ہے کہ جن کے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں لگتے ہیں وہ مجبور نہیں کہ ان کے ہاتھ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں آ گئے ہیں۔
لہٰذا ہاتھ دینے والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد پہ پختہ رہیں۔

جواب ۳:- جس طرح قرآن مجید میں اطاعت رسول مقبولؐ کو اطاعت اللہ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ ہیں۔ عین اللہ نہیں ہیں۔ اسی طرح عہد بالرسول کو عہد باللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یداللہ فوق ایدیہم کا مطلب معتبر تفاسیر کی روشنی میں

اب ہم معتبر تفسیروں کی عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ اہل بدعت کا یہ استدلال کسی بھی معتبر تفسیر میں موجود نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جو مطلب اہلسنت والجماعت کے خلاف ہو۔ وہ یقیناً ناقابل قبول ہے۔

چنانچہ علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۱ میں لکھا ہے

يد الله نعمة الله عليهم!	ید اللہ سے مراد نعمت اللہ ہے۔ جو کہ ان پر ہوئی!
نصرته اياهم اقوى واعلى من نصرتهم اياه - !	خدا تعالیٰ کا ان کی امداد کرنا اقوی اور اعلیٰ ہے۔ ان کی نصرت سے جو انہوں نے خدا کے دین کی کی ہے

اب ذرا صاحب روح المعانی کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے

تفسیر ابو السعود کی تحقیق

ان اللہ فوق ایدیہم والمعنی
ان عقد المیثاق مع الرسول
کعقدہ مع اللہ من غیر تفاوت
کقولہ تعالیٰ من یطع الرسول
فقد اطاع اللہ وقس علی ما
یبایعون اللہ ای لاجلہ
ولوجہہ۔!
(تفسیر ابو السعود برحاشیہ تفسیر کبیر)

معنی یہ ہے کہ بلاشبہ عقد میثاق
جو حضرت کے ساتھ کیا گیا ہے
یہ ایسا ہے، جیسا کہ خدا کے ساتھ
کیا جائے جیسا ہے کہ جو حضور
کی اطاعت کرتا ہے۔ پس
اس نے خدا کی اطاعت کی۔
لیے یہ سبب بن گیا خدا کے
ساتھ عہد کا۔!

دوسرا مغالطہ اور اسکے جوابات!

وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی! (پ ۹)

اور نہیں پھینکا آپ نے جس وقت پھینکا ہے لیکن خدا نے پھینکا ہے!

طرز استدلال:۔ جنگ بدر میں حضرت کریم نے ایک مٹھی مٹی کی لیکر دشمنوں کی طرف پھینکی تھی۔ جو کہ سب دشمنوں کی آنکھوں میں جا پڑی اس پر پروردگار عالم نے فرمایا کہ آپ نے نہیں پھینکی اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔ معلوم ہوا کہ فعل رسول فعل اللہ ہے۔ اور جب یہ مقام حضور علیہ السلام کو حاصل ہوا تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کے سارے اختیارات بھی آپ کو حاصل ہیں۔

جواب ۱:۔ بظاہر بشری طاقت کے خلاف تھا کہ ایک مٹھی بھر

منی سب تک پہنچ جائے ۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو تائید ایزدی حاصل تھی اس لئے پروردگار عالم نے حضرت کے فعل کو ان کی استطاعت تک محدود نہ رکھتے ہوئے آپ کی رمی کو کالعدم قرار دے کر اپنی تائید کو اظہار فرمایا کہ پھینکنا آپ کا کام تھا اور سب کی آنکھوں میں ڈال دینا میرا کام تھا تو اس میں فعل رسول خدا کو فعل خدا قرار دے دیا گیا ہے ۔ اور نہ کسی احتیاج کے حصول کی طرف اشارہ ہے ۔ اس لیے خواہ مخواہ پیچ و تاب کھا کر مطلب گردی کی خاطر قرآن مجید کے نصوص کو بدل دیا جائے تو اس جیسا ظلم اور کوئی نہیں ہے؟

جواب ۲ :- یہ طریقہ قرآن مجید میں عام طور پر موجود ہے کہ کوئی بھی جہاں سے قرآن مجید میں مداخلت کرتا ہے تو قرآن مجید اسی سطر میں یا اسی رکوع میں اس کی سرقت کو بے نقاب کر دیتا ہے ۔

چنانچہ یہاں بھی قرآن مجید نے اہل بدعت کے حیلوں ، بہانوں کو خوب بے نقاب کیا ہے جبکہ اسی آیت کے ابتدا میں موجود ہے ۔

فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم !	اے صحابہ کرام! تم نے ان مشرکوں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے ۔ !

چونکہ صحابہ کرام کی تعداد قلیل تھی اور کفار کی تعداد کثیر تھی ۔ اس لئے اظہار نعمت کے طور پر مالک کائنات نے فرمایا کہ اے صحابہ کرام! جنگ کرنا تمہارا کام تھا اور قتل کرنا میرا کام تھا ۔

پس جس طرح وہاں رمی رسول کو رمی خدا قرار دیا گیا ہے یہاں بھی صحابہ کرام کے جہاد کو جہاد خداوندی قرار دیا گیا ہے ۔ اہل تفسیر حضرات جانتے ہیں کہ نہ تو یہاں صحابہ عین خدا اور نہ وہاں رسول مقبول عین خدا ہے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نذر لغیر اللہ حرام ہے
قرآن وحدیث کا فیصلہ

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل وخاتم الانبیاء

اما بعد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج تھا۔

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰهِ رواہ مسلم [1]	اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور ابوداؤد میں بھی اس مضمون کی روایت ہے۔

کتاب اللہ قرآن کریم میں چار[2] مقامات پر غیر خدا کے لئے ذبح کو حرام فرمایا گیا ہے۔ فرمایا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (پارہ ۲۔ البقرہ رکوع ۲۱)	اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت، اور جو کچھ (بقصد التقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔

۱۔ اُهِلَّ کے معنی لغت میں ہیں۔ چاند دیکھتے وقت لوگوں کا آواز کرنا، بچے کا رونے میں آواز بلند کرنا، تلبیہ کہنے والے کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ کوئی نعمت پا کر اللہ کا ذکر بلند آوازی سے کرنا[3]

۲۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

الاہلال کے اصل معنی چاند نظر آنے پر آواز بلند کرنے کے ہیں پھر یہ لفظ عام آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور آیت وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کے معنی ہیں کہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے[4]

۳۔ "لغات القرآن" ملاحظہ ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصید والذبائح۔

[2] البقرہ رکوع ۲۱، المائدہ رکوع ۱، الانعام رکوع ۱۸، النحل رکوع ۱۵۔ [3] المنجد۔

[4] مفردات القرآن صفحہ ۱۱

اُھِلَّ پکارا گیا۔ اہلال کے معنی اصل میں چاند دیکھتے وقت آواز لگانے اور پکارنے کے ہیں پھر ہر آواز کے متعلق اس کا استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ ولادت کے وقت بچے کے رونے اور حاجیوں کے لبیک کہنے کو اہلال کہا جاتا ہے (آیت میں) اہلال کے وہی لغوی اور عرفی معنی یعنی نامزد کرنا آواز لگانا اور نامزد کرنا مراد ہیں یعنی جس جانور کو بھی اللہ کے سوا کسی غیر کی نذر سے نامزد کیا جائے خواہ وہ عفریت ہو یا جن یا خبیث روح یا پیر یا پیغمبر یا کوئی مکان یا نشان۔ اور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ اس سے ان کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی حاجت روائی کریں گے۔ سو وہ جانور حرام اور وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہے اور ایسا کرنے والا مشرک اور دائرہ توحید سے خارج ہے۔ خواہ وقت ذبح ذبیحہ پر بسم اللہ کہا جائے یا ذکر کیا جائے۔[1]

۳۔ [تفسیر روح المعانی[2] اور در مختار، شامی[3] وغیرہ میں۔ انوار التنزیل[4]، تفسیر ابی السعود اور تفسیر طبری (جلد اول ص ۱۳۶) میں یہی لکھا ہے کہ۔

اہلال کی اصل رؤیت ہلال کے وقت آواز بلند کرنے کے ہیں پھر مطلق رفع صوت پر اس کا اطلاق ہونے لگا تفسیر خازن[5]، فتح البیان[6]، جلالین[7]، مدارک[8]، معالم التنزیل[9]، تفسیر نسفی[10]، قرطبی[11] اور روح البیان (جلد ۱ ص ...) میں ہے:

واصل الاھلال رفع الصوت][12]

لسان العرب میں ہے وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ای نُوْدِیَ علیہ بغیر اسم اللہ وفی الصحاح قولہ تعالیٰ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ای نُوْدِیَ علیہ بغیر اسم اللہ و اصلہ رفع الصوت وکذا فی مختار الصحاح[13] یعنی لسان العرب، الصحاح اور مختار الصحاح میں ہے کہ وما اھل بہ لغیر اللہ کے معنی ہیں جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے۔

۱ے "لغات القرآن" جلد اول ص ۳۱۳۔ ۲ے جلد ۲ ص ۲۴۔ ۳ے جلد اول ص ۵۳۹
۴ے جلد اول ص ۱۱۷ ۵ے جلد اول ص ۹۵ ۶ے جلد اول ص ۲۲۳ ۷ے ص ۲۴ ۸ے جلد اول ص ۹۹
۹ے جلد اول ص ۹۲ ۱۰ے جلد اول ص ۲۰ ۱۱ے جلد ۲ ص ۲۲۳ ۱۲ے القول الفرید ص ۶۶۔
۱۳ے القول الفرید ص ۹۸۔

اکثر تفاسیر اور اہل لغت سے یہی ثابت ہے کہ اہلال کے معنی آواز بلند کرنا ہیں تو وما اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۔ کے معنی ہوئے جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی جو چیز اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نامزد کردی جائے۔

اگر کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے گا تو وہ بھی وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا چنانچہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے قتادہ اور مجاہد سے اور در منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر مَا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ منقول ہے۔[1]

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنیوالا کافر مرتد ہو جاتا ہے

۱۔ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کی تفسیر یہ ہے:۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ: لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِیْحَۃً وَقَصَدَ بِذَبْحِہَا التَّقَرُّبَ اِلٰی غَیْرِ اللّٰہِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِیْحَتُہٗ ذَبِیْحَۃُ مُرْتَدٍّ۔[2]

علماء اسلام نے کہا اگر مسلمان نے کسی ذبیحہ کو ذبح کیا اور اس ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا ارادہ کیا وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہے یعنی اس کا کھانا حرام ہے۔

۲۔ تفسیر غرائب القرآن حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی تفسیر روح البیان اور فتوحات احمدیہ وغیرہا میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں فتوحات اور غرائب القرآن کے سوا باقی تینوں کتابوں میں آخری الفاظ ذَبِیْحَۃُ مُرْتَدٍّ کی بجائے ذَبِیْحَۃٌ مَیْتَۃٌ ہیں یعنی اس کا ذبیحہ مردار ہے۔ فتوحات الاحمدیہ میں یہ الفاظ زائد ہیں لَا یَحِلُّ اَکْلُہٗ یعنی اس کا کھانا حلال نہیں۔[3]

۳۔ محی الدین علامہ نووی دمشقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے نام پر ذبح کرے۔

۱۔ الدرۃ الفریدۃ ص ۱۹ ۔ ۲۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۸ نیشاپوری جلد ۲ ص ۱۲

۳۔ ماخوذ از الدرۃ الفریدۃ ص ۱۹۔

بت کے لئے ذبح کرے یا صلیب کے لئے یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا اسی طرح کسی کے لئے ذبح کرے پس یہ سب حرام ہیں اور ان ذبیحوں کا کھانا حلال نہیں۔

كان الذابح مسلماً أو نصرانياً أو يهودياً

ذبح کرنے والا خواہ مسلمان ہو خواہ نصرانی ہو اور خواہ یہودی۔

اسی پر امام شافعیؒ نے نص کی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ غیر اللہ کی تعظیم و عبادت مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔

فإن كان الذابح مسلماً قبل ذلك صار بالذبح مرتداً [1]

اگر پہلے ذبح کرنے والا مسلمان تھا تو ذبح کرنے سے مرتد ہو گیا۔

جو ذبیحہ بادشاہ۔ حاکم۔ افسر پیر مرشد وغیرہ کی آمد پر ذبح کیا جائے علماء بخارا نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے لانہ مما اُہل بہ لغیر اللہ [2] کیونکہ یہ وما اُہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے مقصد یہ ہے کہ مطلق تعظیم و تقرب کیلئے ذبح کرنا حرام ہے [illegible]

۴۔ فتح البیان اور فتح القدیر جلد اول ص ۱۴۸ میں ہے۔

ومثله ما يقع من المعتقدين للأموات من الذبح على قبورهم فإنه مما أهل به لغير الله ولا فرق بينه وبين الذبح للوثن۔ [3]

فوت شدہ بزرگوں کے ساتھ جاہل معتقدین کا ان کی قبروں پر ذبح کرنے کا یہی حکم ہے بلاشبہ یہ وما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور اس میں اور بت کیلئے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔

۵۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ [4]

وما اُہل بہ۔ ومعنی آں جانورکہ آواز بلند کردہ شد و شہرت دادہ شد در حق آں جانور کہ لغیر اللہ

وما اُہل بہ۔ اور وہ جانور کہ اس کے حق میں آواز اور شہرت دی جائے کہ غیر خدا کے لئے ہے خواہ وہ قبرت

---

[1] نووی شرح مسلم ص ۱۶۰/۲ [2] الدر الفریدہ ص ۹۱ — [3] ... [4] حقانی ص ۲۳۶ الخ

یعنی برائے غیر خدا است خواہ آں
عفریت باشد یا روح خبیث ..... و
خواہ جنیہ مسلط بر خانہ یا سرائے .....
خواہ پیرے یا پیغمبرے را ، ایں ہمہ قسم
جانورے نذر مقرر کردہ میشد کہ ایں
ہمہ حرام است ، در حدیث صحیح وارد
است ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ
بذبح جانور تقرب بغیر خدا تعالیٰ
نماید ملعون است خواہ در وقت
ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چوں
شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں
است ، ذکر نام خدا الوقت ذبح فائدہ
نکرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر
گشت و خبثے در آں پیدا گشت کہ
زیادہ از خبث مردار است زیرا کہ
مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است
و جان ایں جانور را بنام غیر قرار دادہ
کشتہ اند و آں عین شرک است ،
و ہرگاہ ایں خبث در وے سرایت
کرد دیگر بذکر نام خدا وند تعالیٰ حلال
نمی شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام
خدا ذبح شوند حلال نمی گردند ؎

ہو یا خبیث روح ہو ---- خواہ کسی
مکان یا سرائے پر مسلط جن ہو ---- خواہ
پیر یا پیغمبر ہو ان کے نام پر اس طرح
جانور نذر مقرر کر دیا جائے یہ سب
حرام ہے ، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس
نے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کے لئے
ذبح کیا ملعون ہے یعنی جو کوئی ذبح سے
غیر اللہ کا تقرب چاہتا ہے وہ لعنتی ہے
خواہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لے
یا نہ لے کیوں کہ جب اس نے مشہور کر
دیا کہ یہ جانور فلاں (بزرگ) کے لئے ہے
پس اب ذبح کے وقت خدا کا نام لینا
(یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا) بے فائدہ
ہے کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کے نام
نامزد ہو گیا اور اس میں (معنوی) خباثت
پیدا ہو گئی ہے جو کہ مردار کی خباثت سے
زیادہ ہے ، اس لئے کہ مردار نے تو
خدا کے نام کے بغیر جان دی ہے اور
اس جانور کو غیر اللہ کے نام سے نامزد
کر کے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے
اور جب یہ خباثت اس میں سرایت کر
گئی ہے تو پھر اللہ کا نام ذکر کرنے سے
حلال نہیں ہوگا جس طرح کتے اور خنزیر کو اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو
حلال نہیں ہوں گے۔

؎ تفسیر فتح العزیز تفسیر سورۂ بقرہ آیت وما اھل بہ لغیر اللہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے یہی مضمون اپنے فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ میں بھی رقم فرمایا ہے۔

"درحقیقت جان کی قربانی حضرت جان آفرین کا حق ہے، غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا یا ذبح کرنا اسلام میں حرام ہے۔ قرآن کریم میں غیر اللہ کے لئے نذر کردہ جانور کو خنزیر کے گوشت، مردار اور لہو کے ساتھ شمار فرمایا گیا ہے جس طرح کہ خنزیر یا مردار پر کروڑ دفعہ بھی بسم اللہ، اللہ اکبر کہو تو حلال نہیں ہوتا۔ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور ـــــ جیسا ہندو سانڈ یا گائے چھوڑتے ہیں ـــــ یا غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ جانور حرام ہیں، بوقت ذبح ان پر ایک بار نہیں کروڑ بار بھی اللہ کا نام لیا جائے یہ حلال نہیں ہو سکتے"

حاکم وغیرہ کی تعظیم کے لئے ذبح کرنا حرام ہے

شریعت نے اس بارے میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ کسی حاکم اعلیٰ کے آنے پر اس کی تعظیم کے نقطۂ نظر سے ـــــ نہ کہ مہمانی و ضیافت کے طور پر ـــــ اگر جانور ذبح کیا جائے گا تو وہ بھی حرام ہوگا اور اس کا کھانا ناجائز ہوگا۔

ا۔ جامع الرموز صفحہ ۲۲۱، مجمع الانہر جلد ۲ صفحہ ۵۱۲، فتاویٰ بزازیہ اور زاہدی وغیرہ کتب معتبرہ فقہ میں ہے۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُھِلَّ بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ ولو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ۔ ؎

حاکم اعلیٰ وغیرہ کسی بڑے آدمی کے آنے پر ذبح کیا تو حرام ہوگا کیونکہ یہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے پکارا گیا۔ اگرچہ (بوقت ذبح) اللہ کا نام ذکر کیا۔ اور اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو حرام نہ ہوگا کیونکہ مہمانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔

؎ درمختار کتاب الذبائح۔

نذر عبادت ہے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور غیر اللہ کے لئے نذر و منّت جائز نہیں۔ حرام ہے۔ بلکہ شرک ہے۔

۱۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی شرح فقہ اکبر یعنی منح الروض الازہر کے مقالات میں ہے:۔

النذر لغیر اللہ حرام لانہ من انواع الکفر لان ھذا عبادۃ والعبادۃ لغیر اللہ کفر۔ [1]

غیر اللہ کی نذر حرام ہے کیونکہ یہ کفر کی ایک قسم ہے۔ اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کفر ہے۔

۲۔ علامہ ابن نجیم مصری (متوفی ۹۷۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف بحر الرائق میں اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ وغیرہ رقمطراز ہیں:۔

والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون لمخلوق۔ [2]

نذر مخلوق کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کا حق ہی نہیں۔

حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی جائز نہیں۔ چنانچہ:۔

۳۔ فتاویٰ کاملیہ میں ہے:۔

سئلت عن النذر للانبیاء والاولیاء ھل یجوز ام لا فالجواب انہ باطل وحرام لان النذر انما یکون للہ تعالیٰ۔ [3]

سوال یہ ہے کہ حضرات انبیاءؑ و اولیاء کے لئے نذر جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باطل و حرام ہے کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

غیر اللہ کی بھینٹ چڑھانے پر عذاب جہنم (غیر اللہ کے تقرب کیلئے)

بھینٹ چڑھانا اتنا شدید گناہ ہے کہ مکھی جیسی حقیر و ذلیل جان کو بھینٹ چڑھانے والا جہنم میں جائے گا۔ طارق بن شہاب سے مرفوعاً روایت ہے کہ فرمایا صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں داخل ہوا اور صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص دوزخ

[1] شرح فقہ اکبر ملا علی القاری ص ۲۳۰ [2] رد المحتار شامی جلد ۲ کتاب الصوم، مطلب فی النذر۔
[3] فتاویٰ کاملیہ ص ۲۹۰۔

میں داخل ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا وہاں سے کوئی شخص اس بت پر بھینٹ چڑھائے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ دو شخص ادھر سے گزرے ان لوگوں نے ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھاؤ۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ انہوں نے کہا ضرور چڑھا دے خواہ ایک مکھی ہی ہو۔ فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلَّوْا سَبِيْلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ۔ چنانچہ اس نے ایک مکھی (اس بت پر) بھینٹ چڑھا دی۔ اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا پس وہ دوزخ میں گیا۔ اب دوسرے سے کہا تو نیاز چڑھا۔ اس نے کہا۔ مَا كُنْتُ لِأُقَرِّبَ شَيْئًا دُوْنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔ خدا کی ذات کے سوا میں کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا۔ اس پر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی پس وہ داخل جنت ہوا۔ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

ذبح لغیر اللہ

نذر و منت ہر قسم کی عبادت کی ہو سکتی ہے نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، نذر مالی، ماکولات و مشروبات، طعام و کلام کی منت مانی جا سکتی ہے۔ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت کچا یا پکا کر غرباء و مساکین کو کھلانے کی نذر بھی ہو سکتی ہے اور یہ نذر کی ایک عظیم قسم ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث میں اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج تھا

لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ رواہ مسلم[1]	اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور ابوداؤد میں بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔

کتاب اللہ قرآن کریم میں چار[2] مقامات پر غیر خدا کے لئے ذبح کو حرام فرمایا

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصید والذبائح۔

[2] بقرہ رکوع [illegible]، مائدہ رکوع [illegible]، انعام رکوع [illegible]، نحل رکوع [illegible]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

خاصّہ

بشریّت ہے

قرآن و حدیث کا فیصلہ

کتاب اللہ

(سے)

حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

بشریت کے پچاس دلائل

بشر کے ہم معنی الفاظ

بشر، انسان، رجل، بنو آدم، ذریت آدم، آدمی

ایک ہی حقیقت کے اسماء ہیں!

قولہٗ تعالیٰ:-

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۚ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ ۚ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۔ ! (پارہ ۱۴ سورہ حجر رکوع ۳)	اور بالتحقیق ہم نے انسان کو بجتے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو اس سے پہلے نار سموم سے پیدا کیا اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں بشر کو بجتے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔
۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ! (پ ۸ سورہ اعراف ع ۲)	اور بلا شبہ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

ان ارشادات ربانیہ سے معلوم ہوا کہ انسان اور بشر ایک ہی چیز ہیں۔ اور نوع انسان کی اصل اول آدم ؑ ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد آدمی ہوئی۔ اب آدمیوں کی دو صنف ہیں، ایک مذکر دوسری مؤنث۔ مذکر کو رجل کہتے ہیں اور مؤنث کو فرمایا ارشاد ہوتا ہے:

۳۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا	اے آدمیو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس

رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔

(پ ۴ سورہ نساء)

نے تم کو ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی (آدم) سے اس کی زوجہ (حضرت حوا) کو پیدا کیا۔ اور دونوں (حضرت آدم اور حضرت حوا) سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

تو کتاب اللہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ بشر، انسان اور رجل ایک ہی چیز ہے۔ سب مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں ان کا معنی ایک ہی ہے کبھی اسے بشر کہا جاتا ہے تو کبھی انسان کبھی رجل کہا جاتا ہے تو کبھی بنو آدم، ذریت آدم یعنی آدمی۔

لوازم بشریت

تمام رسول لوازم البشریت سے متصف تھے۔ مشرکین مکہ جب دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہیں، یعنی بشر ہیں تو انگشت در دہاں ہو کر کہتے کہ یہ کیسا رسول ہے، یہ تو بشر ہے کھاتا پیتا ہے۔ رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے تھا۔ یا کم از کم آپ کے ساتھ فرشتہ ہوتا جو فرائض نبوت انجام دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے ہو اور حقیقت یہ ہے کہ رسول ہمیشہ آدمی ہی بھیجے گئے اور تمام لوازم بشریت کھانے پینے وغیرہ سے متصف ہو۔ اور یہ رسول اسی طرح لوازم البشریت سے متصف رہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (فرقان ع ۲ پ ۱۸)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب (کھانا) بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں (بھی) چلتے پھرتے تھے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

اور ہم نے (اے رسول مقبول) آپ سے پہلے

أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ا (پ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۳)

بھی کسی بشر کے لئے (دنیا میں) ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ (یہاں) رہیں گے

دلیل ۲ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۔ (فرقان ع ۵ پ ۱۹)

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا اور آپ کا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم ع ۳ پ ۲۱)

اور اسی (اللہ) کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو جو پھیلے پھرتے ہو، اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور تم میاں بیوی میں محبت اور رحمت پیدا کی

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (انبیاء رکوع اوّل پ ۱۷)

اور ہم نے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) صرف آدمی ہی کو بھیجا کہ ہم ان کی طرف وحی بھیجا کرتے تھے سو اگر تم کو یہ حقیقت معلوم نہیں تو اہل کتاب سے دریافت کر لو اور ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسد نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ (ہی) وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے تھے۔

یعنی وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کھانا بھی کھاتے تھے اور وفات بھی پا گئے یا پا جائیں گے، مقصد یہ ہے کہ وہ بشر تھے اور خورد و نوش اور وفات

لوازمات بشریت ہیں۔ وہ ملک نہ تھے جو کھانے پینے سے بے نیاز اور قیامت تک ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ (رعد آخری رکوع پ ۱۳)

اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے یعنی وہ سب بشر تھے شادیاں کرتے تھے اور ان کے اولاد بھی ہوتی تھی۔

ان تمام آیات قرآنی سے یہ حقیقت معلوم ہوگئی کہ کھانا پینا۔ اور بازاروں میں بسلسلہ معاش چلنا پھرنا اور شادی بیاہ اور بال بچے۔ اور انتقال و وفات، یہ سب لوازم و خصائص بشریت ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر جتنے بھی نبی یا رسول بھیجے گئے وہ بشر تھے اور لوازم بشریت سے متصف!

حضور بھی دوسرے انبیاء و رسل کی طرح نبی اور رسول ہیں

دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح اللہ کے نبی اور رسول ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف ع ۱ پ ۲۶)

آپ کہہ دیجئے میں دوسرے رسولوں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔

لہٰذا جس طرح دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ بشر تھے اور لوازم بشریت سے متصف، حضور بھی بشر ہیں اور لوازم بشریت سے اسی طرح متصف ہیں۔ اگر کفار مکہ آپ کے کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے پھرنے پر تعجب کرتے ہیں تو انہوں نے نہ نبوت کی حقیقت کو سمجھا ہے اور نہ حضور کی نبوت کو سمجھا ہے۔

یہ ان کے فہم و فکر اور ذہن و تصور کا قصور و فتور ہے۔ ورنہ حقیقت تو صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے رسل کی طرح اللہ کے ایک رسول ہیں اور جس طرح پہلے تمام رسول آدمی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدمی ہی ہیں۔

حضورؐ لوازم و خصائص بشریت سے متصف ہیں

دلیل ۵: یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ — !
(پارہ ۲۸ آغاز سورہ تحریم)

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے آپ قسم کھا کر اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں شان نزول یوں منقول ہے کہ ازواج مطہرات کی تحریک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ "میں پھر شہد نہ پیوں گا۔"

تو بشری تکلیف حلت و حرمت اور خورد و نوش، کھانا، پینا، لوازم و خصائص بشریت میں سے ہے۔ نوری یا نوری مخلوق ملائکۃ اللہ نہ مکلف ہیں، نہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔ حتی کہ جب وہ انسانی صورت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے گھر آئے اور حضرت خلیلؑ نے انہیں انسان خیال فرما کر جلدی جلدی بچھڑا ذبح کر کے تل کر ان کے سامنے رکھا تو بھی انہوں نے ہاتھ تک نہ لگایا۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ — !
(پ ۱۲ سورہ ہود ع ۷)

جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس تلے ہوئے بچھڑے تک نہیں بڑھتے تو ان سے ناخوش ہوئے اور دل میں ڈرنے لگے۔

دلیل ۹ — اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ (پ ۲۱ سورۃ احزاب ع اول)

نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کی ذات سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اس آیت سے اور قرآن پاک کی دوسری کئی آیات سے نیز سورۂ تحریم وغیرہ سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات ؓ ہیں جو اُمتِ مسلمہ کی واجب صد ہزار احترام مائیں ہیں اور شادی بیاہ لوازمِ بشریت میں سے ہے۔ نور یا نوری مخلوق ملائکہ کی شادی بیاہ اور نکاح و طلاق اور توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں۔ تو ثابت ہو گیا کہ حضور بشر ہیں۔ خصوصاً جبکہ آپ کی ازواجِ مطہرات مومنوں مسلمانوں کی (جو بشر ہیں) مائیں ہیں۔

دلیل ۱۰ — یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِہِنَّ ؕ (پ ۲۲ احزاب)

اے نبی! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر تھوڑی سی نیچی کر لیا کریں۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات ؓ کے ساتھ حضور ﷺ کی صاحبزادیاں بھی ہیں۔ جن کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو چادر سے سر اور چہرہ چھپا لیا کریں۔ اور یہ ثابت ہے کہ اولاد (بیٹے بیٹیاں) خصائص بشریت میں سے ہے۔ نور یا نوری مخلوق ملائکہ کی اولاد نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا حضور ﷺ کی بشریت ثابت ہو گئی۔

دلیل ۱۱ — مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (پ ۲۲ - احزاب ع ۵)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

رجالکم "تمہارے مردوں" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد نرینہ سن بلوغ
اور جوانی کو نہیں پہنچ سکی۔ حضورؐ کی مطلق ابوبیت کی نفی نہیں کی جا رہی ہے۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادوں کے باپ بھی ہیں، صغیر سن بچوں کے
کے باپ بھی ہیں صرف جوان مردوں کے باپ نہیں۔ تو جب حضورؐ چار صاحبزادیوں اور
چار صاحبزادوں کے باپ ہیں تو بشر کیسے نہ ہوئے؟ کیا نور کی بھی کبھی اولاد ہوئی ہے؟
یا نوری مخلوق بھی صفت ابوبیت سے متصف ہے!

دلیل ۱۲ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (پ ۸۔ انعام۔ آخری رکوع)

آپ کہہ دیجئے بلاشبہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

اس آیت کریمہ سے حضورؐ کی بشریت دو طرح ثابت ہے۔ ایک تو جینا مرنا حیات و
موت انسان کیلئے ہے۔ نوری مخلوق مثلاً فرشتوں کو قیامت تک موت نہیں۔ دوسرے
حضورؐ اول المسلمین ہیں اور مسلمان بشر ہی ہوتے ہیں!

دلیل ۱۳ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔ (رکوع ۲ آخر پ ۲۳)

تحقیق آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

اور یہ دونوں ہی موت بشر کے لئے ہے۔ خورد و نوش، ازدواج و ذریت،
اہل و عیال، ممات و وفات، جتنے بھی لوازم و خصائص البشریت ہیں سب ایک
ایک کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کی بشریت میں کوئی
شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

دلیل ۱۴ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ

النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ (پ ۹ الاعراف ع ۲۰) نبی اُمّی پر!

اس سے پہلے دلیل نمبر (۱۹) میں بھی حضور ﷺ کو نبی اُمّی کے لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔ اُمّی ان پڑھ کو کہتے ہیں۔ جس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد سے پڑھا کچھ نہیں۔ مگر پڑھایا پوری انسانیت کو ہے کہ

نبی اُمّی وام الکتاب درس دے

تو پڑھنا نہ پڑھنا بھی انسانی صفات سے ہے۔ نوریا نوری مخلوق کے پڑھنے نہ پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!

دلیل نمبر ۱۵ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

بیشک ہم نے آپ کو تیسری کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر احسانات کی تکمیل کردے۔ اور آپ کو سیدھے راستہ پر چلائے۔

اللہ رب العزت نے آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں اور کوتاہیاں (جو آپ کے مرتبہ رفیعہ ومنصب نبوت کے اعتبار سے خطا اور کوتاہی کہی جاسکتی ہیں) بالکلیہ معاف فرمادیں۔

تو خطا خواہ جسے نام کی خطا کیوں نہ ہو انسان ہی سے سرزد ہوسکتی ہے۔ نوری مخلوق کا تو خطا کر سکتے ہی نہیں۔ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غفران ذنوب کی جو بے مثال و بے نظیر بشارت عظمیٰ دی جارہی ہے اس سے حضور کا بشر ہونا ثابت ہوگیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل نمبر ۱۶ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (پ ۲۹ سورہ مزمل) اے کپڑے میں لپٹنے والے!

تو کپڑے انسان ہی کا لباس ہیں۔ اور بشر ہی کپڑے اوڑھتا ہے۔ جب آپ

کو رب العزت یا ایہا المزمل (کمبل اوڑھنے والے) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں تو آپ کی بشریت ثابت ہو گئی۔

دلیل ۱۳ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ (پ ۲۹ ۔ سورہ مدثر)

اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھو پھر لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔

ان آیات میں حضور کی بشریت کے کئی دلائل ہیں۔ مثلاً لحاف، کمبل، کپڑے اور ردا بشر کا خاصہ ہے۔

دلیل ۱۴ بندوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بھی بندہ اور بشر ہی ہو گا۔

دلیل ۱۵ کپڑوں کو پاک رکھنے کا سوال بھی انسان ہی سے متعلق ہے۔ غیر بشر کے لئے ان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دلیل ۱۶ نجاست، گندگی اور پلیدی سے بچنے و اجتناب بھی بشر ہی سے متعلق ہے۔ غیر بشر کے لئے اس کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ظرفِ نبوت و رسالت بشریت و آدمیت ہی ہے

کفار و منکرین نبوت تو بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ نبوت کا ظرف آدمیت ہی ہے۔ تاجِ نبوت زیبِ سر اگر ہو سکتا ہے تو آدمی اور تختِ رسالت پر اگر جلوہ گر ہو سکتا ہے تو بشر۔ ارشاد ہوتا ہے۔

دلیل ۱۷ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ

کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمائیں،

ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ! (آل عمران ع ۸ پ ۳)

پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ لیکن یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ!

دلیل ۲۳ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ـــــ !

(شوریٰ آخری رکوع پ ۲۵)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر تین طریقوں سے، یا تو القاء (فی القلب) سے یا پردے کے پیچھے سے یا فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو منظور ہو وحی کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ بلند و برتر حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی فرشتہ بھیج کر اپنے حکم سے قرآن وحی کیا ہے۔

ان دونوں ارشاداتِ ربانی میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ بشر ہی کو نبوت و کتاب دی جاتی ہے، اور وحی بشر ہی کی طرف کی جاتی ہے۔ گویا ظرف نبوت و رسالت اور محل کتاب اور وحی بشر ہی ہے۔

دوسرے ارشاد خداوندی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی قرآنی کا بیان بھی ہے۔ جس سے آپ کی بشریت بذریعہ دلالۃ النص ثابت ہو گئی۔ فرمایا ہم بشر پر بذریعہ فرشتہ وحی فرمایا کرتے ہیں۔ اور آپ پر بھی اسی طرح قرآن نازل فرمایا گیا ہے۔ ثابت ہو گیا کہ آپ بھی بشر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل ۲۴ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ! (پ ۸ ع ۱ اعراف)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں۔ میری آیات تم سے بیان کریں گے۔

اللہ کے رسول اولادِ آدم کی طرف آتے ہیں اور اولادِ آدم ہی سے آتے رہے ہیں

دلیل ۲۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (مریم ع ۴ پ ۱۶)

اولادِ آدم میں سے یہ انبیاء علیہم السلام وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔

کتنی صراحت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اولادِ آدم ہی سے ہیں۔

دلیل ۲۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (حدید ع ۴ پ ۲۷)

یہ حقیقت ہے کہ ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔

دلیل ۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (عنکبوت ع ۳ پ ۲۰)

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰق (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ چلایا۔

مندرجہ بالا آیاتِ ربانی میں صاف صاف ارشاد فرما دیا گیا ہے کہ نبوت اور کتاب کا سلسلہ دنیا میں سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد و ذریت ہی سے چلا ہے اور جتنے بھی اللہ کے نبی اور رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ آدم کی اولاد یعنی آدمی تھے۔ انسان تھے بشر تھے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

دلیل ۲۷ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف آخری رکوع پ ۱۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں سے جتنے رسول بھیجے سب آدمی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے۔

دلیل ۲۸ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا

اور ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ مگر انسانوں کو معجزات اور

أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۔ (نحل ۴۳، ۴۴ پ ۱۴)

کتابیں دے کر جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو اور آپ پر بھی قرآن نازل کیا تاکہ جو مضامین لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ آپ کھول کر ان سے بیان کر دیں تاکہ وہ فکر کریں۔

ان آیات قرآنی میں صراحۃً یہ تصریح ہے کہ جمیع رسل اور محل و مہبط وحی رجال یعنی مرد تھے۔ آدمی تھے۔ بشر تھے بلکہ یہ بھی ذکر فرما دیا گیا ہے کہ آپ بھی مہبط وحی ہیں۔ قرآن کریم آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

تو دلالۃ النص سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، رجل اور بشر ہیں۔

خلاصہ

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ محل وحی اور ظرف نبوت و رسالت اگر ہے تو بشر و ابناء البشر کے علاوہ نبوت و رسالت کا کوئی ظرف ہی نہیں۔ نہ کوئی فرشتہ بندوں کے پاس دنیا میں نبی اور رسول بن کر آیا اور نہ ہی جن۔ نہ کوئی اور مخلوق اس شرف سے مشرف اور اس اعزاز سے معزز ہوئی۔ جو بھی نبی اور رسول مبعوث ہوا، انسان تھا، آدمی تھا، بشر تھا۔

لہٰذا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے نبی آخر ہیں۔ خاتم النبیین ہیں۔ رسول ہی نہیں امام رسل ہی نہیں سید المرسلین ہیں۔ بالیقین بشر ہیں۔ بنی آدم ہیں، اور رجل کریم ہیں۔

آپ کی بشریت کا انکار غیر شعوری طور پر گویا آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار ہے۔ اگر آپ آدمی اور بشر نہیں تو معاذ اللہ لازمی طور پر نبی اور رسول بھی نہیں، ثم معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور ضد، ہٹ اور تعصب چھوڑ کر قرآن کی سچی روشنائی میں راہ حق و ہدایت اور صراط صدق و صواب پر چلنے

کی توفیق ارزانی فرمائے ۔ آمین ۔

دو ۲ مناظرے

آج اس عنوان پر مناظروں تک کے چیلنج کئے جاتے ہیں ۔ حالانکہ اس پر بہت قدیم سے مناظرے ہو چکے ہیں ۔ کسی جدید مناظرہ کی حاجت نہیں ۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان مناظروں کی پوری روداد عوام کے سامنے رکھ دی جائے ۔ ہم کتاب اللہ سے اس عنوان پر دو مناظرے نقل کرتے ہیں ۔

پہلا مناظرہ

پہلا مناظرہ ابتداء آفرینش عالم میں ہوا ۔ ایک طرف انبیاء اللہ یعنی اللہ کے پیارے نبی سیدنا حضرت نوح اور سیدنا حضرت ہود اور سیدنا حضرت صالح وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور دوسری طرف ان کی کافر و ناسمجھ قومیں ۔

حضرات انبیاء علیہم السلام :

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط

ان کے پیغمبروں نے کہا کیا تم کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تم کو بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے ۔ اور ایک وقت مقررہ تک تم کو حیات دے ۔

کافر اقوام :-

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا

انہوں نے کہا تم تو محض ہم جیسے آدمی ہو کر ہمارے آباؤ اجداد جن چیزوں غیر اللہ کی

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَأْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ

عبادت کرتے تھے۔ اس سے ہم کو روک دو۔ سو ہمیں کوئی صاف معجزہ دکھلاؤ۔

حضرات انبیاء علیہم السلام

دلیل ۳۹: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (ابراہیم ع ۲ پ ۱۳)

ان رسولوں نے کہا: نہیں ہم مگر تمہارے جیسے آدمی لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے اور یہ ہمارے بس کی بات نہیں کہ ہم تم کو کوئی معجزہ دکھا سکیں خدا کے حکم کے بغیر اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

غور فرمائیے! کتنا واضح مناظرہ ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے خدا کی ہستی پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا۔ تم شک بھی اس خدا کی ذات میں کرتے ہو۔ جو ارض و سما کا خالق ہے۔ پھر دنیا و آخرت میں تمہاری بھلائی چاہتا ہے۔ اس پر کج بحث لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے ہاں اگر تم ہمارے پاس معجزہ لاؤ تو ہم تمہاری دعوت پر غور کریں گے۔ اس پر حضرات انبیاء علیہم السلام نے واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

اس میں کوئی شک نہیں اور تم بالکل صحیح کہتے ہو کہ بشر ہونے میں تو ہم تمہاری طرح ہیں و لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان عظیم فرمایا ہے کہ ہمیں منصب رسالت پر فائز فرما دیا ہے۔ ہم تمہاری طرح بشر ہیں اور اللہ کے رسول بھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ کے اذن و ارشاد کے بغیر از خود کوئی معجزہ دکھلا سکیں۔

سبحان اللہ! اپنی بشریت و نبوت کے ساتھ اپنی بے بسی، بے اختیاری اور

اللہ کی توحید کے ساتھ اس کی صفات عطائیہ اور اختیارات محمدیہ کا کس قدر واشگاف اور کھلا اعتراف ہے۔

ایک لطیفہ بعض فریب کار اصحاب سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دینے اور ان کے جذبات سے کھیلنے کے لئے کہتے رہتے ہیں کہ " دیکھا کفار نے کہا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا نبیوں اور رسولوں کو بشر کہنا کفار کا پرانا شیوہ ہے، یہ مسلمانوں کا کام نہیں"۔

کاش یہ لوگ " لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ " پر ہی بس نہ کرتے اور " وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی " بھی ساتھ پڑھ لیتے کی زحمت گوارا فرمالیتے۔ اللہ کے بندو! اگر کفار نے کہا تو کیا ہوا، حضرات انبیاء علیہم السلام نے خود بھی کہا اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۔ کفار نے ایک حقیقت بیان کی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا اعتراف فرمالیا۔ اور جو غلط مطالبہ کیا اس کا انکار فرمادیا۔

کفار و مشرکین ہمیشہ خدا کو خالق و رزاق تسلیم کرتے آئے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان ع ۳)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ... فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ (یونس ع ۴)

تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اللہ کی ہستی اور اس کی شان تخلیق و رزاقی کا انکار کر دیں؟ کافر زمین کو زمین کہتے ہیں تو ہم آسمان کہنے لگ جائیں، کافر آسمان کو آسمان کہتے ہیں تو ہم اسے زمین کہنے لگیں، کافر اگر پاؤں سے چلتے ہیں تو کیا لوگ سر کے بل چلیں گے۔ اور وہ آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں تو چونکہ کافر آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں، یہ شرفاء آنکھیں بند کرکے چلنا پھرنا شروع کر دیں گے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔

دوسرا مناظرہ اب دوسرے مناظرے کی روداد ملاحظہ ہو۔ اس مناظرہ میں ایک طرف خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے اور دوسری طرف کفار و مشرکین مکہ ہیں۔

کفار و مشرکین:۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۔

(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین میں سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دیں یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو۔ پھر اس باغ کے اندر جگہ جگہ بہت سی نہریں جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں۔ آپ آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں یا آپ کے لئے ایک گھر جو سونے کا بنا ہوا یا آپ (ہمارے روبرو) آسمان پر چڑھ جائیں۔ اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھ جانے کا بھی اعتبار نہ کریں گے جب تک کہ وہاں سے (آپ ہمارے اوپر کتاب نہ اتار لائیں کہ ہم اسے پڑھ لیں۔

رسول کریم:۔

دلیل ۳۰ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔

آپ کہہ دیجئے سبحان اللہ! میں تو نہیں ہوں مگر ایک آدمی (اللہ کا) پیغام پہنچانے والا۔

کفار و مشرکین

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۔۔۔!

اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کسی بات نے منع نہیں کیا کہ انہوں نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔

رسول کریم ﷺ :

دلیل ۲۳ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا! ؎

آپ کہہ دیجیے اگر زمین میں فرشتے ہوتے، اطمینان سے چلتے پھرتے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے رسول بنا کر بھیجتے۔

سبحان اللہ! کتنا کامیاب مناظرہ اور مدلل مکالمہ ہے۔ حق کی شاندار فتح ہے اور باطل کی شرمناک شکست۔

خلاصہ: اس مباحثہ و مکالمہ کا یہ ہے کہ کفار و مشرکین نے کہا کہ جب تک آپ فلاں فلاں امور میں کسی ایک کو معجزانہ طور پر سر انجام نہ دیں گے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ! اللہ کے بندو! معجزہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ فعل الٰہی ہے۔ اس کے حکم کے سوا نہیں ہو سکتا۔ میں ایک انسان ہوں۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام و احسان فرمایا اور اپنا رسول بنا کر تمہارے پاس بھیج دیا۔ معجزہ میرے بس کی بات کہاں؟ میں تو ایک بشر ہوں، رسول۔

اس پر انہیں ایمان لانے اور دعوتِ حق قبول کرنے میں اور تو کوئی عذر مانع نہ ہوا صرف یہ کہا کہ اچھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا۔ بھلا بشر بھی اس شرف و اعزاز کا مستحق تھا۔ یہ تاج تو نور کے سر پر سجتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو

؎ بنی اسرائیل جز ۱۰، پارہ ۱۵

رسول بھیجنا ہی تھا تو نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کسی فرشتہ کو بھیجتا۔

اس باطل نظریہ کو رسول خدا نے من جانب اللہ سے رد کیا۔ فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! اگر زمین میں ملائکہ آباد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ انسانوں کے پاس رسول انسان ہی بھیجا گیا ہے۔ اس میں کیا استبعاد و انکار یا حیرت و استعجاب ہے۔ جب زمین فرشتوں کا مسکن ہی نہیں تو فرشتے کس کے پاس رسول بنا کر بھیجے جاتے۔

ایک اصول یہاں سے ایک اصول معلوم ہو گیا کہ مرسل اور مرسل الیہم میں مناسبت و مجانست ضروری ہے۔ جب مرسل الیہم بشر ہیں تو رسول بھی بشر ہونا چاہیے۔

ایک نکتہ ملائکہ سے متعلق مطمئنین کی قید سے یہ فائدہ ہے کہ زمین پر ملائکہ مختلف مناصب اور ذمہ داریوں پر متعین ہو کر آتے تو رہتے ہیں، مگر اطمینان و دوام اور سکون و استقلال سے یہاں آباد نہیں ہوتے۔

ظرف ملکوتیت آسمان ہے حسن الشمائل کے بیان سے یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ نور اور ملکوتیت کا ظرف آسمان ہے، زمین نہیں۔

زمین ظرف انسانیت ہے زمین انسانیت کا ظرف ہے جس کی بشریت ہے کرۂ الارض پر انسان بستے ہیں۔ لہٰذا ان کی ہدایت کے لیے بشر اور انسان ہی کو ہمیشہ نبی اور رسول بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے۔

معراج اور بشریت جس طرح ملائکہ کسی منصب پر متعین ہو کر اپنا ظرف مقام (آسمان) چھوڑ کر زمین پر آ سکتے ہیں اور نزول الی الارض انہیں ملکوتیت سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر اللہ کے برگزیدہ رسول جو بشر

میں اپنے ظرف و مقام مستقل (زمین) سے عارضی طور پر آسمان پر تشریف لے جاتے ہیں تو یہ صعود و عروج الی السماء انہیں بشریت سے خارج نہیں کرتا۔ ملک زمین پر آکر بھی ملک رہتا ہے اور بشر آسمانوں پر جا کر بھی بشر ہی رہتا ہے۔

اس سے بعض جہلاء کے اس شبہ و فریب کا ازالہ ہو گیا کہ "اگر نبی کریم بشر ہوتے تو آپ کو معراج کیسے ہوتا، کیا کوئی انسان بھی آسمان پر جا سکتا ہے۔ اگر فرشتہ اپنے ظرف سے باہر ہو کر زمین پر آ سکتا ہے تو بشر اور سید البشر اپنے مقام کو چھوڑ کر آسمان پر کیوں نہیں جا سکتے۔

کتاب اللہ میں اپنے متعلق نبی کریم ﷺ کا دوسرا اعلانِ بشریت

دلیل ۲: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (پ ۱۶ سورۂ کہف)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا بشر ہی ہوں میرے پاس بس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک معبود ہی ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھے تو چاہئے کہ نیک عمل کرتا رہے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

اپنی بشریت سے متعلق نبی کریم ﷺ کا تیسرا اعلان

دلیل ۳: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم جیسا بشر ہی ہوں يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو ایک

فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ (حٰم السجدہ ع ۱ ول پ ۲۴) — واحد ہے پس اسی معبود واحد کی طرف سیدھے رہو اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو اور مشرکین کے لئے بڑی خرابی ہے۔

بشریتِ انبیاء اور الوہیتِ خدا

اللہ اکبر! قرآن کریم میں تین مقامات پر نبی کریم ﷺ کی زبان پاک سے آپ کی بشریت کا نص صریح سے اعلان موجود ہے اور تینوں جگہ آپ کی بشریت کے ساتھ اللہ واحد کی الوہیت و معبودیت کا بیان ہے۔ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی توحید کامل وحدت فی العبادت شانِ غفاری و معبودیت اور قدرت کاملہ و اختیاراتِ تامہ کی صفاتِ عالیہ کے ساتھ نبی کی بشریت و عبودیت، بندگی و بے چارگی اور بے بسی و بے اختیاری کا غیر مبہم اقرار و اعتراف اور واضح ذکر و اعلان ہے۔

فرمایا:۔ اختیارات کا مالک وہی رب سبحان ہے اور عبادت کا مستحق بھی وہی اللہ واحد، عبادت کرو تو اسی کی، دعا مانگو تو اسی سے اور استغفار کرو تو اسی کے آگے۔ میں تو تم جیسا بشر ہوں۔ میرا منصب و امتیاز یہ ہے کہ رب العزت مجھ پر وحی نازل کرتا ہے۔ اس نے مجھے رسول بنا کر تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے۔ میں اس کا رسول اور مہبطِ وحی ہوں۔ تمہارے لئے عمل صالح اور عبادتِ الٰہی میں نمونہ ہوں۔ اور میری حیاتِ طیبہ اور سنتِ مقدسہ میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور بس۔

اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے برملا فرمایا کہ اختیارات تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ ہمیں خدائی اختیارات میں سے کوئی حصہ و بہرہ نہیں ملا۔ ہم

باذن الٰہی اور بحکم خدا کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ اس نے ہمارے سر پر تاجِ رسالت رکھ دیا ہے۔

افراط و تفریط کے درمیان راہ وسط و عدل

حضرات انبیاء و رسل کے بارے میں فکرِ انسانی نے عموماً دو طرح سے ٹھوکر کھائی ہے۔ بعض تو ان حضرات کو (العیاذ باللہ) خدا یا خدائی اختیارات کا مالک سمجھ بیٹھے اور بعض ایک عام انسان۔ مثلاً

یہود و نصاریٰ کا خیال

عیسائی سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت و بشریت کے منکر ہو گئے اور ان کو خود خدا یا خدا کا جزء یا خدا کا بیٹا اور خدائی صفات کا حامل اور اختیارات کا مالک سمجھ بیٹھے اور یہودی سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے لگے۔

قولہ تعالیٰ: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔ (سورۃ توبہ پ ۱۰)

ہندو فلسفہ

بھارت کے ہندو بھی اپنے راہنماؤں کو انسانیت سے پاک سمجھتے تھے۔ وہ انہیں خدا کا اوتار یعنی مجسم خدا سمجھتے تھے۔ جو انسان کا بھیس بدل کر زمین پر آ گیا۔ وہ بھگوان دیوتاؤں کو خدائی طاقتوں کا حامل اور اختیارات ربانی کا مالک یقین کرتے تھے۔

کفار و مشرکین کا ذہن

دوسری طرف بعض فریب خوردہ یا فریب کار انسانوں کی ایک جماعت کفار و مشرکین کا یہ نظریہ تھا کہ مدعیانِ نبوت عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہیں انہیں نبوت کے اعزاز و رسالت کے سرِ

سے معزز و مشرف ہونے کا کوئی استحقاق نہیں۔ انسانیت کی قیادت و ہدایت اور انسانوں کی رہنمائی و پیشوائی کے لئے کوئی فوق البشر ہستی ہونی چاہیے۔ رسالت و نبوت کے تخت و تاج کا مالک بشر نہیں، انوار ہو سکتا ہے۔ یا کم از کم عہدۂ نبوت پہ متمکن ہونا چاہیے۔ انسان اس قابل کہاں! بشریت رسالت کے منافی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر اسلام نے اپنے فطری مزاج کے مطابق افراط و تفریط کی ان دو راہوں کے درمیان راہِ وسط و عدل پیش کی ہے۔

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ نبی انسان ہوتا ہے، مطلق انسانیت میں دوسرے انسانوں کی طرح۔ لیکن وہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ رسول اللہ ہوتا ہے۔ لیکن الوہیت کے اوصاف اور خداوندی اختیارات سے محض بے بہرہ! وہ نہ خدا ہوتا ہے، نہ خدا کا جزء، نہ بیٹا، نہ انسانی پیکر اور آدمیت کے جامہ میں خدا۔ اسلام انسان کو خدا کا اوتار تسلیم کرنے سے ابا کرتا ہے۔ اسے اس تصور سے گھن آتی ہے کہ وجودِ انسانی میں خدا حلول کر گیا۔ دینِ حق حلول و دخول کے اس آریائی فلسفہ کا قائل نہیں۔

رحمتِ حق، رحمتِ عالم، رحمۃ للعالمین، انسانیت کے دائمی قائد و محسن صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں تین جگہ پہ برملا اعلان فرمایا کہ میں خلقت میں تمہاری طرح بشر ہوں، نہ میرا فخر و شرف یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، انسانوں کی وحی کا محل و مہبط۔

میں خدا ہوں نہ خدائی اوصاف سے متصف۔ میں خدا کا ایک بے اختیار و بے بس بندہ ہوں۔ معبودِ برحق، الٰہ واحد، عبادت اور بندگی کا واحد مستحق غافر الذنب، قابل التوب، سبوح و قدوس، تمام اختیارات، تمام قدرتوں اور تمام طاقتوں کا مالک، دعاؤں، التجاؤں، فریادوں کا سمیع و مجیب اور

فرما دو ، بس ، وہی ذاتِ احد ہے ، اللہ الصمد !

رسول اور مُرسَل الیہم کی جنس ایک ہی ہے۔

ابھی "دوسرے مناظرہ" میں قرآن کریم سے یہ اصول معلوم ہو گیا ہے کہ مرسل اور مرسل الیہم میں مجانست ضروری ہے۔ اب قرآن کریم میں دیکھئے کہ رب العزت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین وغیرہ انسانوں کی جنس سے فرما رہے ہیں۔

دلیل ۳۴ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ! (آل عمران ع ۱۷ پ ۴)

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب کہ ان میں رسول بھیجا ان ہی کی جنس سے۔

دلیل ۳۵ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ! — ! (توبہ ع ۱۶ - پ ۱۱)

البتہ تحقیق تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا ہے جو تمہاری جنس (بشر) سے ہے۔ تمہاری تکلیف آپ پر گراں گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا آپ کو بہت حریص ہے۔ آپ مومنوں پر بہت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔

دلیل ۳۶ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ! (یونس ع ۱)

کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کے پاس وحی بھیجی۔

دلیل ۳۷ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ! (پ ۲۶ - آغاز سورۂ قٓ)

بلکہ انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی کی جنس (بشر) میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر آ گیا۔

دلیل ۳۸ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي

وہ اللہ ہے جس نے عرب کے مردمِ ناخواندہ

الاسیین رسولا منھم (پ ۲۸ جمعہ ع ۱) لوگوں میں پیغمبر بھیجا۔ ان ہی میں سے۔

اس قسم کی آیات قرآن کریم میں اور بھی ہیں۔

دلیل ۳۹ وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (پ ۱۹ - فرقان ع ۱) اور قیامت میں، رسول کہیں گے۔ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑا ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ رسول کریم اور منکرین و تارکین قرآن قریش مکہ ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ تو جب قریش مکہ بالاتفاق بشر ہیں تو پھر ان کے ہم قوم رسول حضور کریم کیسے بشر نہ ہوں گے؟ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل ۴۰ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس۔ پ ۱۱۔ ع آخری) اور مجھ کو (من جانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں مومنوں سے ہوں۔

دلیل ۴۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ (پ ۲۳ - زمر ع ۲) اور مجھ کو یہ بھی حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔

تو حضور کریم جب مومنین و مسلمین میں سے ہیں بلکہ اول المسلمین ہیں تو آپ انسان (بشر) کس طرح نہ ہوں گے؟ جب دوسرے تمام مومن مسلمان بشر ہیں تو حضور بھی بشر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ذات وصفات

ذات میں اتحاد مگر صفات میں بُعد المشرقین

نفس اور ذات کے اعتبار سے آپ دوسرے آدمیوں کی طرح ابن آدم ہیں۔ لیکن صفات کے لحاظ سے آپ کا مقام سب سے بلند ہے۔ آپ کا مرتبہ سب سے اعلیٰ اور بالا ہے۔ اور آپ عامۃ الناس تو کجا کافۃ المسلمین تو کہاں بالاولیاء و اصفیاء

بلکہ انبیاء و رسل سے بھی افضل و اشرف ہیں اور

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہی مقتضیٰ ہے آپکے ارشاد فی القرآن کا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ —— آپ کہہ دیجئے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔

(پ ۱۶، آخر سورۃ کہف و پ ۲۴ سورۃ حٰمٓ السجدۃ رکوع اول)

تو یہ مثلیت، نفس بشریت میں ہے نہ کہ فضائل و مراتب میں بشریت اور آدمیت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بشر اور آدمیوں کی مثل ہیں۔ لیکن کمالات و فضائل اور مدارج و مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

دلیل نمبر ۲۳ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ـ ۔ (انعام۔ ع ۵۔ پ ۷)

اے رسول کریم آپ کہہ دیجئے نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ (ہی) میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

یہ مسلمہ اور متفقہ حقیقت ہے کہ

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق ہیں، اور

۲۔ مخلوق ربانی میں برتر مقام اور اعلیٰ درجہ ذوی العقول کا ہے۔

۳۔ ذوالعقول میں جن بھی شامل ہیں جو کمتر حیثیت رکھتے ہیں اور اس بحث میں ان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ باقی رہے انس اور ملک، بشر اور فرشتے۔

۵۔ کتاب اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اپنے ملک ہونے کی نفی کرائی جا رہی ہے۔ تو اب آپ کی بشریت کے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ذوالعقول کے افراد تین ہیں۔ جن، ملک اور بشر۔ جن کا درجہ اور مقام فروتر ہے۔ ملک حضورؐ نہیں تو لازمی طور پر آپ بشر ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل ۲۳: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ (سب کو) پیدا کیا۔ انسان کو خون بستہ سے مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ پیدا فرمایا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ سے (بڑھ کر) معظم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ سے تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہ جانتا تھا
(پ ۳۰۔ سورۂ اقرأ)

اس اولین وحی محمدی میں جسے تنزیل قرآنی کی تمہید کہا جا سکتا ہے، دو دفعہ انسان کا لفظ موجود ہے۔ رب العزت کی صفت تخلیق کا شاہکار فرمایا جا رہا ہے تو انسان کو! اور اس کی شان تعلیم و ربوبیت کا مظہر اتم بتلایا جا رہا ہے تو انسان کو!

اگر حضور صلی اللہ علیہ (معاذ اللہ) انسان نہیں تو پہلی وحی قرآنی میں انسان کے اس بار بار ذکر کر دینا سے مطلب اور فائدہ؟ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں۔ اسی لئے تو انسان کی خلقت اور علمیت کی نسبت اپنی طرف فرما کر رب العزت بشر کی عظمت و توقیر بڑھا رہے ہیں۔ جس سے سید البشر کی تسکین اور حوصلہ افزائی دو بالا ہی ہو سکتی ہے۔

اگر معاذ اللہ! حضور انسان نہیں تو صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پہ تاج نبوت

رکھتے اور آپ کو تخت رسالت پر بٹھاتے وقت انسان کی عظمت شان و جلالت قدر کے ذکر و بیان کا کوئی موقع محل ہے نہ فائدہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اگر حضور بشر نہیں اور مخلوق نور ہی نور ہیں۔ تو آپ کو نبوت و رسالت کا منصب جلیل و اعزاز عظیم عطا فرماتے وقت نور ہی کی تخلیق اور نور ہی کی علمی فضیلت کا تذکرہ اور نور ہی کی عظمت و شان و جلالت قدر کا اشارہ فرمایا جاتا، نہ کہ انسان کا۔

دلیل ۲۲ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ آپ کہیے کہ میں آدمیوں کے پروردگار، آدمیوں مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ ہوں، وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے شیطان یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ کے شر سے جو آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (پ ۳۰ سورۃ الناس) ہے، خواہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی ہو۔

اس ارشاد ربانی میں ایک دو تین چار نہیں پورے پانچ دفعہ الناس کا لفظ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے۔ کہ آپ آدمیوں کے پروردگار آدمیوں کے بادشاہ اور آدمیوں کے معبود کی پناہ لیں۔ اب جب آپ خود آدمی نہیں (معاذ اللہ) تو آدمیوں کے پروردگار، آدمیوں کے بادشاہ اور آدمیوں کے معبود آپ کی پناہ طلبی کے کیا معنی؟ پھر آپ اس شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ جو یوسوس فی صدور الناس، آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ تو جب آپ (معاذ اللہ) آدمی ہی نہیں تو آپ کو شیطان کے شر سے کیا خطرہ؟ اور اس سے بچنے کے لئے اِلٰہ الناس کی پناہ میں آنے کی کیا ضرورت؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آدمی ہیں اور شیطان آدمیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس لئے حضورؐ اس کے شر سے بچنے کے لئے آدمیوں کے رب کی پناہ لیتے ہیں۔

حضورؐ کی عبدیت

عبد :- بشر کے لئے ایک اور لفظ بھی مستعمل ہے ، عبد ، قرآن و حدیث میں اس کا استعمال عام ہے ۔ لغت میں بھی عبد بمعنی انسان ہے ۔ چنانچہ !

قاموس میں ہے العبد الانسان حرا کان او رقیقا ۔ عبد کے معنی ہیں انسان خواہ آزاد ہو یا غلام ۔

المنجد (عربی اردو) میں ہے : العبد الانسان ، غلام

لغت سے ثابت ہو گیا عبد و انسان ہم معنی ہیں اور مترادف الفاظ ہیں ۔

لطیفہ — یہ لطیفہ بھی کتنا دلچسپ ہے کہ ہر مسلمان دل سے گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۔

تو حضورؐ کی رسالت کی شہادت سے پہلے حضورؐ کی عبدیت کی شہادت ہے ۔ اور اس اقرار و اعلان کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ اللہ کے بندے ہیں ۔ مگر ایک ہمارے "مہربان" ہیں کہ وہ کہتے ہیں جو حضورؐ کو اللہ کا بندہ (بشر) کہے وہ کافر و بے ایمان ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ گویا عربی زبان میں جب تک حضورؐ کو کوئی عبد کہے وہ کافر ہے ۔ مگر اسی عبد کا ترجمہ اردو میں کر کے جب حضورؐ کو کوئی بندہ کہہ دے تو وہ کافر ہے ۔

اب قرآن کریم سے حضورؐ کی عبدیت و بشریت کے دلائل ملاحظہ ہو ۔

دلیل ۱۴۵ سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے

بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (پ۱۵ آغاز سورۂ بنی اسرائیل) کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء و معراج کا بیان ہے۔ اور اس میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ عبد استعمال فرمایا ہے یعنی بندہ الشان۔

دلیل ۲: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (پ۱۵ آغاز سورۂ کہف)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرہ بھر کجی نہیں رکھی۔

دلیل ۳: تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا

بڑی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ جہان والوں کو ڈرانے والا ہو۔

دلیل ۴: هُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ (پ۲۷۔ حدید)

وہ اللہ ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تم کو کفر و جہل کی تاریکیوں سے نور اسلام کی طرف نکال لائے۔

دلیل ۵: وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ يَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِ لِبَدًا (پ۲۹ سورہ جن)

اور جب بندۂ خدا کھڑا ہو کر خدا کو پکارتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر ہجوم لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

دلیل ۶: فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى (پ۲۷ سورۂ نجم ع۱)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی۔

تو قرآن مجید سے بچاس دلائل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت و انسانیت ثابت ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا

حضرت نہیں ہے۔ اگر زیادہ تحقیق و تجسس کی نگاہ سے دیکھا جائے تو کتاب اللہ سے بہت زیادہ دلائل مل سکتے ہیں۔ مگر ؎

دنیا کے غزل بنانے سے اپنے خیر ہادہ — دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

نور ہدایت

یہ یاد رہے کہ جس نور کی نفی کی جا رہی ہے وہ خلقت کے اعتبار سے نور ہے۔ یعنی آپ بشر کے مقابلے میں نور کی مخلوق نہیں ورنہ صفت کے اعتبار سے تو آپ نور ہیں۔ نور علیٰ نور ہیں۔ بلکہ منیر ہیں۔ دنیا کو نور بنانے والے ہیں۔

قرآن میں قرآن کو بھی تو نور فرمایا گیا ہے۔ تو جن معنیٰ میں کلام پاک نور ہے اسی معنیٰ میں رسول پاک نور ہیں۔ یعنی نور ہدایت۔ کون ہے جو آپ کو نور ہدایت ماننے سے انکار و انحراف کرے۔ ظلمت کدۂ عالم منور اور پر نور ہوا تو آپ ہی کے نور ہدایت سے!

عبدیت پہلے رسالت بعد میں

ابھی ص ۳۲ پر عرض کیا گیا ہے کہ حضورؐ کی رسالت کی شہادت سے پہلے عبدیت کی شہادت ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضورؐ کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام ؓ کو تشہد کی تعلیم دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُهٗ وَ عَبْدُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كُنْتُ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ اَكُوْنَ رَسُوْلًا قُلْ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہونے سے پہلے اللہ کا بندہ تھا۔ تم و اشہد ان محمداً رسولہ و عبدہ کی بجائے، و اشہد ان محمداً

وَرَسُوْلُهُ [1] — عبدہٗ و رسولہٗ کہو۔

۲۔ ارشاد فرمایا:- يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَرْفَعُونِي فَوْقَ قَدْرِي فَإِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِي عَبْدًا قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَنِي نَبِيًّا [2]

اے لوگو! تم میرے واقعی مرتبہ سے مجھے بڑھا چڑھا نہ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا نبی بنانے سے پہلے (اپنا) بندہ بنایا۔

۳۔ فرمایا:- لَا تَرْفَعُونِي فَوْقَ حَقِّي فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى اتَّخَذَنِي عَبْدًا قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَنِي رَسُولًا [3]

تم مجھے میرے حق سے بڑھا چڑھا نہ دو۔ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (اپنا) رسول بنانے سے پہلے (اپنا) بندہ بنایا۔

---

[1] کنز العمال ج ۸ ص ۱۰۳، [2] ایضاً ج ۳ ص ۲۴۰، [3] ایضاً

ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت

کے

چالیس ۴۰ دلائل

کتاب اللہ کے بعد احادیث رسول ﷺ کا دوسرا مقام ہے۔ لہذا اب ہم حضور ﷺ کے ارشادات سے حضور ﷺ کی بشریت کے دلائل پیش کرتے ہیں

احادیثِ شریفہ

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول دین میں حجت ہے۔ اب ارشاداتِ رسول احادیثِ صحیحہ ملاحظہ ہوں کہ کس طرح غیر مبہم الفاظ میں حضرت نے اپنی بشریت و انسانیت کا اقرار و اظہار فرمایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل نمبر ۱ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر۔ ۔ ۔ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ایک انسان ہوں،

اور تم اپنے جھگڑے میرے سامنے پیش کرتے ہو اور شاید گفتگو میں تم میں سے بعض بعض سے زیادہ فصیح (اللسان) ہو، اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں یعنی اگر میں اس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے کیونکہ (اس صورت میں) اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں (صحیح بخاری صحیح مسلم) ۱ه

مطلب یہ ہے کہ میں ایک بشر ہوں اور بشر غیب اور امور و معاملات کی باطنی حقیقت سے مطلقاً باخبر نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کسی چیز کی حقیقت پر مطلع نہ فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی لسان و طرار اور زبان آور آدمی کے بیان اور غلط شہادت کے پیش نظر کسی مسلمان کا حق دوسرے کے حوالے کر دوں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرے فیصلے سے وہ چیز اس کے لئے حلال ہو گئی۔ قطعاً نہیں بلکہ وہ اس کے لئے آگ کا ایک انگارہ ہے۔ اسے چاہئے کہ اسے نہ لے۔

۱ه مشکوٰۃ المصابیح باب الاقضیہ والشہادات۔

غور فرمائیے! جو مبارک الفاظ قرآن کریم میں ہیں۔ وہی الفاظ اس ارشاد رسول میں ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ!

دلیل نمبر ۲/۵۲: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعت نماز پڑھی۔ عرض کیا گیا کیا نماز زیادہ ہو گئی؟ ارشاد فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے۔ پس آپ نے دو سجدے فرمائے۔ اور ایک روایت میں ہے۔

قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ! (متفق علیہ) [1]

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔ میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جیسا کہ تم بھول جاتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اللہ اللہ! کس قدر واضح ارشاد ہے۔ بشریت کا اس سے زیادہ بہ قدر واللہ میں اقرار و اعلان ممکن ہی نہیں اور پھر الفاظ بالکل قرآنی ہیں۔

دلیل نمبر ۳/۵۳: حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دن اول) مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کھجوروں میں تابیر کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہم اسی طرح [2] کیا کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ اگر تم ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ پس انہوں نے تابیر ترک کر دی تو اس سال کھجوروں پر پھل کم آیا۔ لوگوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔

فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا

تو ارشاد فرمایا میں تو ایک انسان ہی ہوں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب السہو [2] اہل مدینہ مادہ کھجوروں میں نر کھجوروں کے پھول ڈال دیتے تھے کہ پھل زیادہ آئیں۔ اسے تابیر کہتے ہیں۔

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ (رواہ مسلم[1])

جب میں تمہیں دینی امور میں کسی بات کا حکم دوں تو اس کو قبول کیا کرو۔ اور جب (خالص دنیوی معاملات میں) اپنی عام انسانی رائے سے کوئی امر کہوں تو سمجھ لینا کہ میں ایک انسان ہوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

یعنی امور دین و معاملات شرعیہ میں آپ کا ہر امر و ارشاد من جانب اللہ ہوتا ہے اور اس کا مدار وحی و الہام یا ملکۂ نبوت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ بہرحال واجب التعمیل ہے۔ لیکن دنیاداری سے متعلق امور، مثلاً کھیتی باڑی، علاج معالجہ وغیرہ میں آپ کا ارشاد جو آپ کی عام انسانی رائے پر مبنی ہوتا ہے۔ فقط مشورہ اور رائے کی حیثیت رکھتا ہے۔

دلیل ۴: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار میں ہوں۔ (متفق علیہ[2]) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل ۵: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ (رواہ مسلم[3])

قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کھولی جائے گی اور سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ۔ [3] ایضاً باب فضائل سید المرسلین۔

دلیل نمبر ۵۹ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انا سید ولد آدم یوم القیمة ولا فخر!
(رواہ الترمذی)[1]

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ فخر و مباہات کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ (بلکہ اظہارِ حقیقت اور تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں)

دلیل نمبر ۶۰ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا اکرم ولد آدم علی ربی!
(رواہ الترمذی والدارمی)[2]

جب قیامت میں لوگ کھڑے ہوں گے تو میں سب انسانوں سے پہلے (قبرِ اقدس سے) اٹھوں گا اور میں عند اللہ تمام اولادِ آدم سے زیادہ بزرگ ہوں۔

دلیل نمبر ۶۱ ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ، ابو نعیم اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث میں) فرمایا۔

وانا اتقی ولد آدم واکرمهم علی اللہ تعالیٰ ولا فخر![3]

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولادِ آدم سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ بزرگ ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں ہے۔

احادیثِ بالا میں سید الناس، سید ولد آدم، اول الناس، اکرم ولد آدم اور اتقیٰ ولد آدم کے الفاظ غرضیکہ حضرت انسان اور آدم ہونے پر واضح دلالت کر رہے ہیں۔ آپ دنیا اور آخرت میں تمام بنی آدم کے سید اور تمام انسانوں کے سردار ہیں۔

---

[1] و بنا مرد مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ [2] تفسیر روح المعانی [3] تفسیر آیۃ النجار رحمہ اللہ مذہب

صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل نمبر ۵۹ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سلوا اللہ لی الوسیلۃ قالوا یارسول اللہ وما الوسیلۃ قال اعلی درجۃ فی الجنۃ لاینالہا الارجل واحد وارجوان اکون انا ھو (رواہ الترمذی)[1]

تم میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعا کرو۔ عرض کیا یارسول اللہ وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت میں اعلیٰ درجہ ہے اسے ایک ہی آدمی پائے گا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں وہی آدمی ہوں۔

دلیل نمبر ۶۰ حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (بنی) ولد اسمٰعیل (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد) میں سے کنانہ کو چن لیا۔ اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمالیا اور قریش سے بنی ہاشم اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم (علیہ السلام) سے اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا اور اولاد اسمٰعیل میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا۔[2]

دلیل نمبر ۶۱ حضرت عباسؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق

میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے خلق (جن انس) کو پیدا کیا

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ [2] ایضاً باب فضائل سید المرسلین۔

فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃً ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃً ثم جعلھم بیوتاً فجعلنی فی خیرھم بیتاً فانا خیرھم نفساً وخیرھم بیتاً۔ (رواہ الترمذی)[1]

پس مجھے ان میں سے بہتر (انسانوں) میں سے بنایا۔ پھر ان (انسانوں) کو دو فرقے (عرب و عجم) بنایا سو مجھے ان میں سے بلحاظ فرقہ بہتر (عرب) میں سے بنایا۔ پھر ان کے قبائل بنائے سو مجھے باعتبار قبیلہ ان میں سے بہتر (قریش) میں سے بنایا۔ پھر قریش کے خاندان بہتر (بنی ہاشم) میں سے بنایا۔ پس میں ذات کے لحاظ سے بھی سارے انسانوں میں سے بہتر ہوں۔ اور نسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔

ان دو احادیث کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ اولاد ابراہیمؑ اور اولاد اسماعیلؑ میں سے ہیں۔ آپ اولاد آدم ہیں۔ انسان ہیں اور سارے انسانوں سے ذاتی اور نسبی طور پر اعلیٰ اور افضل ہیں۔ نہ صرف آپ تمام انسانوں سے افضل ہیں بلکہ جس خاندان جس قبیلے اور جس فرقے سے آپ کا تعلق ہے وہ خاندان سب خاندانوں سے اور وہ قبیلہ سب قبیلوں سے اور وہ فرقہ سب فرقوں سے افضل و اشرف ہے۔

دلیل نمبر ۱۲/۹۲ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے کچھ اس قسم کی گفتگو کی جس نے حضورؐ کو غضب ناک کر دیا۔ پس آپؐ نے ان پر لعنت کی جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور تو ہر آدمی تیرے سے کچھ نہ کچھ بہرہ یاب ہو گا لیکن ان کے پلے میں تو خیر سے کچھ بھی نہ رہا۔ فرمایا یہ کیا بات ہے۔

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین

میں نے عرض کیا، آپ نے ان پر لعنت فرمائی۔ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب سے عہد مضبوط کیا ہے میں نے بارگاہ رب العزت میں کہا۔

اللھم انما انا بشر ! اے میرے اللہ ! میں بشر ہی تو ہوں۔

پس اگر میں کسی مسلمان کو لعنت یا سب کروں تو آپ اسے اس کے حق میں باعث اجر و تطہیر بنا دیجئے۔

دلیل ۱۳/۹۳ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللھم انما انا بشر ! الٰہی میں ایک بشر ہی تو ہوں۔

دلیل ۱۴/۹۴ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اللھم انما انا بشر ! الٰہی سوا اس کے نہیں کہ میں ایک انسان ہوں۔

دلیل ۱۵/۹۵ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللھم انی اتخذ عندک عھدا الٰہی میں تجھ سے عہد لیتا ہوں آپ اسکے لن تخلفنیہ فانما انا بشر ! خلاف نہ فرمائیں پس میں تو ایک آدمی ہوں۔

دلیل ۱۶/۹۶ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے۔

اللھم انما محمد بشر یغضب الٰہی سوائے اس کے نہیں کہ محمد ایک بشر ہے وہ غصے کما یغضب البشر ! میں بھی آتا ہے جیسے اور بشر یعنی انسان غصے میں آتے ہیں۔

دلیل ۱۷/۹۷ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ! میں تو صرف ایک بشر ہوں۔

دلیل ۱۸/۹۶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا۔

انما انا بشر ارضى كما يرضى البشر واغضب كما يغضب البشر ... سوائے اس کے نہیں کہ میں بشر ہوں میں خوش ہوتا ہوں جس طرح بشر خوش ہوتے ہیں اور میں ناراض بھی ہوتا ہوں جیسے بشر ناراض ہوتے ہیں۔
پس اپنی امت میں سے کسی کے خلاف ایسی دعا کردوں جس کا وہ مستحق نہیں تو آپ اس کو اس کے لئے طہارت و پاکیزگی اور قربت بنا دیجئے۔ جس قربت سے وہ قیامت کے دن آپ کے قریب ہو سکے گا[1]

غور فرمائیے! ان ارشادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مختلف عنوانات اور اسالیب کے ساتھ اپنی بشریت کو واضح فرمایا ہے۔

اللهم انما انا بشر، فانما انا بشر، اللهم انما محمد بشر، انما انا بشر
جتنے انداز اور صیغے ممکن تھے، ہر انداز اور ہر صیغے سے آپ نے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا اور ہر جگہ ہر صورت اور ہر طریق و اسلوب میں انما کلمہ حصر کے ساتھ جس طرح کلمہ حصر کے ساتھ اللہ کی واحدانیت کو پیش فرمایا۔ مثلاً
انما الهكم اله واحد ۔ اسی طرح کلمہ حصر کے ساتھ اپنی بشریت کو پیش فرمایا۔ قرآن کریم میں بھی اور اپنے ارشادات میں بھی! مثلاً قرآن کریم قل انما انا بشر مثلکم پھر کس قدر صراحت و وضاحت سے اس مثلیت کو پیش فرمایا کہ جس طرح دوسرے بشر خوش ہوتے ہیں اسی طرح خوش ہوتا ہوں۔ اور جس طرح دوسرے بشر

---

[1] یہ تمام روایات صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

ناخوش و ناراض ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی ناخوش و ناراض ہوتا ہوں۔

اللہ اللہ! کس عجیب مبہم الفاظ و اسلوب سے نفس بشریت میں اپنا دوسروں کا شریک ہونا واضح فرمایا۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں برائے نام اور بظاہر بشر ہوں اور حقیقت میں کچھ اور ہوں۔ جیسے بعض جہلا نے کہا ہے کہ

محمد مصطفیٰ ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اس فریب کا پردہ چاک فرما کر حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان فرما دیا کہ محمد صرف بظاہر بشر نہیں، وہ حقیقت بھی بشر ہے۔ اور برائے نام بشر نہیں بلکہ اوصاف و لوازم بشریت میں بھی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ شریک ہے۔ جس طرح دوسرے بشر خوش اور ناخوش ہوتے ہیں اسی طرح محمد بھی خوش اور ناخوش ہوتا ہے۔

يغضب كما يغضب البشر (صلى الله عليه وسلم)

دلیل نمبر ۱۹/۲۹ حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے۔ فرمایا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پانی کے موقع پر جسے خم کہا جاتا ہے۔ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ پھر وعظ و تذکیر فرمائی۔ پھر فرمایا۔ اما بعد۔

أَلَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بشر يوشك ان ياتى رسول ربى فاجيب ، انى تارك فيكم ثقلين

خبردار! اے لوگو سوا اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (ملک الموت پیغام وفات لے کر) آجائے اور میں قبول کر لوں (یعنی میں وفات پا جاؤں)، بلاشبہ میں

اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا ۔ (رواہ مسلم[1]) تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے تمسک کرو۔

قربان جائیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح اپنی بشریت کو بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح دوسرے بشر وفات پا جاتے ہیں اسی طرح میں بھی ایک دن داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر جام وفات پی لوں گا۔

دلیل نمبر ۲۰ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے "وسیلہ" کی دعا کرو "وسیلہ" جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

لاینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوان اکون انا ھو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں گا۔

پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی۔ اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی[2]۔

دلیل نمبر ۲۱ حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد گزاری، یہاں تک کہ آپؐ کے قدمین شریفین متورم ہو گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ سب بخشے جا چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب اہل بیت النبیؐ [2] ایضاً باب فضل الاذان۔

اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(متفق علیہ [۱]) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل نمبر ۲۲ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا۔

اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللّٰہُ۔ بلاشبہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ دنیا کے حسن و بہار میں سے جو چاہے اللہ سے عطا فرمائے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمتیں ہیں وہ پائے تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس پر ابوبکر صدیق رو پڑے (لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ) وہ اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیا گیا تھا۔ اور ابوبکر صدیق ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا [۲]۔

اَدعیۂ نبویہ

دلیل نمبر ۲۳ حضرت ابوحذیفہ سے ترمذی، حضرت براء سے مسند احمد اور حضرت حفصہ سے ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر تین بار کہا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ — الٰہی جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا

تَبْعَثُ عِبَادَکَ [۳] — اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچا۔

اس دعا میں حضور اپنے آپ کو بھی عباد اللہ میں شامل کر کے قیامت کے دن

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح باب التحریض علی قیام اللیل ۲۔ ایضاً باب وفات النبی ۳۔ مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام۔

عذاب سے بچاؤ کی دعا مانگ رہے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۴ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تشہد میں دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات اللھم انی اعوذ بک من الماثم والمغرم (متفق علیہ)[1]

اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور دجال کے فتنہ اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الٰہی میں قرض اور گناہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عذاب قبر، فتنۂ دجال، فتنۂ حیات و ممات اور گناہ اور قرض انسانوں سے ہی متعلق ہیں۔ حضرتؐ ان سب سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں۔ تو حضورؐ کی بشریت ثابت ہو گئی۔

دلیل نمبر ۲۵ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من الھم والحزن والعجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبۃ الرجال (متفق علیہ)[2]

الٰہی میں غم و اندوہ سے اور عاجزی و کاہلی سے بزدلی اور بخیلی سے اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے تیری پناہ مانگتا ہوں (بخاری و مسلم)

دلیل نمبر ۲۶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی میں سستی و کاہلی اور انتہائی بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں آگ کے عذاب سے

---

[1] ایضاً باب الدعاء فی التشہد [2] مشکوٰۃ باب الاستعاذہ

آگ کے فتنہ سے ، قبر کے فتنہ سے ، قبر کے عذاب سے ، دولت کے فتنہ سے ، افلاس کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

اے اللہ! میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو ایسا پاک صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف ہوتا ہے اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا بُعد ڈال دے جتنا بُعد مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔[1]

دلیل نمبر ۲۷ — حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من العجز و الکسل والجبن والبخل والھرم وعذاب القبر۔ (رواہ مسلم)[2]

اے اللہ! میں عاجزی سے ، کاہلی سے ، بزدلی سے ، بخل سے انتہائی بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

دلیل نمبر ۲۸ — حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من خمس من الجبن والبخل وسوء العمر وفتنة الصدر وعذاب القبر۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)[3]

پانچ چیزوں سے (خدا کی) پناہ مانگا کرتے تھے بزدلی سے ، بخل سے ، عمر کی برائی (انتہائی بڑھاپے) سے اور دل کے فتنہ (اخلاق ذمیمہ وعقائد باطلہ) سے اور عذاب قبر سے۔

دلیل نمبر ۲۹ — حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من الفقر والقلة والذلة و اعوذ بک

اے اللہ! میں افلاس اور بخیلی یا مال کی کمی اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور

---

[1] ایضاً [2] مشکوٰۃ باب الاستعاذہ [3] ایضاً

من ان اظلم او اظلم — ! کسی پر ظلم کرنے یا کسی کے ظلم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
(رواہ ابوداؤد والنسائی)[1]

دلیل ۳۰/۹۰ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے۔ الٰہی! میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ انسان کی بدترین ساتھی ہے اور میں خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ بدترین خصلت ہے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)[2]

دلیل ۳۱/۹۱ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

کان یقول اللهم انی اعوذبک من البرص والجذام والجنون ومن سیئ الاسقام (رواہ ابوداؤد ونسائی)[3]

فرمایا کرتے تھے الٰہی! میں برص، کوڑھ، دیوانگی اور تمام بری بیماریوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

دلیل ۳۲/۹۲ حضرت ابوالیسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کان یقول اللهم انی اعوذبک من الهدم واعوذبک من التردی ومن الغرق والحرق والهرم واعوذبک من ان یتخبطنی الشیطان عند الموت . . . . . . !

دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں اپنے اوپر مکان وغیرہ گرنے سے اور خود اونچی جگہ سے گرنے سے اور غرق ہونے سے اور جلنے سے اور انتہائی بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان موت کے وقت مجھے پریشان کرے۔

اور اس سے بھی میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیری راہ میں لڑتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوں اور مارا جاؤں اور اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں سانپ

---

[1] ایضاً [2] مشکوٰۃ باب الاستعاذہ [3] ایضاً

بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے مرنا۔ (ابو داؤد، و نسائی) [1]

مندرجہ بالا آٹھ ادعیہ نبویہ میں غم و فکر، عجز و کسل، بزدلی، بخل، قرض، مغلوبیت انتہائی بڑھاپے، گناہ، عذاب النار، عذاب قبر، دولت کے فتنہ، افلاس کے فتنہ مسیح دجال کے فتنہ، عقائد باطلہ، فقر و افلاس، قلت و ذلت، ظلم کرنے، مظلومیت، بھوک، خیانت، برص، جذام، جنون، امراض خبیثہ، مکان کے نیچے دب کر یا بلندی سے گر کر، یا پانی میں ڈوب کر، یا آگ میں جل کر وفات پانے اور وفات پانے کے وقت شیطان کے تصرف اور جہاد فی سبیل اللہ سے فرار اور سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے وفات پانے سے خدا کی پناہ طلب کی گئی ہے اور تمام روایات میں ہے کہ حضور عموماً یہ دعائیں مانگا کرتے تھے اور یہ تمام امور خصائص انسانی و لوازم بشریت میں امور بشر ہی سے متعلق ہیں۔ لہٰذا ان تمام ادعیہ مبارکہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہوگئی۔

حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

اب دیکھئے کہ حضرات انبیاء و رسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲۸ حضرت آدم علیہ السلام معراج کی طویل حدیث میں حضرت مالک بن صعصعہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معراج کی رات کا حال سناتے ہوئے فرمایا۔

مجھے براق پر سوار کیا گیا اور مجھ کو جبرائیل علیہ السلام لے چلے۔ یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔۔۔ میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الاستعاذہ۔

جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا۔

ھذا ابوك آدم! آپ کے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں۔
آپ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر

مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح (متفق علیہ[1]) مرحبا صالح بیٹے اور نبی صالح (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

دلیل نمبر ۴۲ حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

اسی حدیث میں ہے کہ اسی دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور آسمان پر جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر پہنچے۔ اور اسی طرح مختلف آسمانوں پر جبرئیل نے کہا۔ یہ یحییٰ ہیں، یہ عیسیٰ ہیں، یہ یوسف ہیں، یہ ادریس ہیں، یہ ہارون ہیں، یہ موسیٰ ہیں (علیہم السلام) ہیں۔ آپ ان کو سلام کیجئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پس میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر (سب نے کہا)

مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح مرحبا! صالح بھائی اور صالح نبی!
(متفق علیہ[2]) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

دلیل نمبر ۴۳ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح، جبرئیل مجھے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے۔ وہاں پہنچا تو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) موجود ہیں۔ جبرئیل نے کہا۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعراج [2] مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعراج۔

هذا ابوك ابراهيم — یہ آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

آپ ان کو سلام کیجئے میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا۔

مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح (متفق علیہ[1]) — مرحبا نیک بیٹے اور نیک نبی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ان شواہد و حقائق سے یہ حقیقت کھل گئی اولوالعزم حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ یعنی عالم مثال میں جسم مثالی سے متشکل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن آدم یعنی آدمی ہونے کی شہادت دے رہی ہیں اور ملاء اعلیٰ حضورؐ کی بشریت کے اعلان سے گونج رہے ہیں۔

حضرات ملائکۃ اللہ علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اب دیکھئے کہ حضرات ملائکۃ اللہ علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا سمجھتے اور کیا کہتے ہیں۔

دلیل نمبر ۳۶ / ۸۶ سیدنا حضرت جبریل علیہ السلام

حدیث معراج میں دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا

هذا ابوك آدم — یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں

هذا ابوك ابراهيم[2] — یہ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں

دلیل نمبر ۳۷ / ۸۷ منکر اور نکیر علیہما السلام

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

[1] ایضاً [2] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعراج

کہ جب بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب اس سے واپس ہو آتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پس وہ اسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔

ماکنت تقول فی ھذا الرجل تو اس آدمی کو کیا سمجھتا تھا؟

مومن کہتا ہے۔

اشھد انہ عبد اللہ و رسولہ ۔ ! میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور منافق اور کافر سے جب پوچھا جاتا ہے۔

ماکنت تقول فی ھذا الرجل تو اس شخص کے حق میں کیا کہتا تھا؟

تو وہ جواب دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ ... پس وہ لوہے کے ہتھوڑوں سے پیٹا جاتا ہے اور وہ چیختا چلاتا ہے جسے انس و جن کے سوا اس کے قریب والے سب سنتے ہیں۔ (متفق علیہ و لفظ للبخاری) [1]

اس حدیث کا مضمون صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ لیکن یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

دلیل نمبر ۳۸ ترمذی شریف میں بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب میت قبر میں دفن کی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے (ہیبت ناک) فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو المنکر اور دوسرے کو النکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں سوال کرتے ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر۔

ما کنت تقول فی ھذا الرجل — تو اس آدمی کے حق میں کیا کہتا ہے؟

تو وہ کہتا ہے۔ ھو عبد اللہ ورسولہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ آگے حدیث میں یہ مضمون ہے کہ اس کے لئے قبر بہشت وسیع اور منور کر دی جائے گی۔ اور قیامت تک چین کی نیند سوتا رہے گا اور منافق اس قسم کے سوال پر لا أدری کہے گا۔ پس زمین کو حکم دیا جائے گا۔ وہ اس پر اس حد تک تنگ ہو جائے گی کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر ہو جائیں گی اور قیامت تک اسی طرح معذب رہے گا (ترمذی)[1]

دلیل نمبر ۲۹: اس حدیث کے بعد حضرت براء بن عازب کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث احمد اور ابوداؤد سے منقول ہے۔ اس میں فرشتے سوال کرتے ہیں۔

ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم؟ — یہ شخص جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا کیا (منصب رکھتا) ہے۔

فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] — وہ کہتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دلیل نمبر ۳۰: اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کے الفاظ ہیں۔ سوال کیا جائے گا۔

ما ھذا الرجل فیقول محمد رسول اللہ ﷺ — یہ آدمی کون ہیں؟ وہ جواب دے گا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

خلاصہ:۔ ان احادیث شریفہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نجات کی بنیاد ایمان اور ایمان کی بنیاد حضور ﷺ کی بشریت ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر

خوش نصیب مومن کو وہ برزخ اور عذاب الیم سے نجات ملے گی، تو گویا جہنم سے نجات اور جنت کے یہ نظارے محض ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان کی اصل اور اساس یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رجل یعنی بشر تسلیم کیا جائے اور آپ کے عبد اللہ اور رسول اللہ ہونے کی شہادت دی جائے۔ جو بدقسمت حضور کی نبوت و عبدیت کو نہیں مانتے وہ قبر میں عذاب الیم میں مبتلا ہوں گے۔ اور آخرت میں نار جہنم میں جلیں گے۔ اللہ ہر مسلمان کو حضور کو رجل تسلیم کرنے، بشر ماننے اور حضور کی عبدیت و رسالت کی تصدیق و شہادت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ قبر میں بھی سکون و راحت نصیب ہو اور آخرت میں بھی جنت ملے۔ بہرحال ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہو گیا کہ حضرت جبریل امین، منکر اور نکیر وغیرہم علیہم السلام حضور کو اولاد آدم اور بشر و رجل جانتے اور مانتے ہیں۔ بلکہ عالم برزخ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رجل یعنی بشر سمجھتے اور رجل (بشر) ہی کہتے ہیں۔ حدیث معراج سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت زمین پہ بھی بشر ہیں اور آسمان پر بھی بشر ہی ہیں۔

بہرحال حضور زمین پہ ہوں یا آسمان پہ۔ عالم دنیا میں ہوں یا عالم برزخ میں ہر جگہ اور ہر ظرف میں اولاد آدم ہیں۔ رجل ہیں، بشر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سینکڑوں ارشادات

درحقیقت ذخیرہ حدیث میں سینکڑوں ارشادات رسول ایسے مل سکتے ہیں جن سے حضور کی بشریت ثابت ہے۔ مگر ہم ان چالیس احادیث پر بس کرتے ہیں کہ۔

دریا سے تموج جانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اخلاق و شمائل نبویہ اور سوانح و واقعات حیات مقدسہ

سے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت

کے

بیس ۲۰ دلائل

ارشادات رسول کے بعد اب ذرا حضور کریم ﷺ کے اخلاق و شمائل اور حیات نبویہ کے حالات و واقعات سے نبی کریم ﷺ کی بشریت کے واضح دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل نمبر ۹۱ بچوں کے ساتھ کھیلنا

وھو یلعب مع الغلمان (رواہ مسلم[1])

حضرت انس سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے۔ اس وقت آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

دلیل نمبر ۹۲ بکریاں چرانا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے ایک قریشی نوجوان کو جو میرے ساتھ تھا۔ کہ مکہ شہر کی بالائی جانب اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ کہا۔

البصر لی غنمی ۔۔۔ ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا۔

اسے ابن ماجہ نے اپنی مسند میں اور ابن اسحاق اور بزار اور بیہقی اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے[2]

دلیل نمبر ۹۳ اکل و شرب

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا۔ میں بھی حضورؐ کے ساتھ گیا۔ اس نے جو کی روٹی اور خشک گوشت اور کدو کا شوربا پیش کیا۔

فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتتبع الدباء من حوالی الصحفۃ فلم ازل احب الدباء بعد یومئذ (متفق علیہ[3])

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیالے کی اطراف میں سے کدو کو تلاش فرماتے تھے۔ اس دن کے بعد میں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔

دلیل نمبر ۹۴

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتنفس فی الشراب ثلاثا (متفق علیہ[4])

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتے وقت تین بار سانس لیا کرتے تھے (یعنی ایک ہی سانس میں سارا مشروب نہیں پی لیا کرتے

---

[1] ترجمان السنۃ جلد سوم ص ۲۰۰ [2] ایضاً ص [illegible] [3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمہ [4] مشکوٰۃ [illegible] باب الاشربہ

تھے لہذا درمیان میں تین و قفے کر کے نوش فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل نمبر ۹۵، کھانا پینا | حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اذا فرغ من طعامہ قال الحمد | جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے
للہ الذی اطعمنا وسقانا | شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور
وجعلنا مسلمین لہ۔! | مسلمان بنایا (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

دلیل نمبر ۹۶، حوائج ضروریہ بشریہ سے فراغت | حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من الخبث | اے اللہ! میں خبث و خبائث سے تیری
والخبائث (متفق علیہ) | پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دلیل نمبر ۹۷ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔

غفرانک۔! | اے اللہ! میں تیری بخشش کا طلبگار ہوں۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

دلیل نمبر ۹۸، ازواج مطہرات سے پیار | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے، پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں فرماتے تھے (یعنی پہلے سے با وضو ہوتے تھے)۔ یقبل بعض ازواجہ ثم یصلی ولا یتوضأ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

لہ ایضاً کتاب الطہارۃ ایضاً باب آداب الخلاء کہ مشکوٰۃ باب آداب الخلاء

ابراہیم جاں دے رہے تھے۔

فجعلت عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تذرفان — یہ دیکھ کر آپ کی آنکھیں مبارک اشکبار ہو گئیں۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں فرمایا اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔ پھر آپ نے آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا۔

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون۔ — بے شک آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہے۔ لیکن خدا کی مرضی کے خلاف ہم زبان پر کوئی لفظ نہیں لائیں گے اور اے ابراہیم! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تمہاری جدائی سے دردمند ہیں۔

(متفق علیہ) [1] (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دلیل نمبر ۱۰۲ جذبات مسرت — حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کسی واقعہ یا کسی بات سے مسرت طاری ہوتی تو آپ کا چہرۂ انور چمک اٹھتا۔ یہاں تک کہ

کان وجھہ قطعة قمر — آپؐ کا چہرۂ انور چاند کا ٹکڑا نظر آتا

(متفق علیہ) [2] (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دلیل نمبر ۱۰۳ روئے انور کا زخمی ہونا اور دندان مبارک کا ٹوٹنا — حضرت سہل بن سعدؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زخم کے بارے میں پوچھا گیا جو جنگ احد میں آپؐ کو لگا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ ڈھال سے پانی لے کر اس پر ڈالتے جاتے اور حضرت فاطمہؓ بنت رسول زخم دھوتی جاتی۔ جب حضرت

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب البکاء علی المیت [2] ایضاً باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے خون کسی طرح بند نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ لے کر زخم پر ڈالی۔ تب کہیں جاکر خون خشک ہوا۔

وكسرت رباعيته يومئذ وجرح وجهه وكسرت البيضة على رأسه ورواه البخاري في المغازي [1]

اس دن آپ کے چار دانت شہید ہوگئے۔ روئے انور زخمی ہوا اور آپ کے سر مبارک کا خود بھی ٹوٹ گیا۔

دلیل نمبر۱۱ جادو کا اثر | حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم سُحِرَ! [2]

ایک بار حضور ﷺ پر جادو چلایا گیا۔ (صحیح بخاری)

دلیل نمبر۱۲ زہر کا اثر | حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وفات میں فرماتے تھے: اے عائشہؓ! میں نے خیبر میں جو زہر آلود کھانا کھایا تھا، اس کی تکلیف میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ (رواہ البخاری) [3]

دلیل نمبر۱۳ وفاتِ مقدسہ | حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اپنی قیام گاہ سنح سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ داخلِ مسجد ہوئے، سیدھے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ پر اس وقت ایک یمنی چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور آپ پر جھک کر آپ کو بوسہ دیا، پھر رو پڑے۔ اس کے بعد مسجد میں جاکر حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ — بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے۔

---

[1] ترجمان السنۃ ج سوم ص ۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۴۲ [3] ایضاً ص ۲۴۲

ارشاداتُ الصحابہؓ

سے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے

آٹھ دلائل

کتاب اللہ، ارشاداتِ رسولؐ اور حیاتِ نبویہ کے سوانح و واقعات کے بعد اب ارشاداتِ الصحابہؓ ملاحظہ ہوں جن میں صحابہ کرامؓ واشگاف الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہہ رہے ہیں

دلیل نمبر ۱۱ جمیع صحابہ کرامؓ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُری اللیلۃ رجل صالح ۔۔۔۔۔!

آج رات ایک نیک آدمی کو خواب میں دکھایا گیا کہ ۔۔۔۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں جب ہم حضورؐ کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا کہ

اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ

وہ نیک آدمی جس کو یہ خواب دکھایا گیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دلیل نمبر ۱۲ حضرت انسؓ حضرت انسؓ سے روایت ہے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس ۔! (متفق علیہ لہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تمام انسانوں سے زیادہ سخی اور تمام انسانوں سے زیادہ بہادر تھے۔

دلیل نمبر ۱۳ سیدہ عائشہؓ حبیبۂ حبیب دو عالم صدیقہ بنت صدیقؓ ام المومنین سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ قالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا خود گانٹھ لیا کرتے تھے۔ اپنا کپڑا خود سی لیا کرتے تھے۔ اور جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے اسی طرح آپ بھی اپنے گھر میں تمام کاج کر لیا کرتے تھے فرمایا آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ آپ اپنے کپڑوں میں سے

لہ مشکوٰۃ المصابیح باب فی اخلاق وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ایضاً باب مناقب [illegible]

نفسہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جوئیں بھی دیکھ لیتے تھے اور اپنی بکری کا بھی دودھ لیا
(رواہ الترمذی لہ) کرتے تھے اور اپنے ذاتی کام بھی خود کر لیا کرتے تھے

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

بعض فریب خوردہ یا فریب کار اصحاب یہ کہتے ہیں کہ واقع میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں مگر ہمیں آپ کو بشر کہنا نہیں چاہیئے۔ اس لئے کہ آپ کو بشر کہنے میں آپ کی توہین ہے۔ (معاذ اللہ)

اللہ کے بندو، جب آپ کا بشر ہونا موجب توہین نہیں تو آپ کو بشر کہنا موجب توہین کیسے ہو گیا؟

آپ کا پیارا خدا آپ کو بشر کہے، آپ خود اپنے آپ کو بعینہ بشر کہیں، پھر بشر کہنے میں آپ کی توہین کیسے ہو گئی؟ جواب دیا جاتا ہے کہ خدا اور خود حضور بھی اپنے آپ کو بشر کہہ سکتے ہیں، مگر اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ آپ کی محبت کا یہی تقاضا ہے۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ آپ کی جو محبت اور عزت صحابہ کرام خصوصاً آپ کی محبوبہ ام المومنین حضرت صدیقہؓ کے دل میں تھی وہ کسی اور کے دل میں نہیں ہو سکتی۔ جب جبیبہ حبیب دو عالم آپ کو بشر اور حضرت انسؓ ایسے آپ کے صحابی اور خادم خاص اور محب صادق و مصدق آپ کو انسان فرماتے ہیں تو پھر آپ کو بشر اور انسان کہنے میں آپ کی توہین کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا آپ کی توہین یقیناً ایمان کی موت اور کفر ہے۔ مگر آپ کو بشر سمجھنا اور بشر کہنا عین ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

مزید تفصیل

چونکہ یہ مغالطہ عام ہونے کے علاوہ جہلاء میں اثر انگیز بھی ہے۔ لہذا اتمام حجت، اطمینان قلب اور تسکین و تسلی خاطر کے لئے ہم کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

لہ مشکوٰۃ المصابیح باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل نمبر ۱۴: یارِ غار سید البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ — صدیق اکبر سے زیادہ حضور کا محب صادق اور رفیق مخلص کون ہو گا۔ دیکھئے آپ بھی حضور کو رجل یعنی بشر فرما رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ (حضرت) ابوبکر کے آگے ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ اور ابوبکر (بسلسلہ تجارت لوگوں میں متعارف ہونے کے لحاظ سے) بوڑھے تھے۔ لوگ انہیں جانتے پہچانتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس اعتبار سے) جوان تھے، لوگ آپ کو جانتے پہچانتے نہ تھے۔ پس جو آدمی ابوبکر سے ملتا تھا اور کہتا تھا۔ اے ابوبکر! یہ شخص جو آپ کے آگے ہے کون ہے۔ ابوبکر فرماتے تھے۔

هذا الرجل يهديني السبيل[1] — یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۵: سیدنا علی بن ابی طالب — سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذات پاک رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبی اور ذاتی قرب اور روحانی رابطہ و تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ دیکھئے آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں میں سے ایک انسان فرما رہے ہیں۔

سیدنا علی بن ابی طالب حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے تو فرماتے تھے۔

وهو خاتم النبيين اجود الناس صدرًا واصدق الناس لهجة والينهم عريكة

آپ خاتم الانبیاء تھے تمام انسانوں سے زیادہ سخی دل اور تمام انسانوں سے زیادہ سچی زبان والے اور تمام انسانوں سے زیادہ نرم خو اور خاندان کے لحاظ سے سب انسانوں

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

واکرمهم عشیرۃ ا ۔ لہ | سے زیادہ معزز تھے

حضرت عبداللہ بن عباس | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی علم و فضل کے اعتبار سے بلند تر مرتبہ اور درجہ کی مالک ہے۔ آپ حبر امت کے لقب سے ملقب ہیں۔ کتاب اللہ کے بہترین مفسر ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ و نسب کا قرب حاصل ہے۔ آپ کے عم محترم سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لخت جگر اور نور نظر ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت و شرف معیت سے انہیں گھر اور باہر بہت زیادہ متمتع و مستفیض اور مشرف ہونے کا موقع ملا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

دلیل ۱۲۶ / ۹ | کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس ۔ ا ۔ لہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے زیادہ صاحب جود و سخا تھے

دلیل ۱۲۷ / ۱۰ ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ آپ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھا واحسنه خلقا ۔ ! لہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکل و صورت کے اعتبار سے سب انسانوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور خلقت کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ احسن تھے۔
دلیل ۱۲۸ / ۸ | کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا مربوعا۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد کے آدمی تھے۔

لہ شمائل ترمذی باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲ہ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳ہ ایضاً ۴ہ شمائل ترمذی باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلف صالحین کے ارشادات

۱۔ حضرات فقہاء و محدثین اور مفسرین کا ارشاد

بطور نمونہ مشتے از خروارے امام الفقہاء حضرت شیخ ولی الدین العراقی رحمۃ اللہ کا ارشاد پیش کیا جاتا ہے، جسے خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر اور امام المحدثین رئیس المورخین حضرت علامہ زرقانی نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔

دلیل ۱۱۹ شیخ ولی الدین العراقی سے سوال کیا گیا کہ دکیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے اور عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟ فاجاب بانہ شرط فی صحۃ الایمان تو آپ نے جواب دیا کہ یہ صحت ایمان کی شرط ہے۔ پھر فرمایا اگر ایک شخص نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ حضور (جنس) بشر میں سے ہیں یا ملائکہ میں سے یا جن میں سے یا میں نہیں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی ۔۔۔ فلاشک فی کفرہ لتکذیبہ القرآن، تو بوجہ تکذیب قرآن اس کے کفر میں کوئی شک نہیں، اور اس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرون اسلام خلفاً عن سلف قائم رہے اور جو خاص و عام سب (مسلمانوں) کو بہر حال معلوم ہے اور مجھے علم نہیں کہ اس میں کسی کو خلاف ہو۔ ولا اعلم فی ذلک خلافاً اگر کوئی غبی ہو اور یہ حقیقت نہ جانتا ہو، تو اسے اس کی تعلیم دینا واجب ہے۔ پھر اگر وہ اس کے بعد بھی اس کا انکار کرے حکمنا بکفرہ تو ہم اس کے کفر کا حکم دیں گے[1]

---

[1] روح المعانی، تفسیر آیت لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم۔ و "الزرقانی" علی المواہب المدنیہ ج ۶ ص ۱۶۸۔

۲. ائمہ علم عقائد کی تصریحات

آیئے ! ذرا دیکھ لیجئے کہ علم عقائد کے ماہرین کس صراحت سے نبی اور رسول کی بشریت و انسانیت بیان فرما رہے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۲۰ | شرح عقائد میں علامہ سعد الدین رسول کی بحث میں لکھتے ہیں۔

وقد ارسل اللّٰہ تعالیٰ من البشر الی البشر۔ ا ۱
بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے رسول بشر میں سے بشر کی طرف بھیجا۔

اس سے پہلے رسالت کی تعریف لکھتے ہیں۔

ھو سفارۃ العبد بین اللّٰہ سبحانہ و بین ذوی الالباب ۲
رسالت اللہ تعالیٰ اور عقل مندوں کے درمیان بندے کی سفارت ہے۔

یعنی رسالت خدا اور بندگان خدا کے درمیان ایک بندے کی سفارت کا نام ہے اور رسول ایک بندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۲۱ | علامہ کمال بن ابی شریف فرماتے ہیں۔

ان النبی انسان بعثہ اللّٰہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق ۳
بالتحقیق نبی ایک انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں جو اسے کی گئی ہے اسی طرح رسول (اس معنی میں ان میں کوئی فرق نہیں)

دلیل نمبر ۱۲۲ | علامہ الکمال بن الہمام لکھتے ہیں۔

فالنبی علی ھذا انسان اوحی الیہ بشرع۔ ۴
علی ہذا نبی ایک انسان ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہے۔

۱ نبراس شرح شرح العقائد ص ۵۴۴ ۲ ایضاً ص ۳۴۴ ۳ مسامرہ ص ۱۹۸

مطبوعہ مکتبہ علی امیریہ مصر ۴ مسایرہ مع شرح مسامرہ ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر

مسئلہ بشریت پر اعتراضات و جوابات

قارئین کرام! ہم اس باب میں منکرین کے تمام اعتراضات کے جوابات عرض کریں گے آپ سے درخواست ہے کہ آپ منکرین کے تمام اعتراضات اور ہمارے جوابات پر دیانتداری سے غور فرمائیں تاکہ آپ کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آئے۔

منکرین کا لفظ قل پر نرالا نکتہ: قل میں یہ نکتہ ہے کہ خدا کہتا ہے کہ اے نبی تو کہہ دے کہ میں تمہاری طرح جنس کے لحاظ سے بشر ہوں لیکن میں (خدا) نہیں کہتا کہ تو جنس کے لحاظ سے بشر ہے۔

جواب نمبر ۱۔ بقول ان کے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے قُل میں بھی یہی نکتہ استعمال کرکے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ آپ پر ظاہر ہے۔

جواب نمبر ۲:۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پ ۲۴) ترجمہ:۔ تو کہہ مجھ کو منع ہوا کہ پوجوں جن کو تم پکارتے ہو سوا اللہ تعالیٰ کے۔

ان کے نکتے کے پیش نظر مطلب یہ ہوا حضور ﷺ فرماتے ہیں خدا کی طرف سے بتوں کی پوجا کرنے سے روکا نہیں گیا ہوں۔ استغفر اللہ۔ اب آپ ہی بتائیں کہ خدا لگتی کہیئے کہ کیا بیٹے نکتہ سے خدا کی توحید باقی رہی اور اسی طرح دوسری آیت میں اسی نکتہ کے پیش نظر حضور ﷺ کی کتنی توہین ہوئی۔ اللہ کی توحید پر پانی پھیر کر اور آنحضرت ﷺ کی توہین کرکے پھر بھی فرما رہے ہیں کہ ہم سچے مسلمان اور سچے مومن ہیں خدا جانے غیر ان کے نزدیک کا فر کا کیا معنی ہوگا۔

جواب نمبر ۳:۔ اس نرالے نکتے کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ بھی ثابت ہوا کہ ..

قُل اِنَّمَا اَنَا کلامِ خدا نہیں جب خدا تعالیٰ نے آپؐ کو بشر کہا نہیں پھر کلام خدا کیسے ہو گیا۔ بلکہ حضورؐ نے زبردستی قرآن مجید میں درج کرا دیا۔ استغفر اللہ!

یہودیوں نے بھی حضورؐ پر یہی بہتان باندھا تھا کہ یہ قرآن مجید خود بناتے ہیں۔ پھر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ دیکھئے اس منحوس نکتے نے کفر کی دنیا کو کتنی قوت دی جو کام یہودی نہ کر سکے آج چودھویں صدی کے نام نہاد عاشق اس کو پورا کر رہے ہیں ان شریر فانے نے یہ سمجھا کہ لفظ قُل کے صحیح مطلب کو ہم قُل کے چنوں کی طرح چبا جاتے ہیں کون پوچھے گا۔ لیکن ان کا یہ خیال بیجا نہیں ابھی دنیا میں ان کے بہت سے مہربان موجود ہیں۔

لفظ قُل کا صحیح مطلب: لفظ قُل کا صحیح مطلب یہ ہے کہ میں (حضورؐ) اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں بلکہ جو خدا کی طرف سے حکم آتا ہے اسی کو بیان کرتا ہوں لفظ قُل کی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى صحیح تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۲: اِنَّمَا نافیہ ہے۔

جواب نمبر ۱: اِنَّمَا نافیہ نہیں ہے بلکہ اس میں تو تخصیص ہے کہ میں سوائے بشر اور رسول کے اور کچھ نہیں ہوں۔ نہ خدا ہوں اور نہ خدا کا جز ہوں اور نہ ہی نوری جنس سے ہوں۔

جواب نمبر ۲: اگر اِنَّمَا نافیہ تسلیم کیا جائے گا تو پھر اگلے حصے کا بھی یہی مطلب ہے کہ میری طرف وحی نہیں آتی۔ استغفر اللہ! آخر دونوں حصے ایک ہی آیت میں ہیں۔

جواب نمبر ۳: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ (سورۃ مائدہ) میں بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا مسلمانوں کا ولی نہیں ہے۔ جب یہ ماننا محال ہے تو پھر اِنَّمَا کو نافیہ بنانا بھی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳:۔ بشر مثلکم، حضورؐ نے کافروں کو فرمایا تھا مومنوں کو نہیں فرمایا۔

جواب نمبر ۱:۔ سوچنے کی بات ہے۔ حضورؐ نے جن کو فرمایا ہے ان کی طرح بشر ہیں اور صحابہؓ کی طرح جنس کے لحاظ سے بشر نہیں۔

جواب نمبر ۲:۔ بغیر نبوت میں بھی کافروں کو فرمایا کہ میں نبی ہوں مومنوں کو نہیں فرمایا استغفر اللہ!

جواب نمبر ۳:۔ بشر [illegible] مثلکم میں مماثلت جنسی ہے ذکر رہتی۔ جو حضورؐ کو دشمن میں [illegible] سے اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی طرح جو حضورؐ کو اولادِ آدمؑ سے خارج کرتے وہ بھی پہلے گروہ کا ساتھی ہے۔

جواب نمبر ۴:۔ بشر مثلکم میں جنسیت کو اور یوحیٰ الیّ میں نبوت کو بیان فرمایا ہے۔

اعتراض نمبر ۴:۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے میری طرح کا کوئی نہیں۔

جواب نمبر ۱:۔ اس حدیث میں جنسیت کی نفی نہیں بلکہ مرتبہ کی نفی ہے۔ اس لئے کہ تم بھی تابع ہیں اور اس حدیث میں روزوں کا ذکر ہے یہ قرینہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے روحانی مقام کی نفی فرمائی ہے نہ کہ جنس کی۔

جواب نمبر ۲:۔ قرآن پاک میں مثلکم ہے اور حدیث میں ایکم مثلی کے الفاظ ہیں تو نتیجہ یہی نکلے گا، قرآن پاک نے جنس کے لحاظ سے مثلکم فرمایا اور یوحیٰ الیّ الگ ہے اور حدیث میں بھی مرتبہ کے لحاظ سے نفی کی گئی ہے۔ کیا یہ فرمایا کہ میں اولادِ آدمؑ سے [illegible] ہوں۔ اگر ہے تو دکھائیے۔

جواب نمبر ۳:۔ ہم بغیر قرآن پاک سے مثلکم کا ترجمہ [illegible] عرض کرتے ہیں

یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبیؐ کی عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی کی عورتو۔ تم اور عورتوں کی مانند نہیں ہو جس طرح حضورؐ کی بیویاں عورتیں ہیں لیکن حضورؐ کے ساتھ عقد ہو جانے کی وجہ سے عام عورتوں سے مقام میں بلند ہیں۔ اسی طرح حضورؐ بشر ہیں لیکن نبوت کی وجہ سے تمام انسانوں سے مقام میں بلند ہیں۔ فرشتوں سے افضلیت پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵:۔ حضرت امام یافعیؒ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ حضورؐ بشر نہیں ہیں۔

جواب نمبر ۱:۔ اول تو ہم نص قطعی کے خلاف کسی کا قول قبول نہیں کرتے۔

جواب نمبر ۲:۔ لو اس شعر کا مطلب بھی آپ کی خدمت میں عرض کر دیتے ہیں۔

محمدٌ بشرٌ لا کالبشر   یاقوتٌ حجرٌ لا کالحجر

ترجمہ: حضرت محمدؐ بشر ہیں۔ عام بشر نہیں۔ یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

حضرت امام یافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ بشر ہیں لیکن تمام انسانوں سے مقام میں بلند ہیں۔ پھر اس کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ جیسے یاقوت بھی جنس پتھر سے ہے لیکن اپنے حسن کی وجہ سے عام پتھروں کی طرح نہیں اسی طرح حضورؐ بشر ہیں۔ لیکن ختم نبوت کی وجہ سے تمام مخلوقات سے مقام میں بلند ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی نے بھی اپنی کتاب جاء الحق میں بشر کی بحث میں بلا تامل" اس شعر کو اپنے دعویٰ میں پیش کر دیا۔ حالانکہ ان کا دعویٰ بالکل ثابت نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۶:۔ قل انما انا بشر متکلم میں عاجزی ہے۔

جواب نمبر ۱:۔ یوحیٰ الیّٰ میں بھی عاجزی تسلیم کیجئے آخر دونوں ایک ہی

آیت میں ہے۔

جواب نمبر ۲:۔ نبی خدا کے آگے عاجزی کرتا ہے بندوں کے آگے عاجزی نہیں کیا کرتا۔ اگر نبی عقائد دین میں بھی عاجزی کرے تو امت کو کیا پتہ چلے گا کہ دین کے عقائد کون سے اور عاجزی کونسی ہے۔

جواب نمبر ۳:۔ اگر مرزائی یہ کہے کہ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ میں عاجزی ہے تو جواب آپ کا ہوگا وہی جانا ہوگا۔ کسی نے تقیہ کی آڑ لے کر مذہب کا مقصد فوت کرنا چاہا لیکن مرزائی یہ نبی کو عاجز بنا کر دین میں گڑبڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

"عاجزی" اور "تقیہ" ان دونوں میں صرف حرفوں کا فرق ہے مطلب بالکل ایک ہی ہے۔

اعتراض نمبر ۷:۔ جس طرح کوئی بڑا آدمی لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ میں تو آپ کا خادم ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ہم بھی اس کو خادم کہیں یا اس سے خادموں کی طرح کام لیں ایسے ہی حضورؐ نے بشر فرما دیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی حضورؐ کو بشر کہیں۔

جواب:۔ "خوش قسمت" بات تو تب بنتی اگر حضورؐ ارشاد فرماتے کہ میں تمہارا بشر ہوں۔ پھر ہم بھی بشر کہنے سے اجتناب کرتے۔ لیکن آنحضرتؐ نے تو معاملہ ہی صاف فرما دیا کہ میں تمہاری طرح جنس کے لحاظ سے بشر ہوں اب فرمائیے طبیعت کا کیا حال ہے۔

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ"۔ ترجمہ: اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حَاشَ لِلّٰهِ۔ نہیں یہ شخص آدمی یا تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔

اعتراض نمبر ۸:۔ قرآن پاک کے ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ حضرت

یوسف علیہ السلام بشر نہ تھے۔ بلکہ فرشتہ تھے اور فرشتے جنس نور سے ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ حضرت یوسفؑ بھی جنسِ نور سے تھے۔ اور آنحضرتؐ تو بدرجہ اولیٰ جنس نور سے ثابت ہوئے۔

جواب نمبرا:۔ قرآن پاک نے ان الفاظ میں ایک فعل اور ایک قول کا ذکر ہے۔ یہ فعل اور قول گمراہ عورتوں کا ہے۔ یہ وہ بیگمات " تھیں جو حضرت یوسفؑ کو اپنے پھندہ میں پھنسانا چاہتی تھیں۔ نبوت کی سفید چادر کو داغدار کرنا چاہتی تھیں۔ اب فرمایئے۔ یہ فعل درست تھا یا نہیں اگر درست نہیں تھا اور یقیناً درست نہیں تھا تو پھر ان کا قول بھی درست نہیں۔

جواب نمبر ۲:۔ " مہربان " اس قطعی کو کیوں فراموش فرما دیا۔ ہاتھ کاٹنا بھی ان کا فعل تھا۔ اس فعل سے اسماعیل گوجروی نے اپنی کتاب " براہین ماتم " میں ماتم پر دلیل بنائی ہے اور قول سے آپ نے محض تکلف کیا ہے۔ پھر آپ یہ کام بھی کیجئے تاکہ کامل اتباع نصیب ہو آخر قول و فعل ایک ہی جگہ ہیں۔ ایک کو چھوڑ دینا اور ایک پر عمل کرنا یہ تو یہودیوں کی حرکت تھی جس طرح ماتم کی دلیل قطعی سے بالکل نہیں بنتی اس منطق کی رو سے آپ کی دلیل بھی نہیں بنتی۔

جواب نمبر ۳:۔ خدا جانے وہ مذہب کتنا گمراہ کن ہوگا جس مذہب کی صداقت کی دلیل گمراہ عورتوں کے قول و فعل سے ہو۔

جواب نمبر ۴:۔ ان گمراہ عورتوں کا یہ قول بے ہوشی کا ہے بے ہوشی کا قول اور پھر گمراہ عورتوں کا ہوش والے نیک مردوں کے لئے سند نہیں ہو سکتا ہاں بیہوش گمراہ عورتوں کے لئے ضرور حجت ہوگا۔

جواب نمبر ۵:۔ جمالِ یوسفی کی وجہ سے فرشتہ سے تعبیر کیا نہ کہ جنسِ نُور سے سمجھا۔

جواب نمبر ۶:۔ گمراہ عورتوں کے قول و فعل سے عقائد ثابت نہیں ہوا کرتے۔

پہلے جب حضرت یوسفؑ البشر ثابت ہوئے تو اجتہاد غلط ہے۔ نص قطعی کے خلاف اجتہاد کرنا ابلیس کی عادت ہے جیسا کہ آپ نے شیطان کی ایجادات میں پڑھا۔ دوسرے اجتہاد کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ تیسرے اجتہاد سے مسئلہ ثابت ہوتا ہے نہ کہ عقیدہ۔ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے نص قطعی چاہیئے جیسے ہم نے قُلْ اِنَّمَا کو پیش کیا ہے۔

جواب نمبر ۷:۔ قرآن پاک نے اگر ان کی تردید کی ہوتی تو بات بنائی جاتی لیکن قرآن پاک نے تو پہلے ہی اس باطل عقیدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔

ایک نکتہ: ہو سکتا ہے کہ کفر کی دنیا یہ خیال کر لیتی کہ حضرت یوسفؑ عورت کے قابل ہی نہیں تھے اس لئے خداوند تعالیٰ نے ان کی تردید فرما دی کہ یوسفؑ مرد تھے۔ محض میرے خوف کو مد نظر رکھ کر برائی کا نام نہ لیا۔ اور وہ خدا کا خاص بندہ تھا یعنی بشر بھی تھا اور نبی بھی تھا۔

جواب نمبر ۸:۔ اگر وہ گمراہ عورتیں حضرت یوسفؑ کو واقعی فرشتہ سمجھتی تھیں تو پھر ان کا اپنے برے مطلب کی طرف دعوت دینا چہ معنی دارد؟ اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ فرشتہ ہماری تمنا کو پوری نہیں کر سکتا۔

جواب نمبر ۹:۔ اگر یوسفؑ جنس اور سے تھے تو حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کا بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ نور میں تو شہوت کا مادہ ہی نہیں۔ کمال تو تبھی ہوگا جب کہ حضرت یوسفؑ کو انسان تسلیم کیا جائے جیسا کہ قرآن پاک میں وارد ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔

جواب نمبر ۱۰:۔ اگر حضرت یوسفؑ کو بشر نہ مانا جائے تو پھر عصمت انبیاءؑ کے عقیدہ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ عیسائیوں نے عصمت انبیاءؑ کا انکار

براہ راست کر دیا۔ لیکن انہوں نے در پردہ انکار کر دیا بات ایک ہی ہے۔

اعتراض نمبر ۹:۔ نماز میں بشر کو مخاطب کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ہر نمازی نماز میں آنحضرت کو ایہا النبی ؐ کے الفاظ سے مخاطب کرتا ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ؐ بشر نہیں تھے۔

جواب نمبر ۱:۔ آپ نے سرے سے مسئلہ ہی نہیں سمجھا۔ اب سمجھ لیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی نماز میں پڑھ رہا ہو تو کوئی آدمی آکر السلام علیکم کہے گا تو اگر نمازی نے اس کا جواب دے دیا تو نماز فاسد ہو گی اسی طرح چھینک کا جواب دینے سے بھی نماز فاسد ہو گی۔

معلوم ہوا کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد باہر کے آدمی کو مخاطب کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے۔ حضور ؐ کا نماز میں ذکر ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوتی

جواب نمبر ۲:۔ اگر نہیں مانتے ہو تو آپ جواب دیجئے۔ اگر نماز میں نمازی قل یاایہا الکفرون یا ایہا الانسان ما غرک کو تلاوت کرے تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں آخر ان الفاظوں میں بھی انسانوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے جو جواب آپ کا وہی ہمارا۔

جواب نمبر ۳:۔ جس طرح عام انسانوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ نمازی قرآن پڑھتے وقت ان کو مخاطب کرتا ہے تو اس سے یہ دلیل نہیں بنتی کہ یہ انسان انسان نہ تھے۔ اسی طرح حضور ؐ کو مخاطب کرنے سے بھی یہ دلیل بودی ہے کہ حضور ؐ بشر نہیں تھے۔

اعتراض نمبر ۱۰:۔ شیطان بھی انبیاءؑ کو بشر کہتا تھا اور آپ بھی کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ شیطان کے ساتھی ہیں۔

جواب نمبر ۱:۔ جس نگاہ سے خدا تعالیٰ نے انبیاءؑ کو بشر کہا ہے ہم بھی اس نگاہ

سے کہتے ہیں جس طرح شیطان بشر کو ذلیل سمجھتا ہے اسی طرح آپ۔

جواب نمبر ۲:۔ فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا۔ اس کو تمام مسلمان کافر کہتے ہیں حضرت منصورؒ نے انا الحق کہا اس کو تمام مسلمان ولی اللہ کہتے ہیں حالانکہ دونوں قول ایک ہی مطلب رکھتے ہیں۔ اولیائے کرامؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ فرعون نے غروری کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کہا۔ اس لئے کافر ہوا۔ اور حضرت منصورؒ نے اپنے آپ کو مٹا کر فنا فی اللہ کے مقام پہ انا الحق کہا اس لئے مومن رہا۔ اسی طرح ہم بھی البشر کو عزت کی نگاہ سے بشر کہتے ہیں۔ شیطان البشر کو حقارت کی نگاہ سے بشر کہتا ہے جیسا کہ آپ۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

اعتراض نمبر ۱:۔ بشر والی آیات پہلے نازل ہوئیں اور سب سے آخر میں سورۃ مائدہ نازل ہوئی اس میں آپ کو نور کہا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا پہلی آیات منسوخ ہیں۔ آپ جنس نور سے ثابت ہوگئے۔

جواب نمبر ۱:۔ آپ کا یہ "فرمان" کہ سورۃ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی بجا نہیں بلکہ بخاری شریف میں جلد دوم ص۶۴۲ سے ثابت ہے کہ سب کے بعد سورت توبہ نازل ہوئی۔

جواب نمبر ۲:۔ اب سورت توبہ کے الفاظ کو دیکھئے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ترجمہ: آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا۔ ان الفاظوں سے ثابت ہوا کہ حضورؐ جنس کے لحاظ سے بشر ہیں۔

جواب نمبر ۳:۔ سان الصالحین کا قول پیش کیجئے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نور والی آیت سے بشر والی تمام آیات منسوخ ہوگئی ہیں۔

جواب نمبر ۴:۔ ہمارے نزدیک حضورؐ اور دیگر انبیاءؑ کی بشریت عقیدہ کا

مسئلہ ہے جیسا کہ شرح عقائد کی کتابوں میں ہے۔ اور عقائد کی نسخ واقع نہیں ہوتا جیسے توحید ختم نبوت اور قیامت میں النسخ کا واقع ہونا محال ہے اسی طرح بشریت میں بھی نسخ کا واقع ہونا محال ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲:۔ شخصیت کے لحاظ سے ترجمہ بدل جاتا ہے جیسے قال اللہ خدا تعالیٰ نے فرمایا قال ابلیس، ابلیس نے کہا۔ اسی طرح جب حضورؐ کی طرف بشریت کی نسبت ہوگی تو ترجمہ اور ہوگا۔

جواب نمبر ۱:۔ ترجمہ نہیں بدلتا بلکہ ادب کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔

جواب نمبر ۲:۔ بشر کا ترجمہ آپ بیان فرمائیے۔

جواب نمبر ۳:۔ خدا عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ چودھویں صدی کے بعض علماء اس میں غلط تاویل کریں گے اس لئے بشر مثلکم فرما کر ان کی غلط فہمی کو دور فرما دیا۔ اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو بات بنالی جاتی۔

اعتراض نمبر ۱۳:۔ قل انما انا بشر مثلکم کا ترجمہ یہ ہے کہ میرا ظاہری جسم تمہارے جیسا ہے۔

جواب نمبر ۱:۔ فرمائیے کیا سلف صالحین میں سے کسی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔

جواب نمبر ۲:۔ فرمائیے، میرا ظاہری جسم کن کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔

تحقیق نور

قارئین کرام! ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیں تاکہ غلط فہمی نہ ہو جائے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضورؐ جنس کے لحاظ سے بشر تھے۔ اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ حضورؐ کی روح مبارک نور ہے اور نور حضورؐ کی صفت ہے۔ صرف صفت ہی نہیں بلکہ حضورؐ نور گر ہیں۔ اور ہدایت کے

نور ہیں، جنس کے لحاظ سے آپ نور نہیں ہیں۔ منکرین کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ جنس کے لحاظ سے نور ہیں اور نور بھی ایسے کہ خدا کے نور سے علیحدہ کئے ہوئے ٹکڑا ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲:۔ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۞

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کرنے والی۔

اس آیت سے منکرین نے دلیل بنائی ہے۔ ہم اس کے چند جوابات عرض کرتے ہیں۔ فیصلہ آپ فرمائیے۔

جواب نمبر ۱:۔ قرآن پاک کے اس مقام کے سیاق و سباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نور سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور قرآن پاک پارہ (۶) میں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۞ نیز اس بات پر بھی ٹھنڈے دل اور نگاہِ عدل سے غور فرمائیے کہ سورۃ المائدۃ آیت پندرہ (قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا۔ یعنی تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا) کی ابتداء میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مبارک اور اس کے بعد اسی آیت مقدسہ کے آخر میں "نور" کا ذکر علیحدہ موجود ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر "نور" کا مصداق قرار دینے سے تکرار لازم آتا ہے جو قرآنی فصاحت اور قرآنی بلاغت کے شایانِ شان یقیناً زیب نہیں دیتا۔ پس زیر نظر آیت مبارکہ میں "نور" کا مصداق قرآن مجید ہی ہے اور یہ بات بھی بڑی لطف ہے کہ جس طرح مذکورہ بالا آیت میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو "رسول" اور قرآن کریم کو "نور" فرمایا ہے بالکل اسی طرح سورۃ اعراف آیت ۱۵۷ اور سورۃ تغابن آیت ۸ میں بھی ساقیِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو "رسول" اور قرآن حمید کو "نور" فرمایا ہے۔ پس قرآن کریم کے ان دونوں مقامات سے ہر انسان اس صداقت کو بخوبی پا سکتا ہے بشرطیکہ نیت صاف اور سینہ پاک ہو کہ سورۃ مائدہ

آیت پندرہ میں بھی شارع حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "رسول" اور قرآن مجید کو "نور" فرمایا ہے جس طرح ہم نے قرآن پاک کے دیگر دو معانی سے اپنا دعویٰ احسن طریقہ اور عمدہ طریقہ سے ثابت کر دیا ہے۔ فریق ثانی یا اہل اسی طرح اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے قیامت تک تا مرد و عاجز رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات بھی تو قابل تو جہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ "احد" ہے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "لیس احد" وہ ہے کہ کسی طرح سے قسمت اور بانٹ انہیں نہ ہو سکے اور یہ بات تمامی اس میں پائی جاتی ہے اور کسی میں نہیں پائی جاتی"۔ (تفسیر عزیزی اردو و تحت سورۃ اخلاص) نیز اہل اسلام اللہ رب العزت کو "صمد" بھی مانتے ہیں۔ تفسیر حقانی میں اسی سورۃ مبارکہ کے تحت اس لفظ کے بیس معانی نقل کئے گئے ہیں ان میں سے ایک معنی یہ بھی ہے کہ "مخوس" نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ وجود باری تعالیٰ میں سے نہ کوئی چیز نکل سکتی ہے اور نہ داخل ہو سکتی ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ میں سے کسی کو نکلا ہوا تسلیم کرنا یقیناً غیر اسلامی نظریہ ہے۔ معہذا یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ مسیحی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت کیا عقیدہ رکھتی ہے تو ملاحظہ فرمائیے۔

"خدا نور ہے (یوحنا باب آیت ۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام "نور" تھے (انجیل یوحنا ۱۲: ۳۶) حضرت مسیح علیہ السلام اپنی بابت فرماتے ہیں کہ میں باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں" (انجیل یوحنا ۱۶: ۲۸) الحاصل یہ کہ مسیحی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں اور اس بات کی گواہی دیں "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" یعنی میں گواہی دیتا ہوں تحقیق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پس یہی عقیدہ صحیح درست ہے۔

جواب نمبر ۱۔ قرآن پاک نے تورات کو بھی نور کہا ہے لیکن صاحب تورات یعنی

حضرت موسیٰؑ کو نور نہیں کہا۔ پس ثابت ہوا سورۃ مائدہ میں بھی قرآن پاک کو نور کہا ہے۔

جواب نمبر۳:۔ اگر بالفرض نور سے مراد حضورؐ ہی ہیں تو پھر دلیل میں احتمال آ گیا کہ اس نور سے مراد حضورؐ ہیں یا کہ قرآن پاک۔ جب دلیل میں احتمال پیدا ہو گیا تو دلیل ثابت نہ ہوئی اس کے علاوہ قرآن پاک کی کوئی اور آیت پیش کیجئے۔

جواب نمبر۴:۔ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے تب بھی آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دعویٰ تو خدا کے نور سے علیحدہ کرنے کا ہے۔ اور دلیل میں اس کا ذکر نہیں۔ دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام ہے۔ لہٰذا دلیل نہیں بنتی۔

جواب نمبر۵:۔ "نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ" میں "وَ" تفسیر یہ ہے اور نور کو کتاب مبین بیان کرتی ہے۔ اس سے پوچھئے حضورؐ کیا تھے تو یہ جواب میں فرمائی ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔

جواب نمبر۶:۔ قرآن پاک نور ہے لیکن اندھیرے میں روشنی نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن پاک نور نہیں ہے بلکہ قرآن پاک دلوں کے اندھیروں کو دور کرنے والا نور ہے۔ اسی طرح حضورؐ بھی دلوں کو منور کرنے والے نور ہیں اور یہ بھی خدا کے حکم سے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ حضرت جبرائیلؑ جنس نور سے ہیں۔ لیکن پھر بھی آنحضرتؐ کے خادم ہیں۔ نور تو حضورؐ کا خادم ہے۔

اب فرمائیے نور کہنے میں ادب ہے یا کہ بشر کہنے میں۔

جواب نمبر۷:۔ نور والی آیت سورت مائدہ کے بعد نازل ہوئی تو اسی سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی حضورؐ جنس نور سے نہ تھے اگر تھے تو تضاد لازم آتا ہے۔ جواب نمبر۷ کی رو سے ہم بالکل صحیح عقیدہ پہ ہیں۔ جنس نور

سے مان کر آپ کو بڑی مشکل ہو گی اور آخرت میں تنگ کرے گی۔

اعتراض نمبر ۱۵:۔ قرآن پاک میں فرشتوں کو بھی عَبْد کہا گیا ہے جس طرح ان کے نُور جنس ہونے میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح حضور ﷺ کو بشر کہنے سے بھی حضور ﷺ کے جنسی نُور ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔

جواب نمبر ۱:۔ قرآن پاک میں فرشتوں کو عبد کہا ہے۔ لیکن تمہاری طرح بشر نہیں کہا۔

جواب نمبر ۲:۔ جس طرح فرشتوں کو بندہ کہنے سے اُن کی جنس نُور ہی رہی اور اسی طرح حضور ﷺ کو بقول آپ کے نُور کہنے سے حضور ﷺ کی جنس میں بھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۳:۔ قرآن پاک نے فرشتوں پر تو عبد کا اطلاق کیا ہے لیکن عباد پر ملائکہ کا اطلاق نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اپنے مقام پر حسین ہیں۔ لیکن ساخت کے لحاظ سے بشر فرشتوں سے زیادہ حسین ہے اس لئے فرشتوں پر تو عبد کا لفظ بول دیا اور بشر پر ملائکہ کا لفظ نہ بولا کیونکہ اس سے انسان کی توہین ہوتی تھی۔ دوسرے خدا کو عبد کا لفظ اتنا پیارا لگا کہ اپنی نوری مخلوق کو بھی عبد کہہ دیا۔

جواب نمبر ۴:۔ کیا جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو عبد کہا پھر اس کے بعد فرشتوں نے گول باغ سے آم توڑ کر چوسنے شروع کر دیئے تھے۔ اور گھٹلیاں منکرین کے سروں پہ مارتے رہے۔ ہم نے تو کسی اخبار میں یہ خبر نہیں سنی نہ پڑھی۔ حضور ﷺ اگر فرشتے بھی فرشتے ہی رہے اسی طرح حضور ﷺ بھی اولادِ آدمؑ ہی رہے۔

جواب نمبر ۵:۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد کہا کرتے تھے اور بعض خدا سمجھتے تھے۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی تردید کے لئے فرمایا کہ فرشتے تو

بندے ہیں یعنی حکم کے آگے سر خم کرنے والے عاجز ہیں نہ کہ میرے لڑکے لڑکیاں۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

اعتراض نمبر ۱۶:۔ حضورؐ باہر سے بشر تھے اور اندر سے جنس نور سے تھے۔

جواب نمبر ۱:۔ جو اندر سے جنس نور سے ہوگا اس کو کھانے پینے اور شادی کی ضرورت نہیں۔ پھر حضرت فاطمہؓ، رقیہؓ اور باقی صاحبزادیاں کیسے پیدا ہو گئیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ بعض لوگ یزید کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اس نے تلوار کے ساتھ سیدوں کو ختم کرنا چاہا لیکن نہ کر سکا۔ آج زبان سے سیدوں کو ختم کیا جا رہا ہے ایک ہی بات ہے کسی نے تلوار کو استعمال کیا کسی نے زبان سے کام لیا۔

ع شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

جواب نمبر ۲:۔ بشریت فقط ظاہر پر لگائی ہے باطن پر نہیں پس آپ کے قول سے بھی ثابت ہوا کہ حضورؐ بشر تھے۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جواب نمبر ۳:۔ مشرکین مکہ کو کیوں نہ فرما دیا کہ میں اندر سے نور ہوں تو وہ مسلمان ہو جاتے۔ اور حضورؐ کی تمنا ہر وقت یہی ہوتی تھی کہ تمام دنیا مسلمان ہو جائے پھر ان کو مسلمان نہ کرنے میں کیا حکمت تھی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

جواب نمبر ۴:۔ قارئین کرام! ہم اس مسئلہ کو قرآن پاک سے حل کرتے ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ حضرت مریمؑ کی خدمت میں بحکم خداوندی بشکل بشر حاضر ہوئے تو خدا تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو اس موقعہ پر بشر نہیں فرمایا بلکہ بشراً سویاً کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جبرائیلؑ اندر سے جنس نور تھے اور باہر سے بشر تھے۔ اس لئے بشراً سویاً کہا۔ اگر حضورؐ کے اندر کوئی الگ جوہر کوئی اور جنس ہوتی تو حضورؐ کو بھی خدا بشر نہ کہتا بلکہ بشراً سویاً کہتا۔

ایسا نہ کہنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کا اندر باہر ایک ہی تھا اور جو حضورؐ کا اندر اور باہر ایک سا نہ مانے اس پر ہی فتوے لگا لیجئے۔

اعتراض نمبر ۱۷:۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابرؓ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے تیرے نبیؐ کا نور پیدا فرمایا۔

جواب نمبر ۱:۔ اول تو روایت ہی سند کے لحاظ سے پوری نہیں اترتی۔ بغیر دلیل کیسی؟

جواب نمبر ۲:۔ اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی جواب ظاہر ہے حضورؐ نے یہ فرمایا کہ میرا نور پہلے پیدا کیا گیا یہ نہیں فرمایا کہ میں جنس نور سے ہوں۔ اور نہ ہی یہ فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نور سے علیحدہ کیا ہوا ٹکڑا ہوں۔

جواب نمبر ۳:۔ دعویٰ تو آپ کا خدا کے نور میں سے علیحدہ کئے ہونے کا ہے اور دلیل میں اس کا ارشاد بھی نہیں پایا جاتا پس ثابت ہوا کہ آپ کی دلیل صحیح نہیں محض تکلف ہے اور کوئی روایت پیش فرمائیے۔

جواب نمبر ۴:۔ اس روایت کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ کا نور پیدا کیا گیا۔ حالانکہ دنیا میں اس کیفیت کے ساتھ تشریف نہیں لائے بلکہ حضرت مائی آمنہؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ اب فرمائیے کہ بشر ہیں کہ نہیں۔ نیز آپ کی روح ہی عرش پر تھی اس کو نور کہا گیا۔ جب دنیا میں تشریف لائے تو پھر فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

اعتراض نمبر ۱۸:۔ جو آدمی جس جگہ سے آتا ہے یہی کہتا ہے کہ فلاں جگہ سے آیا ہوں اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ فلاں جگہ میں سے آیا ہوں اسی طرح حضورؐ کے بارے میں بھی قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ سے مراد خدا کے نور میں سے جدا کئے ہوئے ٹکڑا کے ہیں۔

جواب نمبر۱:۔ جس جگہ سے کوئی آیا ہو اس جگہ کی حد ہوتی ہے اس لئے ایسا کہا جاتا ہے خدا کی کوئی حد نہیں وہ لا محدود ہے۔

جواب نمبر۲:۔ خدا کے ساتھ کسی چیز کی مثال نہیں دے سکتے۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔

جواب نمبر۳:۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰؑ کو خدا میں سے نور کا ٹکڑا مانتے ہیں۔ پھر وہ کافر کیوں ہیں۔

جواب نمبر۴:۔ جس جگہ میں سے انسان آتا ہے۔ وہ جگہ اور انسان دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اسی طرح خدا اور حضورؐ میں فرق ہے۔

جواب نمبر۵:۔ اگر حضورؐ خدا کے نور کے ٹکڑے تھے۔ تو دونوں کی ایک ہی جنسیت ہونی چاہئے تھی۔ حضورؐ کو روٹی، پانی اور شادی کی ضرورت نہیں۔ ہونی چاہئے تھی۔ نیز ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے حق میں خدا نے فرمایا۔ وَجَعَلُوا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (پ ۲۵)

اعتراض نمبر۱۹:۔ امام بیہقیؒ کی روایت میں ہے کہ جب حضورؐ کلام فرماتے تھے تو منہ مبارک سے نور نکلا کرتا تھا پس ثابت ہوا کہ حضورؐ جنس نور سے تھے۔

جواب نمبر۱:۔ اول تو اس روایت کا ہی پتہ نہیں کہ کیسی ہے کیسی نہیں۔ دوسرے قرآن پاک کی آیت کے مقابلے میں امام بیہقی کی روایت کو پیش کرنا انصاف سے بعید ہے۔

جواب نمبر۲:۔ نور منہ مبارک سے کیوں نکلتا تھا ناک مبارک سے کیوں نہیں نکلتا تھا۔

جواب نمبر۳:۔ اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر جواب حاضر ہے۔ کہ یہ نور نبوت کی وجہ سے منہ مبارک سے نکلتا تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضورؐ اولادِ آدمؑ نہیں تھے۔ اور یہ حضورؐ کی خصوصیات میں سے تھا۔

قارئین کرام! ہم نے ہر ایک اعتراض کے کئی جوابات دیئے ہیں۔ لیکن ہم منکرین سے تین سوالوں کے جوابات طلب کرتے ہیں۔ اور قیامت تک یہ ہمارے مقروض رہیں گے۔

تین سوال

سوال نمبر ۱:۔ فرمایئے: نور والی آیت نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے کھانا پینا ترک فرما دیا تھا۔ کیونکہ نور کھاتا پیتا نہیں ہے۔ جیسے فرشتے

سوال نمبر ۲:۔ فرمایئے: حضورؐ نے صحابہؓ کو یہ بھی فرما دیا تھا کہ اب میں اولادِ آدمؑ میں سے نہیں ہوں۔ استغفر اللہ!

سوال نمبر ۳:۔ فرمایئے: نور والی آیت نازل ہونے سے پہلے حضورؐ نور تھے اگر نہ تھے جیسا کہ آپ کی دلیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت مکہ معظمہ میں ملی اور نور والی آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی) بشر کو نبوت نہیں ملتی آپ کا عقیدہ ہے پھر آپ کو نبوت کیسے مل گئی۔ اگر نور والی آیت نازل ہونے کے بعد نبوت ملی۔ یہ تو صریح کفر ہے۔

عجیب مشکل میں پھنسا ہے غالی پاک رد اماں کا
ادھر نکلا ادھر اُدھر اُدھر اُدھر نکلا ادھر ادھر

بشریت انبیاءؑ کے انکار سے دین میں خرابیاں

قارئین کرام! ہم اس باب میں چند باتیں عرض کریں گے کہ بشریت کے انکار سے جن مسائل کا انکار لازم آتا ہے۔

۱:۔ بشریت انبیاءؑ کے انکار سے عصمت انبیاءؑ کا انکار لازم آتا ہے۔

۲:- آنحضرتؐ کی بشریت کے انکار سے معراج کا انکار لازم آتا ہے جبریلؑ جنس نور ہے۔ کئی دفعہ آسمان سے زمین پر آئے لیکن اس کے اس کام کو کوئی بھی کمال نہیں سمجھتا۔ معراج کا کمال تو تبھی کمال ہے۔ جب حضورؐ کی عبدیت کا اقرار کیا جائے۔

۳:- حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ دُعا تو یہی تھی کہ انسانوں میں نبی بھیج۔ جب حضورؐ انسان نہیں تو معلوم ہوا ابتک وہ دُعا پوری نہیں ہوئی۔ استغفر اللہ! حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں حضرت ابراہیمؑ کی دُعا ہوں۔

۴:- حضورؐ کی شادیوں کا انکار لازم آتا ہے۔

۵:- تمام معجزوں کا انکار لازم آتا ہے۔ جب کہ حضورؐ بشر نہیں۔ نور دودھ رکھنے کا کیا کمال ہے۔ جنس نور کو تو بھوک پیاس ہی نہیں لگتی۔

۶:- جب حضورؐ بشر نہیں تو پھر آپؐ کے ہاں فاطمہؓ کیسے پیدا ہو گئیں تمام سید حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں ان کا انکار لازم آتا ہے حتیٰ کہ دین کی بہت سی باتوں کا ایسے ہی انکار کرنا پڑتا ہے۔ عقل مند وہ آدمی ہے جو حضورؐ کی بشریت تسلیم کر کے ان تمام باتوں کا انکار نہ کرے۔

بشر عیسائیت کی نگاہ میں

قارئین کرام! ہم اس باب میں یہ بیان کریں گے کہ آیا انبیاءؑ کو بشر کہنا بے ادبی ہے یا بشر نہ کہنا بے ادبی ہے اور جو انبیاءؑ کو بشر نہ مانے اور نہ کہے وہ کس کی سنت پر عمل کرتا ہے اور جو انبیاءؑ کو بشر مانے اور کہے وہ کس کی سنت پر عمل کرتا ہے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں حضرت محمد مصطفٰی اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پہلی دلیل: ہر نمازی نماز میں التحیات کے آخری حصہ میں ان کلمات کو پڑھتا ہے صرف پڑھتا ہی نہیں بلکہ بہ بانگ دہل تین شہادتیں دیتا ہے۔ پہلے خداوند تعالیٰ کی توحید کی گواہی دوسرے آنحضرت کی بشریت کی گواہی تیسرے آنحضرت کی رسالت کی گواہی۔ گواہی میں حضور کو بشر کہہ دیا اب کہتے ہیں کون سی کسر باقی رہ گئی۔

دوسری دلیل: اگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور اللہ کے آخری رسول ہیں تو پھر حضور کو بشر کیوں نہیں کہہ سکتے اگر یہ بے ادبی ہے تو پھر نمازوں میں کیوں بے ادبی کرتے ہیں۔ ایک حصہ کو پکڑ لینا ایک کو چھوڑ دینا یہ تو اہل کتاب کی عادت تھی۔

تیسری دلیل: اگر ہم خدا کی توحید اور حضور کی رسالت کی تبلیغ کر سکتے ہیں تو پھر حضور کی بشریت کی بھی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ تبلیغ ماننے سے نہیں بلکہ زبان سے کہنے سے ہوگی۔

حضرات انبیاء کو بشر کہنے پر ایک شہادت

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنی مشہور تفسیر عزیزی میں سورت نون کی اس آیت اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے تحت تحریر فرماتے ہیں تفسیر عزیزی کی اردو "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے بارہا فرمایا ہے کہ لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسٰی ابن مریم وقولوا عبداللہ ورسولہ

یعنی نہ حد سے بڑھاؤ۔ مجھ کو تعریف کرنے میں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ
کی تعریف میں مبالغہ کر کے بشریت کی حد سے نکال دیا۔ سو میری تعریف میں
اسی قدر کہا کرو کہ بندہ خدا کا اور رسول اس کا ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی بندگی
کی بزرگی میرے واسطے بس ہے؟

۲۵

اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہو گئیں کہ انبیاءؑ کی بشریت کا انکار
کرنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ دوسرے آنحضرتؐ نے اپنے بارہ میں بشر کہنے کا
حکم دیا ہے۔ حضورؐ کے حکم کو ماننا ہی ادب ہے۔

دوسری شہادت:

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ اپنی مشہور تفسیر "موضح القرآن کلاں صفحہ ۵۷" پر تحریر
فرماتے ہیں" فائدہ: کہتے ہیں کہ جب نصاریٰ نے یہ بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا سنا تو برا مانا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ کو کیوں گالی دیتا
ہے اور انہیں بندہ کہتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ اللہ کہ
عبداللہ کہنا حضرت عیسیٰؑ کو گالی ہو گی۔ وہ بندہ خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے اور
خاص ہے اور پسند کیا ہوا ہے اور نیک بخت پاکیزہ بی بی سے پیدا ہوا ہے۔
نصاریٰ کو نہایت غصہ آیا۔"

اس حوالہ سے بھی معلوم ہوا کہ نبی کو بشر نہ ماننا عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور
نبی کو بشر کہنا آنحضرتؐ کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ اب ہم بھی آنحضرتؐ کی
سنت پر عمل کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہی الفاظ
کہتے ہیں جو آنحضرتؐ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان میں فرماتے تھے۔ آنحضرتؐ
خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندے تھے۔ خاص تھے۔ پسند کئے ہوئے تھے اور حضرت
مائی آمنہؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے ان الفاظ سے غصہ نہ کرنا

ورنہ عیسائیوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

قارئین کرام! ان دونوں حوالوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ انبیاءؑ کو بشر کہنا ادب ہے۔ یا نہ کہنا ادب ہے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول قوی نہیں ہے اور شاہ صاحبؒ کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا۔

جواب: "مہربان" کہتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے دعویٰ کی سفیدی کے واسطے لاتے ہیں کہ میں اکیلا ہی نہیں کہتا بلکہ علماء اسلام بھی یہی کہتے ہیں نیز اور دال حدیثوں پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ اب فیصلہ آپ کیجئے کہ کون حضور ﷺ کی سنت پر عمل کر رہا ہے اور کون اہل کتاب کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔

سمجھنے کی بات ہے اسے بار بار سوچ

اعتراض نمبر ۳: آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا پس معلوم ہوا آپؐ بشر نہ تھے بلکہ نور تھے کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

جواب: اس بات کے جوابات بہت ہیں مگر ہم ایک ہی جواب تحریر کرتے ہیں اگر بعض نور ہونے کی وجہ سے آپؐ کا سایہ نہ تھا تو یہ کوئی کمال نہیں کمال تبھی ہوگا کہ آنحضرت ﷺ بشر ہوں اور پھر آپؐ کا سایہ نہ ہو۔ اب فرمائیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال بشر کے لحاظ سے ہے یا جنس نور سے۔

قارئین کرام: اب ہم ان کے مفتی صاحب کی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ تاکہ شاید ان کے مفتی صاحب کی بات ہی ان کے قلب میں اتر جائے۔

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

غزالی ثانی کے مفتی محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی اپنی کتاب "العقائد"

کے حضور ﷺ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا ان کو نبی کہتے ہیں انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔"

س: کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟

ج: نہیں۔ نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی فقط مرد۔ کوئی عورت نبی نہیں ہوتی ہے۔

قارئین کرام! مفتی صاحب کے ان الفاظ سے ہمارا دعویٰ بالکل ثابت ہو گیا۔ اگر یہ اب بھی نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ ویسے مفتی صاحب کی شان میں سر آپ ہیں پھرتے ہوئے کلیجہ پہ ہاتھ رکھ کر اس شعر کو صبح اور شام کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا کریں۔

دوستوں نے دل میں کچھ تلافی غمخواری نہ کی!

دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی!

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

سے سب سے بہتر ہے اور سب کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
ملفوظات مولانا احمد رضا خان بریلوی حصہ ۱ ص ۱۱ مطبوعہ ...

حوالہ ۲۲ بشریت وغیرہ اس دنیا میں نبوت کیلئے ضروری ہے۔ (سورۃ الانعام ص ۲۲۱)

حوالہ ۲۳ حضور علیہ السلام نور بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ (رسالہ نور ص ۸)

حوالہ ۲۴ یہ تمام سوالات اس صورت میں ہو سکتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کیا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں بشر بھی ہیں۔ (رسائل نعیمیہ ص ۹۱)

حوالہ ۲۵ حضور علیہ السلام دوسرے بندوں کی طرح ہیں، یا غلط ہیں۔ خدا کی اولاد یا خدا کے رشتہ دار یا ساجھی وغیرہ اللہ کے خالق نہیں ہیں۔ آپ میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ (رسائل نعیمیہ ص ۱۰۹)

حوالہ ۲۶ قل انما انا بشر مثلکم۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ میں بشر ہونے میں میرے سوا کوئی بشر نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بشر ہی ہوں اللہ رب ہوں نہ اس کا جزو۔ جیسے انما الٰہکم الٰہ واحد۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ ہی ایک ہے اور کوئی چیز ایک نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے اس میں کوئی تعدد نہیں، نہ ذاتاً نہ صفاتاً۔ (رسائل نعیمیہ ص ۲۹۱)

حوالہ ۲۷ لفظ بشر اگر نبی کی صفت ہو تو بہت ہی عظمت کا لفظ ہوگا۔ (رسائل نعیمیہ ص ۲۹)

حوالہ ۲۸ آیت انما انا بشر مثلکم کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ (انوار ساطعہ ص ۲۴۰ مصنفہ مولوی عبد السمیع رامپوری)

حوالہ ۲۹ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔ (میلاد النبی مولفہ احمد سعید شاہ کاظمی ص ۱۹)

حوالہ ۳۰ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے تمام آباؤ اجداد سفاح سے پاک رہے یعنی میرے والدین ماجدین سے لیکر حضرت آدم و حوا علیہما السلام تک کوئی مرد و عورت ایسا نہیں ہوا جس نے معاذ اللہ کسی قسم کی فحاشی اور بے حیائی کا کام کیا ہو۔ (ص ۲۰)

حوالہ ۳۱ ترمذی کی روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں محمد ہوں، عبد اللہ کا بیٹا ہوں اور عبد المطلب کا پوتا۔ اللہ نے جو مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان بنایا۔ انسان میں دو فرقے

سنّتِ رسولؐ
ہی مدارِ نجات ہے، اور بدعت گمراہی ہی گمراہی ہے
فقہائے احناف اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

ہو جائیں۔ بلکہ وہ بدعت بُری ہے جو کتاب اللہ اور نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہو یعنی جو چیز کتاب و سنت کی روشنی کے خلاف ہوگی وہ بدعت اور گمراہی ہوگی اور گمراہی سے خدا تعالیٰ کبھی راضی نہیں ہوتا بلکہ گمراہی کو مٹانے کے لئے اس نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا اور ان پر کتابیں صحیفے اور وحی نازل کی۔ نسائی (ج ۱ ص ۲۳۴) کی اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وکل ضلالۃ فی النار (نسائی ج ۱ ص ۲۳۴) اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل بدعت کو تمام کائنات کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے اور ان کی تعظیم و توقیر کرنے سے منع کیا ہے۔ اور ان کی تمام عبادت کو بیکار فرمایا ہے۔ تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت سے باز نہ آجائیں۔ اور نیز فرمایا کہ اہل بدعت کو توبہ تک نصیب نہیں ہوتی۔ اعاذنا اللہ منہا ومن سائر انواع المعاصی۔

چنانچہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیہا حدثا او آوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ صرف ولا عدل (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۸ و بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۴ و مسلم ج ۱ ص ۴۴۲)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور اس کی نہ فرضی عبادت قبول ہوگی اور نہ نفلی۔

اس الحدیث میں مدینہ حرم کی قید محض تقبیح اور تشنیع کے لئے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرم مدینہ میں تو بدعت بُری ہو اور مقامات الحرم میں بُری نہ ہو۔ جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بُری ہی ہوگی۔ ہاں البتہ شرف مکانی یا فضیلت زمانی کی وجہ سے اس کی بُرائی اور قباحت اور بھی بڑھ جائے گی۔ بدعت اور بدعتی کی بُرائی اور مذمت کے متعلق اس سے بڑھ کر اور کلمات اتنا کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف رحیم اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلے ہیں۔ بدعت کی مذمت میں یہی تین باتیں کافی ہیں۔ صرف بطور نمونہ اور اختصار کے چند روایتیں اور بھی ملاحظہ کرلیں۔

فی البدعة۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱ الی شرطہما)۔ — کرنے سے بیزار ہے۔

حضرت انس بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبة عن کل صاحب بدعة۔ — آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح — مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ بدعت اتنی قبیح، بُری اور منحوس چیز ہے کہ انسان کے دل میں فطری طور پر جو ندامت اور صلاحیت ہوتی ہے، بدعت اس کو بھی ختم کر دیتی ہے اور اس کی نحوست کا یہ اثر ہوتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اور عقلی طور پر بھی یہ بات بالکل درست ہے اس لئے کہ جب بدعتی بدعت کو کارِ ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو اس سے وہ توبہ کیوں کرے گا؟ توبہ تو گناہوں اور جرائم پر کی جاتی ہے نہ کہ نیکیوں پر۔ کوئی مسلمان نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر یہ نہیں کہتا۔ استغفر اللہ! میری نماز اور روزہ سے توبہ۔ بدعتی نے توبہ کا دروازہ اپنے اوپر اسی وقت بند کر لیا ہے جس وقت کہ اس نے بدعت کو کارِ ثواب سمجھا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ — جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۷۱ واللفظ لہ، مسلم ج ۲ ص ۷۷، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹، ابن ماجہ ص ۳ و مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰)

نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم فی امرنا هذا کی محدثین سے تشریح کر دیں تاکہ کسی کو تاویل و فہم کا مغالطہ پیش نہ آئے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:

کل من احدث فی الدین ما لم یأذن به اللہ ورسوله فلیس من الدین فی شیء۔ (جامع العلوم والحکم طبع مصر ص ۱۹۳) — جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا اذن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نہیں دیا، تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ موصوف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر احداث مردود نہیں بلکہ جو احداث فی الدین ہو گا

---

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بدعت از معصیت الاثر [illegible] (مکتوبات [illegible])

مردود ہے نیز لکھتے ہیں کہ اسی حدیث کے بعض الفاظ میں فی امرنا ہذا کی بجائے صریح طور پر دین کا لفظ آیا ہے:

وفی بعض الفاظه من احدث فی دیننا ما لیس منه فهو رد۔ (ص۳۲) اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں فی دیننا کا لفظ آتا ہے یعنی جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے تو وہ مردود ہوگی

۳۶

جب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی روایت کے اندر دوسرے الفاظ میں فی امرنا هذا کی جگہ فی دیننا کے الفاظ وارد ہوتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر صحیح تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فی امرنا هذا کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"والمراد امر الدین" (فتح الباری ج ۵ ص۲۳۱)۔ فی امرنا هذا سے دین کا امر مراد ہے یعنی جس نے دین کے اندر کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہوگی۔

علامہ عزیزیؒ (المتوفی ۱۰۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

"من احدث فی امرنا هذا ای فی دین الاسلام"۔ (السراج المنیر ج۳ ص۳۳۵) یعنی فی امرنا هذا سے دین اسلام مراد ہے۔

ان اقتباسات سے یہ بات واضح تر ہوگئی ہے کہ ہر بدعت اور ہر احداث برا اور مردود نہیں ہے بلکہ وہ بدعت اور وہ احداث برا اور مردود ہے جو دین اسلام کے اندر دین سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے اور یہ صرف شراح حدیث نے ہی نہیں کہا، بلکہ بقول ابن حجرؒ اسی حدیث کے بعض الفاظ میں دین کی قید (فی دیننا) خود جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لگائی ہے۔ یہ حدیث اس بات کے لئے نص صریح ہے کہ جتنی بدعتیں لوگوں نے دین کے اندر نکالی ہیں وہ سب کی سب مردود ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا خرم علی صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۱ھ) ترجمہ مشارق الانوار میں لکھتے ہیں:

"جتنی بدعتیں لوگوں نے خلاف شرع نکالی ہیں اس حدیث سے سب رد ہوگئیں۔ تفصیل کی کچھ حاجت نہیں۔ مثلاً قبر پر گنبد بنانا، قبروں پر روشنی کرنا، تعزیہ بنانا، بزرگوں کا میلہ کرنا، اولیاء کی منت ماننا، جھنڈے نشان کھڑے کرنا سوا اس دین کے خلاف ہیں۔ قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس شرعی میں ان کی کچھ اصل نہیں"۔ (ترجمہ مشارق الانوار ص۱۵)۔

اکابرین علماء دیوبند | اس حدیث سے اکابرین علماء دیوبند بھی یہی سمجھے ہیں کہ فی امرنا سے مراد امر دین مراد ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ فی امرنا سے امر دین مراد ہے۔ (بذل المجہود ج ۵ ص ۱۹۵) اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں: "والمراد بالامر الدین کما صرح به" (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۰۳)۔ کہ مراد اس سے امر دین ہے، علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

بریلوی عقائد کے علماء | اس حدیث کی تفسیر بریلوی حضرات نے بھی امر دین سے کی ہے چنانچہ مولوی محمد صالح صاحب (مشہور بریلوی عالم) لکھتے ہیں کہ مراد امر سے امر دین کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امور وغیرہ عبادات ہوں یا معاملات کہ جن کے حدود شارع نے مقرر کئے ہیں، ان میں کمی بیشی کرنا مردود ہے۔ (تحفۃ الاحباب فی تحقیق ایصال الثواب ص ۱۱)۔

مولوی محمد شفیع صاحب رامپوری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جیسی کی ہے، یعنی جس نے نکالی اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنت کے مخالف ہے، وہ بات اس کی رد ہے۔ (انوار ساطعہ ص ۲۲۲)

فریق مخالف کے مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) تمباکو کو حلال بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رہا اس کا بدعت ہونا یہ بھی باعث منع نہیں کہ یہ بدعت کا منع چیزے میں ہے جو کہ امور دین میں، تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے۔ (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۸۲)۔ آپ نے فریق مخالف کے محقق اور مسلم علماء سے بھی یہ سن لیا کہ بدعت وہی مذموم ہے جو امور دین سے سمجھ کر کی جائے جس کا تعلق امور دین سے نہیں اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار امر ہے۔

بدعت کی تعریف آئمہ لغت سے | قارئین کرام نے یہ ملاحظہ کر لیا کہ جو چیز قرآن کریم، حدیث، اجماع اور شرعی قیاس سے ثابت نہ ہو اور وہ کام جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت، اسوہ حسنہ اور طریقہ کے خلاف ہو، اور وہ کام جب دین کے اندر ایجاد کیا گیا تو یقیناً بدعت ہوگا۔

اب آپ بدعت کی تعریف آئمہ لغت سے سن لیجئے کہ وہ کیا کرتے ہیں:

مشہور امام لغت ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

البدعة اسم من ابتداع الامر اذا ابتدأه واحدثه كالرفعة اسم من الارتفاع والخلفة اسم من الاختلاف ثم غلب على ما هو زيادة في الدين او نقصان منه۔ (مغرب ج ۱ ص ۳۰)۔

بدعت ابتداع کا اسم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے جیسے رفعت ارتفاع کا اور خلفت اختلاف کا اسم ہے۔ لیکن پھر بدعت کا لفظ ایسی چیز پر غالب آگیا جو دین میں زیادہ یا کم کر دی جائے۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ (المتوفی ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

بدعت بالكسر الحدث في الدين بعد الاكمال او ما استحدث بعد النبي صلى الله عليه وسلم من الاهواء والاعمال۔ (قاموس ج ۳ ص ۴)

بدعت (کسرہ با کے ساتھ) ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو تکمیل دین کے بعد نکالی گئی ہو یا وہ چیز جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خواہشات اور اعمال کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی ہو۔

امام راغب اصفہانیؒ (المتوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

والبدعة في المذهب ايراد قول لم يستن قائلها وفاعلها فيه بصاحب الشريعة واماثلها المتقدمة واصولها المتقنة۔ (مفردات قرآن ص ۳۸)

مذہب میں بدعت کا اطلاق ایسے قول پر ہوتا ہے جس کا قائل یا فاعل صاحب شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہو اور شریعت کی سابق مثالوں اور اس کے محکم اصولوں پر کاربند نہ رہا ہو۔

امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازیؒ (المتوفی ...ھ) لکھتے ہیں کہ:

والبدعة الحدث في الدين بعد الاكمال۔ (مختار الصحاح ص ۴۴)

بدعت اکمال دین کے بعد اس میں احداث کا نام ہے۔

علامہ ابو الفضل محمد بن عمر جمال القرشیؒ (المتوفی ...ھ) لکھتے ہیں:

بدعت نو پیدا آوردن بدعتے در دین بعد اکمال دین۔ (صراح ص ۳۱۱)

اردو کی مشہور لغت فیروز اللغات میں ہے:

بدعت: ۱۔ دین میں کوئی نئی بات یا نئی رسم نکالنا، نیا دستور یا رسم و رواج۔ ۲۔ سختی، ظلم۔ ۳۔ جھگڑا، فساد، شرارت۔ (فیروز اللغات ص۱۹۱)

اور مصباح اللغات میں ہے:

البدعة: بغیر نمونہ کے بنائی ہوئی چیز۔ دین میں نئی رسم۔ وہ عقیدہ یا عمل جس کی کوئی اصل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو۔ (مصباح اللغات ص۳۵)

امام نوویؒ بدعت کا لغوی معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ:

کل شیء عمل علی غیر مثال سبق۔ (نووی شرح مسلم ج۱ ص۲۸۵) یعنی ہر وہ چیز جو کسی سابق نمونہ کے بغیر کی جائے۔

بدعت کا شرعی معنی: حافظ بدرالدین عینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

والبدعة فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عمدۃ القاری ج۵ ص۲۵۶)

بدعت اصل میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

والبدعة اصلها ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع فی مقابل السنة فتکون مذمومة (فتح الباری ج۴ ص۲۱۹)۔

بدعت اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سابق مثال اور نمونہ کے ایجاد کی گئی ہو۔ اور شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلہ میں ہے تو اس وقت یہ مذموم ہی ہوگی۔

علامہ مرتضیٰ الزبیدی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لکھتے ہیں:

کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اصول الشریعة ولم یوافق السنة۔ (تاج العروس ج۵ ص۲۷۱)۔

کل محدثة بدعة (کل حدیث) کا معنی یہ ہے کہ جو چیز اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو۔

حافظ ابن رجبؒ لکھتے ہیں کہ:

والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له فی الشریعة یدل علیه واما ما کان له اصل

بدعت سے مراد وہ چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، اور بہرحال وہ چیز جس کی

من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا و ان كان بدعة لغة (جامع العلوم والحكم ص۱۹۳)۔

شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دال ہے، تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے، اگرچہ لغۃً بدعت ہوگی۔

اور بعینہٖ ان الفاظ سے بدعت کی تعریف علامہ حسین بن علیؒ (المتوفی ۸۸۹ھ) نے شرح اربعین نووی میں کی ہے (الجمع ص۱۳۷)۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

"بدیع السموات کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر کسی سابق مثال کے ان آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور لغت میں ہر نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے اور بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: بدعت شرعی جس کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ۲: کبھی بدعت لغوی ہوتی ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

وكذٰلك كل محدث قوله او فعله لم يتقدم فيه متقدم فان العرب تسميه مبتدعا۔ (تفسیر ج۱ ص۱۶۱)۔

اور اسی طرح ہر وہ قول یا فعل جس کو پہلے کسی نے نہ کیا ہو، اہل عرب ایسے کام کو بدعت کہتے ہیں۔

علامہ ابو اسحاق غرناطیؒ بدعت شرعی کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشريعة يقصد بالسلوك عليها المبالغة في التعبد لله سبحانه۔ (الاعتصام ج۱ ص۳۷)۔

وہ دین کے اندر ایسا اختراع کیا ہوا طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہے اور جس پر عمل پیرا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ قصد کیا جاتا ہے۔

مولوی عبد السمیع صاحب، حضرات فقہاء کرامؒ سے بدعت کا معنی یوں نقل کرتے ہیں کہ علامہ شمنیؒ وغیرہ محققین نے بدعت سیئہ مذمومہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن

(کہ بدعت وہ چیز ہے) جو اس حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو

رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعله دينا قويما وصراطا مستقيما (البحر الرائق)

جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لی گئی ہو یعنی علم یا عمل یا حال اور کسی شبہ کی بنا پر اس کو اچھا سمجھ کر دین قویم اور صراط مستقیم بنا لیا گیا ہو۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی بعینہٖ اسی عبارت سے بحر الرائق اور در مختار وغیرہ فقہ حنفی کی مستند اور معتبر کتابوں میں تعریف کی گئی ہے۔ (دیکھئے الجنۃ ص۱۱)۔

مولانا سخاوت علی صاحب الحنفی جونپوریؒ (المتوفی ۱۲۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"بدعت وہ کام خواہ عقیدہ کہ دین کا ہو اور آخرت کا نفع اور ضرر اس میں سمجھے ہو ثابت نہ ہو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہؓ سے"۔ (رسالہ تقویٰ ص۹)۔

اور نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۸۹ھ) مؤلف مظاہر حق لکھتے ہیں: "یہ بدعت اور احداث دین میں آ رہا آخریہ اور مسندی اور جہرملی ہوا اور ضلالت کی الآخر" (رسالہ گلزار سنت ص۱۹)

فرقہ مخالف کے مشہور محقق عالم مولوی محمد صالح صاحب لکھتے ہیں کہ "اصطلاح شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے کی جائے مگر کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو نہ کتاب سے نہ احادیث نبویہ سے، نہ اجماع مجتہدین سے نہ قیاس شرعی سے" (تحفۃ الاحباب ص۱۷)

اکابرین علماء دیوبند اکابرین علماء دیوبند ہر مسئلہ میں اتباع سنت کے ساتھ سلف صالحینؒ کی تحقیق پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ دیگر مسائل کی طرح وہ بدعت کی تعریف میں بھی سلف کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا کریم بخش صاحبؒ (المتوفی ۱۲۶۵ھ) لکھتے ہیں: اصطلاح شریعت میں بدعت ہر وہ فعل دین ہے جس کو قرون ثلاثہ کے اہل حق کی اکثریت نے قبول نہ کیا ہو یا ان پاکیزہ زمانوں میں اس کو خلاف دین کہا گیا ہو یا خود ان زمانوں کے بعد پیدا ہو جس میں حقیقۃً غیر ضروری کو ضروری سمجھا جائے یا ضروری کو غیر ضروری۔ (حقیقت الایمان ص۳۲)۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ لکھتے ہیں کہ بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ (مسائل شریعت ص۲)

اور حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب (المتوفی ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں کہ: "بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو، اور اُسے دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔" (تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص۷۷)

قارئین کرام! ان مخصوص حوالجات کو پڑھ پڑھ کر اور سن سن کر آپ یقیناً اکتا چکے ہوں گے مگر ہم بھی مجبور ہیں۔ کیونکہ ایسے حضرات سے سابقہ پڑ چکا ہے جو دین سے یکسر بے بہرہ ہیں مگر لوگوں کے ایمان اور دین کو شبہات کی بدولت لوٹنے میں بڑے چست اور ہوشیار ہیں اور عوام بیچارے ان کے جبوں اور قبے نما دستاروں میں الجھ کر متاع ایمان گنوا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان گندم نما جو فروشوں سے محفوظ رکھے۔ ان عبارات میں آپ نے بخوبی ملاحظہ کر لیا کہ کیا دیوبندی حضرات اور کیا بریلوی اور کیا وہ اکابر علماء اُمت جو فریقین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ بدعت کی تعریف میں دین کی قید لگاتے ہیں اور علم اور عمل اور اعمال۔ عبادات و معاملات سب کو اس دین میں درج کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جو عقیدہ یا عمل یا حال کتاب و سنت اجماع و قیاس شرعی کے تحت درج نہ ہو وہ بدعت ہے۔ دین کی اور عقیدہ کے علاوہ عمل کی خاص طور پر قید لگاتے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ کی عبارات میں حضرات صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی (کل قول وفعل لم یثبت عن الصحابةؓ ہو بدعة) ان سب بحث کو پیش نظر رکھ کر آپ مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی کی تحقیق انیق بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کل محدثة بدعة (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے۔ اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقات کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔ اُس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔" (جاء الحق وزہق الباطل ص۲۱۱)

نیز لکھتے ہیں کہ: "ان دونوں عبارتوں (مرقات اور اشعۃ اللمعات کی عبارت) میں نہ تو دینی کام کی قید ہے اور نہ زمانہ صحابہؓ کا لحاظ ہے۔ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ

تلامذہ صحابہؓ میں یا اس کے بعد، وہ بدعت ہے۔" (جاء الحق ص۲۱۲)۔

مفتی صاحب کا یہ ارشاد سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ اولاً اس لئے کہ سابق عبارات میں اس کی پوری تحقیق عرض کی جا چکی ہے کہ شرعی بدعت وہی ہے جو مذموم اور قبیح ہے۔ دین کی قید ملحوظ ہے بلکہ ایک روایت میں فی دیننا کے الفاظ آتے ہیں۔ وثانیاً اگر بالفرض مرقات اور اشعۃ اللمعات کی عبارات میں دین کی قید اور صحابہ کرامؓ کا ذکر نہیں تو کیا کسی اور کی عبارت میں بھی اس کا ذکر نہ ہوگا؟ لیجئے ہم مفتی صاحب کو مرقات اور اشعۃ اللمعات سے دین کی قید بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی ایک بدعتی کے سلام کا جواب نہ دینے کی روایت با حوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ اس روایت میں بلفظ قد احدث کی شرح کرتے ہوئے علامہ ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:

قد احدث ای ابتدع فی الدین ما لیس منہ۔ (مرقات المشکوٰۃ ج ا ص۲۲۰)۔

یعنی اس نے دین میں ایسی چیز نکالی ہے، جو دین سے نہیں ہے۔

اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: "رسیدہ است مرا کہ وے احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے را کہ نبودہ است۔" (اشعۃ اللمعات ج ا ص۱۱۳)

لیجئے مفتی صاحب کی تمنا بھی پوری ہوگئی اور مرقات و اشعۃ اللمعات کی عبارتوں میں دین کی قید بھی آگئی۔ اب مفتی صاحب ان سے پوچھ لیں کہ انہوں نے محض اپنی طرف سے دین کی قید کیوں لگائی ہے اور احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کی مخالفت وہ کیوں کی ہے؟ اسی طرح علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور ما انا علیہ واصحابی کی شرح میں ان عظیم بزرگوں کی عبارتیں ملاحظہ کر لیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل سنت ہے یا بدعت، طبیعت صاف ہو جائے گی۔ اور اشعۃ اللمعات کی یہ عبارت پہلے نقل کر دی گئی ہے کہ حضرات خلفاء راشدینؓ نے اجتہاد و قیاس سے جو احکام صادر کئے ہیں وہ بھی سنت ہیں، و اطلاق بدعت برآں نتواں کرد، چنانکہ فرقۂ ضالہ گمان کنند۔ مفتی احمد یار خان صاحب تو صحابہؓ کے عمل کو بھی لغوی طور پر بدعت کہہ کر بدعت اچھی عبادت کہتے ہیں۔ تعجب اور حیرت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو حضرات خلفاء راشدینؓ کے عمل کو سنت فرمائیں اور حضرات صحابہ کرامؓ کو سید حق

قرار دیں اور خیر القرون کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائیں۔ اور مفتی احمد یار خاں صاحب یہ کہیں کہ خواہ زمانہ صحابہؓ میں یا اس کے بعد، وہ بدعت ہے۔ وثالثاً مفتی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی اٹکل سے ہے، احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثینؒ کے خلاف ہے، یہ ان کا خالص بہتان اور افتراء اور سفید جھوٹ ہے۔ دینی کام کی قید نہ تو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور نہ اقوال فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ کسی ایک معتبر امام و فقیہ اور محدث و عالم کا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا جو یہ کہتا ہو کہ بدعت مذمومہ اور شرعی بدعت کی تعریف میں دین کی قید ملحوظ نہیں۔ فھل من مبارز؟ ؎

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت

و ای غریم فی التقاضی غریمھا

حضرت امام مالکؒ کا حوالہ الاعتصام سے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ابتدع فی الاسلام کی قید لگاتے ہیں اور باقی علماء اور فقہاء و محدثین کی عبارتیں (بلکہ فریق مخالف کے محقق اور مسلم علماء کی عبارتیں بھی) منقول نقل کی جا چکی ہیں اور ائمہ لغت سے بھی یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ وہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے دین کی قید سے اتفاق اور بے پرواہی نہیں کرتے اور کل محدثۃ بدعۃ کے متعلق بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب و سنت کے مقابلہ میں اس کو بیان کر کے یہ تعیین فرما دیا ہے کہ اس سے مراد شرعی بدعت ہے اور حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ عینیؒ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ اس سے مراد شرعی بدعت ہے، لغوی نہیں۔ ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ اور عرض کریں، مگر مفتی صاحب کی تمرد و فریب اور مغالطہ آفرینی کے پیش نظر چند حوالے اور سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

حبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (المتوفی ۶۸ھ) آیت فلا تقعدوا معھم الآیۃ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

۱ شیخ عبد الحق صاحبؒ حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت خط لنا الخ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ صراط مستقیم وہ ہے جس پر سلف صالحین از صحابہؓ و تابعین باحسان مستقیم بودند یعنی اعتقاد و سیرت و طریقہ بود و آنچہ [illegible] بدع و اہواء [illegible] و اقوال بعضے اہل حادث شدہ۔ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص[illegible])

دخل فی ہذہ الاٰیۃ کل محدث فی الدین و کل مبتدع الی یوم القیٰمۃ۔

اس آیت میں ہر وہ بدعت جو دین میں نکالی جائے اور تمام بدعتی جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے داخل ہیں۔

(خازن ج ۲ ص ۵۰ و معالم بر حاشیہ خازن ج ۲ ص ۵۰)

مفتی صاحب بدعت کرنے کے مفسر قرآن اور بلند پایہ صحابی سے دریافت کریں کہ آپ نے فی الدین کی قید محض اپنی طرف سے کیوں لگائی ہے۔ بدعت تو ہر نئی چیز کا نام ہے، دینی ہو یا دنیاوی؟

حضرت حسان تابعی (المتوفی بعد ۱۲۰ھ) فرماتے ہیں:

ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینھم الا نزع اللہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا الیھم الی یوم القیامۃ۔ (دارمی ص ۲۶ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱)

کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالتی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنت اُن سے اُٹھا لے گا۔ اور پھر قیامت تک ان کو وہ سنت واپس نہ دے گا۔

حضرت حسانؒ بھی بدعت کے ساتھ فی دینھم کی قید لگاتے ہیں اور سنت اور بدعت کا تقابل کر کے یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ اگر سنت دینی کام ہے تو بدعت بھی دینی ہی کام کا نام ہے بلکہ حضرت غضیفؓ بن الحارث الثمالی (المتوفی ۸۰ھ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اسی کی مقدار میں سنت ان سے اٹھالی جاتی ہے۔ سو سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی بدعت کا تقابل سنت سے کیا ہے۔ اگر سنت دینی کام ہے تو بدعت بھی دینی کام ہوگا۔ اگر بدعت دنیاوی کام ہو جیسا کہ مفتی صاحب کو دھوکا ہوا ہے تو اتحادِ محل نہ رہا۔ پھر بدعت کے احداث سے سنت کیسے رفع ہوگی؟

ل شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ سنت ہوتی ہے سیرت و طریقہ مسلوکہ در دین (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۴۸) یعنی سنت کے معنی سیرت کے اور دین میں اس راستے کے ہیں جس پر چلا جائے۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (المتوفی ۷۹۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ان البدعة المذمومة هو المحدث في الدين	مذموم بدعت وہ ہے جو دین میں نئی ایجاد کی جائے اور وہ
من غير ان يكون في عهد الصحابة والتابعين	حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے عہد میں نہ ہو اور اس
ولا دل عليه الدليل الشرعي (شرح مقاصد ص۔۔۔)	پر کوئی شرعی دلیل دلالت کرتی ہو۔

علامہ عبد العزیز فرہارویؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو كل ما حدث في الدين بعد زمن الصحابة بلا	بدعت ہر وہ چیز ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بعد
حجة شرعية (نبراس ص ۲۱)	بلا حجت شرعیہ دین میں نکالی جائے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ جس بدعت کی مذمت کی گئی ہے وہ بقول مفتی احمد یار خان صاحب ہر نیا کام نہیں جو دینی ہو یا دنیاوی، بلکہ وہ بدعت مذموم ہے جو محدث فی الدین ہو، اور یہی بدعت حرام ہے۔ اور جو بدعت امور دینیہ میں نہ ہو اس کی حرمت ثابت کرنا بقول خان صاحب بریلوی ایک دشوار کام ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

"از حق تعالیٰ بتضرع والتجا مسئلت است کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفاء راشدین او نبودہ اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ با او ہستند در آں عمل گرفتار نگرداند و مفتون حسن آں مبتدع نکناد بحرمت سید المرسلین" (مکتوبات حصہ سوم دفتر ۲ مکتوب ۱۸۶)

اسی مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے لے کر فریق مخالف کے مسلم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی تک سب بدعت کے ساتھ دین کی قید لگاتے ہیں مگر مفتی احمد یار خان صاحب ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ!

کیا عجیب ہے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ

یہ سب سے سچ کہ دل لگا ہے نا صحیح ۔ نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

الغرض مذموم بدعت صرف وہ ہے جو کار ثواب اور دین سمجھ کر کی جائے اور اسی کی مذمت

پر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور سلف صالحینؒ کا اجماع ہے چنانچہ علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ :

اجماع السلف الصالح من الصحابة والتابعين ومن يليهم على ذمها كذلك (الاعتصام ج ۱ ص ۱۸۱)	حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ وغیرہم سلف صالحینؒ کا اس بدعت کی مذمت پر اجماع و اتفاق رہا ہے۔

اور اس میں دینی کام کی قید موجود ہے۔ دنیوی اُمور اس بدعت میں ہرگز داخل نہیں ہیں بلکہ تقریباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مکروہ بھی نہیں چہ جائیکہ وہ حرام اور بدعت مذمومہ میں داخل ہوں۔ جناب مسلک پر تقلین رکھنے والے شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) کا ارشاد سنیئے :

انا اذا نظرنا الى البدع المتعلقة بامور الدنيا لم تساو البدع المتعلقة بامور الاحكام الفرعية ولعل البدع المتعلقة بامور الدنيا لا تكره اصلاً بل كثير منها يجزم فيه بعدم الكراهة واذا نظرنا الى البدع المتعلقة بالاحكام الفرعية لم تكن مساوية للبدع المتعلقة باصول العقائد۔ (احكام الاحكام ج ۲ ص ۱۵۱)	ہم نے جب ان بدعتوں کو دیکھا جو امور دنیا سے متعلق ہیں تو وہ اُن بدعات کے مساوی نظر نہ آئیں جو عبادات فرعی احکام سے متعلق ہیں اور شاید کہ وہ بدعتیں جو امور دنیا سے متعلق ہیں بالکل مکروہ بھی نہ ہوں بلکہ ایسی بہت سی دنیوی بدعات کے متعلق یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مکروہ بھی نہیں ہیں اور جب ہم نے ان بدعات کو دیکھا جو فرعی احکام سے متعلق ہیں تو وہ ان بدعات کے مساوی نہیں جو بدعات اصول عقائد سے متعلق ہیں۔

اس عبارت کو ذہن نشین کر لیجئے جس میں صراحت سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ بدعت عقائد میں بھی ہوتی ہے اور اعمال میں بھی۔ دینی اُمور میں بھی اور دنیوی میں بھی۔ مگر دنیوی اُمور کی بدعت نہ تو حرام ہے اور نہ مذموم، بلکہ مکروہ تک بھی نہیں۔ جو لوگ اُمور دنیاوی کو بدعت کی مد میں شامل کرتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں

اہلِ بدعت حضرات کے الزامی اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض :

قرآن کریم کا کتابی صورت میں جمع کرنا، اس پر اعراب لگانا اور موجودہ ترتیب کے ساتھ اس کو چھاپنا بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔

الجواب :

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :

وقد کان القرآن کتب کلہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد (اتقان ج ۱ ص ۵۹)

قرآن کریم سب کا سب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لکھا گیا تھا لیکن ایک جگہ میں نہ تھا۔

صحیح روایت یہ ہے کہ سورتوں میں ترتیب تھی جیسا کہ بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام حارث محاسبیؒ لکھتے ہیں کہ :

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ (ایضاً ص ۶۰)

قرآن کریم کی کتابت شدہ بدعت نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اس کے لکھنے کا حکم دیا کرتے۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم مختلف رقعات سے قرآن کریم کو آپ کے سامنے جمع کرتے تھے

اس کو بدعت کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے اور اس سے مرغوب تجاوز کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض: جمعہ کے خطبہ سے قبل تقریر کرنا بدعت ہے مگر تم بھی کرتے ہو۔

الجواب: جمعہ کے خطبہ سے پہلے تقریر کا متعدد حضرات صحابہ کرام سے ثبوت ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ جب امام خطبہ دینے نکلتا آتا تو حضرت ابوہریرہؓ اپنی تقریر ختم کر دیتے تھے۔ (مستدرک ج ۱ ص۱۰۸ وج ۳ ص۵۱۲ قال الحاکم والذہبیؒ صحیح)۔

ابو الزاہریہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن بسر جمعہ کے دن خطبہ سے قبل وعظ کیا کرتے تھے جب خطیب خطبہ دینے نکلنے آتا تو وہ وعظ بند کر دیتے تھے (حاکم ج ۱ ص۲۸۸ وقال صحیح)۔

حضرت تمیم داریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے اجازت طلب کی کہ میں جمعہ کے دن تقریر کیا کروں گا۔ اور اس میں مختلف نصیحت آمیز واقعات بیان کروں گا۔ پہلے حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا لیکن حضرت تمیم داریؓ کے اصرار پر انہوں نے اجازت دے دی کہ تم جمعہ کے دن اس سے قبل کہ میں خطبہ کے لئے آؤں، تقریر کر سکتے ہو۔ (اصابہ فی تذکرۃ الصحابہؓ ج ۱ ص۱۸۴)۔

تیسرا اعتراض: آپ کے زمانہ مبارک میں مسجدوں میں روشنی کا انتظام نہ تھا لہٰذا مسجدوں میں روشنی کا انتظام کرنا بھی بدعت ہے حالانکہ تمہاری مساجد میں بھی روشنی کا انتظام ہوتا ہے۔

الجواب: امام ابو داؤدؒ نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے: باب السرج فی المساجد اور اس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم بیت المقدس نماز کے لئے نہیں جا سکتے تو:

فابعثوا بزیت یسرج فی قنادیلہ۔	تم زیتون کا تیل بھیج دو تاکہ بیت المقدس کی قندیلوں میں روشنی کیا جا سکے۔
(ابوداؤد ج ۱ ص۶۸)	

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے بیت المقدس میں چراغ جلانے کے لئے تیل بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ ... [illegible])

البتہ مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ کے زمانہ مبارک میں روشنی کا انتظام نہ تھا۔ حضرت تمیم داریؓ نے سب سے پہلے مسجد میں چراغ جلایا اور روشنی کا انتظام کیا۔ (ابن ماجہ ص ۵۶ و تہذیب ج ۱ ص ۵۱۱)۔

مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے حضرت تمیم داریؓ نے مسجد میں چراغ جلائے۔ (الفاروق ج ۲ ص ۱۳۲)۔

تحریر البیان ص ۷۶ اور الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۵۶ اور مرآۃ الحرمین ج ۱ ص ۲۲۵ از ابراہیم رفعت باشا میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حرم محترم کے گرد دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔

فائدہ: مسجد میں جتنی روشنی کی ضرورت ہے اس سے زیادہ چراغ روشن کرنے حرام ہے چنانچہ ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

ولا یجوز ان یزاد علی سراج المسجد لان ذلک اسراف سواء کان ذالک فی رمضان او غیرہ الی ان قال وفی القنیة واسراج السرج الکثیرة فی السکک والاسواق لیلة البرأة بدعة وکذا فی المساجد۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۱۱)۔

مسجد میں ضرورت سے زیادہ چراغ جلانے جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ اسراف ہے، رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں۔ پھر فرمایا کہ قنیہ میں ہے کہ شب برأت میں گلیوں اور بازاروں میں بہت سے چراغ جلانا بدعت ہے اور اسی طرح مسجدوں میں بھی ضرورت سے زیادہ چراغ جلانا بدعت ہے۔

حضرات فقہائے احنافؒ کا تو یہ قول ہے۔ مگر چودھویں صدی کے مفتی جو بزعم خود حنفیت کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں یہ ارشاد فرماتے ہیں: پنجاب اور یوپی و کاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے۔ (الفقیہ جاء الحق ص ۲۹۱)۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ ضرورت سے زیادہ چراغ جلانے کو دیوبندی ہی منع کرتے ہیں یا علامہ ابن نجیم حنفیؒ وغیرہ بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ اور کیا بے دینی صرف دیوبندیوں کے حصہ میں آئے گی یا علامہ

ابجد نجم وغیرہ اضافت کو بھی اس بدعت دینی سے کوئی حصہ ملے گا؟ بینوا وتوجروا۔ یہ یاد رہے کہ کسی دیوبندی نے ضرورت سے زائد چراغ جلانے کو شرک تو نہیں کہا البتہ فقہاء کرام کی پیروی میں بدعت ضرور کہتے ہیں اور بدعت کا ارتکاب بھی ممنوع وحرام ہوتا ہے۔

لطیفہ: مفتی احمد یار خان صاحب نے اپنی معتبر ومستند تفسیر روح البیان شریف سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل تک عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں الخ (بلفظہ جاء الحق ص۲۱۳)۔

چوتھا اعتراض:

مسجدوں میں فرش اور چٹائی کا انتظام بھی بدعت ہے کیونکہ آپ کے زمانہ مبارک میں ایسا نہیں ہوا اور تم لوگ بھی اس کا اہتمام کرتے ہو۔

الجواب:

یہ ٹھیک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجدوں میں چٹائی وغیرہ کا انتظام نہ تھا (دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۔ وغیرہ) لیکن یہ انتظام حضرت عمرؓ کے عہد میں مکمل ہوا ہے۔ جیسا کہ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ:

فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پرتکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد وخاک میں آلودہ نہ ہوں۔ (الفاروق ج ۲ ص۲۳۲)

فائدہ: مسجد میں سب سے پہلے خوشبو جلانے کا باقاعدہ انتظام بھی حضرت عمرؓ نے کیا (خلاصۃ الوفا، ص۱۳۱)، اور مسجد میں سب سے پہلے پردے حضرت عثمانؓ نے نصب کئے تھے (مرآۃ الحرمین ج ۱ ص۲۱۹)۔

پانچواں اعتراض:

مسجدوں میں محراب بھی بدعت ہے کیونکہ آپ کے پاک زمانہ میں محراب نہ تھی اور تمہاری مسجدوں میں بھی محراب کا وجود ہوتا ہے۔

الجواب :

امام نوویؒ شرح مہذب ج ۳ ص ۱۹۳ میں اور علامہ سمہودیؒ وفاء الوفاء ج ۱ ص ۳۶۹ میں لکھتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں مسجد میں محراب کا وجود نہ تھا لیکن علامہ بدرالدین عینی الحنفیؒ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۹۱ میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر کعبہ کی جہت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے محراب بنائی تھی۔ اور علامہ مقریزیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گو محراب کا کچھ نقش پہلے تھا مگر محراب مجوف (جوف دار طاق کی شکل میں جیسا کہ آج کل عموماً مساجد میں رواج ہے) خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوائی تھی۔ یہی علامہ مقریزیؒ لکھتے ہیں کہ :-

فاما محاریب الصحابۃ رضی اللہ عنہم التی بفسطاط مصر والاسکندریۃ فان سمتها یقابل مشرق الشتاء۔ (مقریزی ج ۴ ص ۲۱)۔

مصر اسکندریہ کی مساجد میں حضرات صحابہ کرامؓ نے جو محراب بنائے ان کا رخ اس طرف ہے جہاں سے موسم سرما میں سورج طلوع ہوتا ہے۔

اور امام قاضی خان الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :

والمحاریب التی نصبها الصحابۃ رضی اللہ عنہم والتابعون الخ (ج ۱ ص ۳۳)۔

وہ محراب جو حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے بنائے ہیں (ان کو اسی حالت میں رہنے دو)۔

الحاصل علامہ عینیؒ کی تحقیق کے مطابق محراب آپ کے عہد مبارک میں موجود تھیں اور دوسرے محققین کی تحقیق کی رو سے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے پاک ہاتھوں نے محراب بنائے تھے۔

چھٹا اعتراض :

آپ کے زمانہ میں مسجدوں میں مینار نہیں ہوتے تھے اس لئے یہ بدعت ہیں حالانکہ تمہاری مساجد میں بھی مینار ہوتے ہیں۔

الجواب :

مینار اصل میں اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر اذان ہو اور دور تک لوگ اذان کی آواز سن سکیں

او حفاظا من جوانحطأ او غير ذٰلك فاين مدخل البدعة ههنا؟ (الاعتصام ج ۱ ص ۱۳۲)۔ — وغیرہ کے علاوہ اور کیا زیادہ کیا ہے؟ تو اس میں بدعت کا دخل ہی کیا ہے؟ (محصلہ)

سوال اعتراض:

مدارس میں دورۂ حدیث وغیرہ کا نصاب مقرر کرنا اور امتحان لینا بھی بدعت ہے۔

الجواب:

اہل عرب اور حضرات صحابہ کرامؓ کی مادری زبان ہی عربی تھی۔ وہ صرف و نحو اور دیگر مبادی علوم کے حاصل کرنے کے بغیر ہی قرآن کریم اور حدیث شریف کو سمجھ سکتے تھے۔ بخلاف عجمی لوگوں کے کہ ان کے لئے قرآن و حدیث وغیرہ تک اس وقت تک ہرگز رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ مبادی حاصل نہ کر لیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر خلیفۂ راشد حضرت علیؓ نے ابو الاسود دؤلی کو یہ امر ارشاد فرمایا کہ وہ اس طرح ایک علم وضع کرے جس سے فہم قرآن میں مدد ملے اور غلطی واقع نہ ہو (دیکھئے حسن حصین ص ۳ و اقتراح سیوطی ص ۸۲ و البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۲ وغیرہ)۔ اس لئے اگر طلبہ کے لئے قرآن و حدیث کے صحیح مدد پر حاصل کرنے کے لئے کوئی نصاب حضرات سلف صالحین نے تجویز کیا ہے تو صحیح ہے اور ما لا یتم الواجب الا به فهو واجب کے قاعدہ کے تحت مبادی کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ رہا امتحان سوال تو یہ بھی ہرگز بدعت نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴ میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے:

باب طرح الامام المسئلة على اصحابه ليختبر ما عندهم من العلم۔ — باب امام کا اپنے ساتھیوں پر کوئی ایسا سوال قائم کرنا جس سے ان کے علم کا امتحان ہو سکے۔

اور اس کے نیچے یہ روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حضرات صحابہ کرامؓ سے یہ سوال کیا کہ ایسا درخت بتاؤ جس کے پتے نہیں جھڑتے وہ مسلم کی مثال ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے علم کے مطابق جنگل کے درخت گنوا دیئے۔ مگر صحیح جواب سوائے حضرت ابن عمرؓ کے اور کسی کو نہ سوجھا۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ کم سن ہونے کی وجہ سے خاموش رہے۔ پھر آپ نے خود بتایا کہ

کھجور کا درخت ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد نظیریں کتب احادیث میں استحسان کی موجود ہیں۔

دسواں اعتراض :

احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بدعت ہے۔

الجواب :

خود جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حدیثیں لکھی جاتی تھیں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو معلوم نہیں، مگر ہاں عبداللہ بن عمروؓ کو، کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا (بخاری ج ۱ ص۲۲ وغیرہ)۔ حضرت ابوہریرہؓ کی کل احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے (۵۳۷۴) اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ صحیفہ ابوہریرہؓ کے نام سے ایک مختصر سا رسالہ طبع ہوا ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے کتابی شکل میں جمع کیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے صحیفہ کا نام صادقہ کتب تاریخ میں آتا ہے۔ الغرض یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حدیثیں نہیں لکھی جاتی تھیں اور کتابی شکل میں جمع نہ ہوتی تھیں، ایک سراسر بہتان ہے۔

گیارھواں اعتراض :

تنخواہ لے کر پڑھانا اور ختم تراویح کرنا بدعت ہے۔

الجواب :

پہلے پوری تفصیل سے عرض کی جا چکی ہے کہ اگرچہ بعض حضرات متقدمین کا اس دور میں بھی اختلاف تھا۔ مگر متاخرین نے (جن میں صاحب ہدایہ ج ۳ ص۳۰۱ بھی ہیں اور فرماتے ہیں وعلیہ الفتویٰ اور امام قاضی خان بھی جواز کا فتویٰ نقل کرتے ہیں (ج ۴ ص۹۳ طبع مصر)۔ اور امام سرخسیؒ بھی ہیں اور فرماتے ہیں نفتی بالجواز (بحوالہ البنایہ ج ۳ ص۶۵۵) جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بحر الرائق وغیرہ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے اور حضرات خلفاء راشدینؓ خود بھی نماز وخطبہ اور قضاء وغیرہ پر بیت المال سے روزینہ لیا کرتے تھے

وغیرہ سب نئی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا۔ لہٰذا یہ حرام ہیں یا ضلال ہیں (ملخصاً جاء الحق ص۲۱۲)۔ ان اعتراضات کے جوابات عرض کر دیئے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت امام الانبیاء سید الرسل خاتم النبیین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے یہی پہلو ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے اور معصیت کے راستہ سے ہرگز اس کو راضی نہیں کیا جا سکتا۔ (لما جاء فی الحدیث ان اللہ لا ینال فضلہ بمعصیۃ۔ مستدرک ج۲ ص۴)۔ اور جس پہلو کو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترک کر کے امت کو بتایا ہے، ہمارے لئے بھی اس کا ترک کرنا ہی سنت ہوگا اور صرف اسی پہلو کو لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

ان اللہ یحب ان یؤخذ برخصہ کما یکرہ ان تؤتی معصیتہ (رواہ احمد وابن خزیمۃ وصححہ) (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۱۸ ص۱۵۱)

تحقیق سے اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

یہ روایت مسند احمد ج۲ ص۱۰۸، اور موارد الظمآن ص۲۲۸ اور ص۲۲۵ میں حضرت ابن عمرؓ سے اور ص۲۲۸ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ کی بے تکلف زندگی کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے حدیث اقلہا تکلفا کی شرح میں ان کی سادہ زندگی کا نقشہ کھینچ کر بتایا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھروں میں حلقہ بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ وہ اپنے اجسام کے لحاظ سے فرشی تھے لیکن اپنے ارواح کے اعتبار سے عرشی تھے۔ ظاہری طور پر تو وہ مخلوق کے ساتھ تھے مگر باطن کے رو سے مخلوق سے جدا ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ تھے (مرقات ج۱ ص۲۱۲)

اور علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن

یعنی مسجدوں میں آواز بلند کرنا گویا بدعت کے اندر گھلا

نمازِ جنازہ

کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا بدعت ہے

فقہائے احناف اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَلْفَ اَلْفِ تَحِیَّۃٍ وَالتَّسْلِیْمِ

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے جناب امام الانبیاء سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم الشان قانون اور آئین عطا فرمایا ہے جو قرآن کریم اور حدیث شریف کی شکل میں آج بھی امت کے ہاتھوں میں صحیح اور اصلی رنگ میں موجود ہے گو باطل پرستوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تحریف لفظی اور معنوی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ ہم اس کے محافظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا بیڑا خود ہی انتظام فرمایا اور آج بھی دین اسلام کا وہ چشمہ بغیر کسی آمیزش کے ہمارے سامنے موجود ہے، اور وہ ایسا مکمل نظام ہے جس کے بعد کسی اور نظام اور آئین کی مطلق ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور کیوں مکمل نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱) آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو ہی دین پسند کر چکا ہوں۔

یہ قرآن کی آخری آیت حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی، اور ایک لاکھ سے زائد ان نفوس قدسی پاک نے اپنے کانوں سے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جن کو اہل اسلام صحابہ کرام کی بہترین جماعت سے تعبیر کرتے ہیں اس آیت کے پیش نظر سوچنا یہ ہے کہ جس چیز کا وجود اور سبب تو خیر القرون میں موجود تھا مگر اس پر ایسی کاربندی نہ کی جاتی تھی جو آج کی جاتی ہے اور اس کو دین کا رنگ دیا جاتا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہوگی اور اس کی ترویج و اشاعت کرنے والا گویا عملی طور پر اس کا ادعا کر رہا

ہے کہ دین مکمل نہیں اور میری کچھ نیا لانے سے اس کی تکمیل ہوگی مثلاً ولادت اور ختنے اس وقت بھی ہوتے تھے۔ شادی اور غمی اس وقت بھی ہوتی تھی، وفات اور جنازے اس وقت بھی ہوتے تھے، قبریں بھی موجود تھیں، اور مصائب بھی لوگوں کو پیش آتے تھے مگر تو ولادت اور ختنوں کے موقعوں وہ بدعات کی جاتی تھیں جو آج کی جاتی ہیں، اور نہ شادی اور وفات پر وہ رسمیں ادا ہوتی تھیں جو آج رائج ہو چکی ہیں اور نہ میت پر نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد وہ مصنوعی طریقہ دعا تھا جو آج کیا جاتا ہے۔ قبریں بھی موجود تھیں مگر ان پر نہ بیٹے اور نہ عرس ہوتے تھے، مصائب تھیں اور تکلیفیں بھی لوگوں کو پیش آتی تھیں مگر نہ تو وہاں قبروں کے طواف ہوتے تھے، اور نہ قبروں پر نذریں اور منتیں ہی مانی جاتی تھیں۔ جب یہ تمام اسباب و دواعی اس وقت موجود تھے مگر یہ خود ساختہ کاروائیاں ہرگز وہاں نہ تھیں تو کیسے سمجھ لیا جائے کہ آج یہ کام جائز اور کار ثواب ہیں۔ یقین جانیے کہ جو کام اس وقت دین نہ تھا وہ آج بھی ہرگز دین نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام مالکؒ نے کیا خوب ارشاد فرمایا فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا (الاعتصام للشاطبی جلد ۲ ص۵۳) کہ جو چیز اس وقت دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (بخاری جلد ۱ ص۳۷۱ و مسلم جلد ۲ ص۷۷ و ابو داؤد جلد ۲ ص۲۷۹) کہ جس شخص نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں سے نہیں تھی تو وہ مردود ہوگی۔

فی امرنا سے امر دین اور شریعت مراد ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

والمراد بہ امر الدین (فتح الباری جلد ۵ ص۲۲۱) اس سے مراد دین کا کام ہے۔

اور یہ واضح امر ہے کہ مذموم وہ بدعت ہے جو امر دین سے ہو محض لغوی بدعت یا زمانہ اور سائنس کی ترقی کے تحت جو چیزیں ایجاد ہو چکی ہیں یا تا قیامت ہوں گی وہ یقیناً

مذموم نہیں ہیں اور ایسی جماعت ہرگز مذموم نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہوائی جہاز، کاریں، بس، ٹیلیفون، گھڑی، ریل اور اس قسم کی بے شمار نوایجادات اشیاء کو لے کر لمبا اور چوڑا اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ یہ بھی تو آخر بدعت ہیں ان کو کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟ لیکن آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مذموم وہ بدعت ہے جو امر دینی سمجھ کر کی یا چھوڑی جائے۔ یہ چیزیں امر دینی سے نہیں ہیں بلکہ تمدن اور ترقی کے لوازمات سے ہیں۔ ایسی نئی نوایجاد چیزوں کا استعمال ناجائز نہ ہوگا بشرطیکہ ان کا استعمال کسی خلاف شرع امر کے لئے نہ ہو۔ فقہائے کرام کا تمباکو کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کو مطلقاً حرام دوسرا مکروہ تحریمی اور تیسرا مکروہ تنزیہی کہتا ہے فریقین کے مسلّم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تمباکو حلال کیسے ہوگیا۔ جب کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا تو اس کا استعمال بدعت ہوگا اور بدعت کیسے حلال ہوگی۔ اس کا جواب خان صاحب یوں ارشاد فرماتے ہیں

۔ رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ امور دین میں تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے۔

ملخصاً (احکام شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۲۸)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت وہی بری ہوتی ہے جو امور دین سے ہو۔ کھانے پینے اور دیگر تمدنی اور تہذیبی امور میں بدعت لغوی ہوگی اور وہ مذموم نہ ہوگی اور اس کا حرام ثابت کرنا ایک دشوار امر ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بدعت سے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔

وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار۔ (نسائی شریف جلد ا صفحہ ۱۷۹) بدترین کام وہ ہیں جو نئے نئے نکالے گئے ہوں، اور ہر نئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ بدعت بظاہر کوئی برا کام ہی ہو تب ہی بدعت ہوگی بلکہ اگر بالفرض نماز بھی ہو مگر کسی خاص وقت، اور اس کیفیت سے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہی ہوگی حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عروہ بن الزبیرؓ مسجد میں داخل ہوئے۔

فاذا عبد الله بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ و اذا الناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناہ عن صلوتہم فقال بدعۃ۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۳۸ و مسلم جلد ا صفحہ ۴۰۹) تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں ہم نے حضرت ابن عمرؓ سے ان لوگوں کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔ بدعت ہے۔

حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ مرادہ ان اظہارھا فی المسجد والاجتماع لہا ھو البدعۃ لا ان اصل صلوۃ الضحی بدعۃ۔ (نووی ج جلد ا صفحہ ۴۰۹) حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا مسجد میں اظہار کر کے پڑھنا اور اس کے لئے خاص اہتمام اور اجتماع کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ چاشت کی نماز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایات سے ثابت ہے مگر اس کے لئے اجتماع اور خاص اہتمام آپ سے ثابت نہیں ہے اور اس نماز کا یہی اہتمام اور اجتماع حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک بدعت ہے آج کل کے عاشق اور محبت وہاں بھی ہوتے تو حضرت ابن عمرؓ پر وہابیت کا فتویٰ لگا دیتے کہ مسجد نبوی میں نماز جیسی عبادت کو بدعت کہتے ہیں مگر وہ بزرگ صحیح معنی میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔ وہ ہر قول اور فعل میں آپ کی اقتداء کو دین اور آپ کی خلاف ورزی کو بے دینی اور بدعت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

تنبیہ جیسے بعض لوگ از راہ جہالت یہ کہا کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا مگر اس سے منع بھی تو نہیں کیا لہٰذا یہ مکروہ اور بدعت نہ ہوگا۔ مگر

ان کی اشد غلطی ہے۔ اولاً اس لیے کہ جب آپ نے قانون کلی اور ضابطہ یوں بیان فرما دیا ہے کہ شر الامور محدثاتہا۔ کل محدثۃ بدعۃ۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ پھر الگ الگ جزئیات کے لیے جداگانہ ارشاد فرمانے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ قانون کلی ہی حجت ہیں اور جزئیات ان کے تحت داخل ہوتی ہیں۔ ثانیاً فقہائے کرام نے آپ کے کسی فعل کو ترک کرنے سے بھی ایک قانون ہی بنایا ہے اور اس سے فعل کے مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی مسلم فقیہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں کہ طلوع صبح صادق کے بعد صبح کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی اور نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں پڑھی حالانکہ آپ نماز پڑھنے پر بہت حریص تھے (ہدایہ جلد ۱ صفحہ [illegible])۔

جب کوئی کام سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو کہ من وجہ وہ سنت سے ثابت ہو سکتا ہے اور من وجہ وہ بدعت بنتی ہو تو فقہائے کرام کا اس کے متعلق ارشاد یوں ہے۔

وما تردد بین بدعۃ وواجب اصطلاحی فانہ یترک کالسنۃ (البحر الرائق جلد ۲ ص۱۶۵ طبع مصر) جو چیز بدعت اور واجب اصطلاحی یعنی فقہاء کے درمیان دائر ہو اس کو بھی سنت کی طرح ترک کر دینا لازم ہے۔ نہایت حیرت اور تعجب ان حنفیوں اور ان کے ان طلبہ پر ہے جو خالص بدعت اور مکروہ پر اصرار کرتے ہیں۔

یہ چند اصول تھے جو بدعت کی تشریح میں عرض کر دیے گئے ہیں تاکہ کوئی انجان اور ناواقف آدمی بدعت کی چمک اور ظاہری زینت میں مبتلا ہو کر آخرت ضائع نہ کر بیٹھے۔

دعا بعد الجنازہ کو فقہائے احناف مکروہ کہتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں۔

دُعا بعد نماز جنازہ کے عدم جواز پر فقہاء کرام کی تصریحات

نماز جنازہ حقیقت میں دعا ہے اور میت کے لئے استغفار ہے۔ اس کے بعد کوئی اور دعا مسنون نہیں نہ اس کا ثبوت قرون ثلاثہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ ہدایہ باب الجنائز میں لکھا ہے۔

والاتیان بالدعوات استغفار للمیت والبدایۃ بالثناء ثم بالصلوٰۃ سنۃ الدعاء۔	دعاؤں کا ادا کرنا میت کے لئے استغفار ہے اور ثنا سے شروع کرنا اور درود شریف پڑھنا دعا کے لئے سنت طریقہ ہے۔

نماز جنازہ میں دوسری نمازوں کی طرح تمام شرائط اور ارکان نہیں پائے جاتے اس لئے اس کو دوسری نمازوں پر علیحدہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو دوسری دعاؤں کی نظیر ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب مبسوط جلد دوم کے صفحہ پر شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں ایک روایت نقل فرمائی ہے۔

قال النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم السیف محاء الذنوب والصلوٰۃ علیہ شفاعۃ لہ ودعاء فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے اور (شہید) پر نماز جنازہ پڑھنا اس کے لئے شفاعت اور دعاء ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ دراصل دعا ہے۔ اس لئے اس کو دعا کی نظیر قرار دینا قیاس میں معتبر ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الجنائز میں ایک مسئلہ کے جواز میں لکھا ہے۔

اجزاھم فی القیاس لانہا دعاء۔ قیاس میں ان کو کافی ہے کیونکہ یہ دعا ہی تو ہے۔

عنایہ میں ہدایہ کے اس قول " الدیات بالدعوات استغفار للمیت " کے نیچے لکھا ہے۔

اشارة الی ان المقصود هو الدعاء (برحاشیہ فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۸۲)۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل مقصود دعا للمیت ہے۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۴ پر ہے۔

والمقصود بالصلوٰة علی الجنازة الاستغفار للمیت والشفاعة له فلهذا لایاتی به ویأتی بالدعاء المعروف اللهم اغفر لحیّنا و میّتنا

نماز جنازہ سے مقصود میت کے لئے استغفار اور اس کی شفاعت ہے لہٰذا دعا میں مشہور دعاء اللّٰھم اغفر لحیّنا ومیّتنا آخر تک پڑھنی چاہیے۔

آگے چل کر شمس الائمہ سرخسی اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔

لان هذه لیست بصلوٰة علی الحقیقة انما هی دعاء واستغفار للمیت واشتراط الطهارة واستقبال القبلة فیها لایدل انها صلوٰة حقیقة۔

کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ محض میت کے لئے دعا و استغفار ہے۔ اور وضو کا شرط ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اس میں یہ دلالت نہیں کرتا کہ وہ حقیقت میں نماز ہے۔

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو گئی کہ نماز جنازہ سے اصل مقصود دعا و استغفار میت ہے۔ دوسری نمازوں کی طرح اس میں اذان و اقامت نہیں ہے تعوذ تسمیہ، قرأت قرآن نہیں ہے، قومہ، جلسہ، قعود نہیں، تسبیح و تحمید نہیں، نہ اس میں رکوع ہے نہ سجود، اور التحیات اور تشہد بھی نہیں۔ پھر اس میں اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی خاص وقت کی پابندی نہیں۔ صرف وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو کر چار تکبیریں پڑھی جاتی ہیں جس کا سنت طریقہ کتب فقہ میں اس طرح لکھا ہے۔

والصلوٰة ان یکبر تکبیرة

نماز جنازہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی

يحمد الله عقيبها ثم يكبر تكبيرة يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يكبر تكبيرة يدعو فيها لنفسه وللميت وللمسلمين ثم يكبر الرابعة ويسلم (مؤطا امام محمد ص ۱۶۵ باب الجنائز)

ثنا پڑھے، پھر دوسری تکبیر کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میت اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعا کرے پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

جس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ دراصل میت کے لئے دعاءِ مغفرت ہے جس میں خدا کی ثنا اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا سنت طریقہ ہے۔ اس طریق سے دعا کرنا بہت مقبول ہوتا ہے۔ اس کے بعد کوئی اور دعا میت کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جس صورت میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میت کے لئے استغفار و دعا کرنے کا طریقہ چار تکبیروں کے اندر کھڑے ہونے کی حالت میں مقرر فرما دیا ہے تو اب میت کے لئے کسی اور خود ساختہ طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہوگا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے دعا کرنے سے مخالفت ہو جائے گی اور اگر بعد نماز جنازہ کے کوئی اور دعا میت کے لئے کی جائے گی تو نماز جنازہ والی دعا کو لوگ ناکافی خیال کریں گے جس سے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو ناکافی اور نامکمل سمجھنے کا قوی شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے فقہائے احناف رحمۃ اللہ نے دعا بعد نماز جنازہ کو زیادت اور مکروہ فرمایا ہے۔

نماز جنازہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو چھپ کر اندھیروں میں پڑھی جاتی ہو۔ یہ تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر آج تک کھلے میدانوں میں پڑھی جاتی رہی۔ اکثر لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوتے تھے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کئی جنازوں پر نماز ادا فرمائی۔ آپ کے ساتھ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک نماز ہوتے رہے۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ آئے اور تابعینؒ کے بعد تبع تابعینؒ نے جنازوں کی نمازیں پڑھیں۔ ایسی صورت میں بعد نماز جنازہ کے دعا و استغفار کی شہادت کسی طریق سے احادیث صحیحہ

میں ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ نماز جنازہ کو کثرت سے کھلے میدانوں میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کے باوجود اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ اور ملا محمد مجتہد حنفی نے اس کی کہیں صراحت فرمائی ہے۔ ایسی صورت میں اس دعا کو سنت و مستحب قرار دے کر اس پر اصرار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم، احادیث اور آثار کو جاننے والے فقہائے عظام رحمہم اللہ نے اس دعا کو جائز نہیں کہا، بلکہ انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں اس نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو صاف طور پر ناجائز اور مکروہ فرمایا ہے۔ آپ فقہ کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیے اور تعصب کو دور کر کے انصاف کی نظر سے فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہم کی تصریحات کو ملاحظہ فرماتے جائیے آپ کو صراط مستقیم مل جائے گی۔

پہلا ثبوت۔ کنز الدقائق میں نماز جنازہ کی ترکیب میں لکھا ہے وھی اربع تکبیرات یثنی بعد الاولی ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الثانیۃ ویدعو بعد الثالثۃ۔ اور جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری تکبیر کے بعد حضور اکرم علیہ السلام پر درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا ہے۔

دعا بعد الثالثۃ کے بعد بحر الرائق جلد دوم ص ۱۸۳ پر لکھا ہے۔

وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لایدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ

اور مقید کیا اس کو ساتھ قول بعد الثالثۃ کے کیونکہ بعد سلام کے کوئی اور دعا نہ مانگے۔ (جیسا کہ خلاصہ میں ہے)۔

دوسرا ثبوت: طاہر بن محمد عبد الرشید البخاری نے خلاصۃ الفتاویٰ کے صفحہ ۲۲۵ پر لکھا ہے۔

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد کوئی دعا نہ مانگے۔

تیسرا ثبوت: خلاصۃ الفتاویٰ کے صفحہ ۲۲۵ پر دوسری جگہ لکھا ہے۔

ولا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا اور نہ دعا مانگی جائے اہل میت کے لئے قرآن پڑھ کر نہ بعد نماز جنازہ کے اور نہ پہلے اس کے۔

چوتھا ثبوت: کتاب المسمیٰ تنقیح المفتی والسائل مولانا عبد الحیٔ صاحبؒ کے ص۔۔۔ پر لکھا ہے۔

بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے۔

پانچواں ثبوت: فتاویٰ سراجیہ کے باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ میں ص۔۔۔ پر یہ عبارت ہے

اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء جب فارغ ہو نماز جنازہ سے دعا نہ مانگے

چھٹا ثبوت: مشکوٰۃ المصابیح کے باب الجنائز میں ص۔۔۔ پر مالک بن ہبیرہؓ سے روایت ہے۔

قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلاثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب فکان مالک اذا استقل الجنازۃ جزأھم ثلاثۃ صفوف للحدیث رواہ ابوداؤد

فرمایا انہوں نے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے کہ نہیں کوئی مسلمان مرتا کہ اس پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھیں مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے پس مالک جب اہل جنازہ کو کم دیکھتے تھے تو ان کی تین صفیں بنایا کرتے تھے اس حدیث نبوی پر عمل کرتے ہوئے

اس حدیث کے تحت حاشیہ مشکوٰۃ میں بحوالہ مرقاۃ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ المتوفی

ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ

اور نہ دعا مانگے کوئی بعد نماز جنازہ کے کیوں کہ یہ دعا نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جنازے کی نماز میں شامل ہونے والے لوگ کم

جو متفق تھے تو مالک بن ہبیرہؓ ان کی تین صفیں بنا لیا کرتے تھے تاکہ اس طریق سے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق اس میت کے لیے بھی جنت واجب ہو جائے۔ اس کی شرح یوں بیان کی گئی کہ یہ طریقہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد کوئی اور دعا نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی دعا نماز میں زیادت سے مشابہت رکھتی ہے۔

ساتواں ثبوت:۔ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح میں اسی حدیث مذکور الصدر کی شرح میں لکھا ہے۔

"جنازے کی نماز کے بعد کوئی دعا نہ مانگے۔ کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔"

آٹھواں ثبوت:۔ شرح وقایہ برجندی باب الجنائز میں ہے۔

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیہا کذا فی المحیط

نہ مانگے کوئی شخص دعا بعد نماز جنازہ کے کیونکہ وہ اس میں زیادت کے مشابہ ہے۔ ایسا ہی محیط میں ہے۔

نواں ثبوت:۔ محیط میں باب الجنائز کے اندر امام ابوبکر بن حامدؒ سے روایت ہے۔

ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنی یقیناً مکروہ ہے۔

دسواں ثبوت:۔ قنیہ میں ابوبکرؒ بن حامدؒ والی روایت بھی درج ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔

لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ قال لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ کذا نقلا عن علامۃ السغدی و شرح السرخسی۔ نہ مانگے کوئی مرد دعا بعد نماز جنازہ کے۔ کہا اس نے کیونکہ وہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے نقل کرتے ہوئے علامہ السغدی اور شرح سرخسی سے۔

گیارہواں ثبوت:۔ قدوری کے صفحہ ۴۶ پر شرح مختصر تکبیرۃ الرابعۃ ویسلم کے حاشیہ پر شرح وقایہ برجندی اور قنیہ کے حوالے سے دعا بعد نماز جنازہ کو مکروہ کہا گیا ہے۔

بارہواں ثبوت:۔ مالابدمنہ کے صفحہ کی اس عبارت "کو بعد تکبیر چہارم سلام گوید" کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

بعد تکبیر چہارم سلام گوید و بعد آں ہیچ دعا نخواند (چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہے اور اس کے بعد کوئی دعا نہ پڑھے۔)

آگے چل کر اس حاشیہ میں لکھا ہے۔

بعد سلام برائے دعا ایستادن ہم نشاید بلکہ در حمل جنازہ مشغول شوند کذا فی الدر المختار

بعد سلام کے دعا کے لئے کھڑا نہ ہونا چاہیئے بلکہ جنازہ کے اٹھانے میں مشغول ہونا چاہیئے ایسا ہی درمختار میں ہے۔

تیرہواں ثبوت:۔ فتاوی سعدیہ کے صفحہ ۱۳۱ پر مفتی سعد اللہ صاحب المتوفی ۱۲۹۴ھ نے بعد نماز جنازہ کے دعا مانگنے کے متعلق فرمایا ہے۔

خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع مے کنند

یہ دعا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اکثر فقہاء کرام امر مسنون سے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس دعا سے منع کرتے ہیں۔

چودھواں ثبوت:۔ جامع الرموز میں ترکیب نماز جنازہ اور تسلیم کے بعد یہ عبارت ہے۔

ولا یقوم داعیاً لہ (نماز جنازہ کے بعد کوئی آدمی اس کے لئے دعا نہ کرے)

پندرہواں ثبوت:۔ زاد الآخرت کے صفحہ ۱۵۸ میں ہے۔

والبعد فارغ از نماز برائے خواندن دعا نایستد۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

ان سب دلائل فقہیہ سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کے

سنت و مستحب ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ اس کو مکروہ و بدعت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ بعد نماز جنازہ کے دفن میت میں جلدی کرنی چاہیے اور غیر معروف اور زائد کاموں میں مشغول ہو کر میت کے ضروری حقوق میں تاخیر کرنی ہرگز درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔
اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۹)

سولھواں ثبوت:۔ دیکھئے کافی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔
وان فرغوا فعلیھم ان یمشوا خلف الجنازۃ الی ان ینتھوا الی القبر۔
اور جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائیں تو ان پر حق ہے کہ جنازہ کے پیچھے قبر تک پہنچ جائیں۔

سترھواں ثبوت:۔ اور مراط مستقیم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ بعد نماز جنازہ کے اس طرح لکھا ہے۔
چوں نماز بر میت گذاردے با وے ہمراہ شدے پیادہ تا بدفن رفتے۔ جب حضور علیہ السلام میت پر نماز جنازہ ادا فرما لیتے تو آپ اس کے ہمراہ پیدل مدفن تک جاتے۔ ان عبارتوں سے صرف نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ دعا بعد نماز جنازہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نماز جنازہ کے بعد اہم کام تو دفن کا ہوتا ہے۔ اس لئے دفن میت میں تاخیر کرنی سنت کے خلاف اور درنا قبع سنت ہوگی۔

اٹھارھواں ثبوت:۔ فتاویٰ سراجیہ جلد اول کتاب الجنائز صفحہ ۲۲ میں ہے۔

وان لم یکبر مع الامام	مسبوق نے اگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی
حتی کبر الامام الرابعۃ کبر	یہاں تک کہ امام نے چار تکبیریں کہہ لیں تو
ھو للافتتاح قبل ان یسلم	وہ امام کے سلام پھیرنے سے قبل تکبیر افتتاح
الامام ویکبر ثلاثا قبل ان	کہہ لے اور باقی تین تکبیریں جنازہ اٹھنے

يرفع الجنازة تباعا لا دعاء فيها فاذا رفعت الجنازة من الارض يقطع التكبير۔

جانے سے پہلے بغیر دعا کے پے در پے کہے پھر جب جنازہ زمین پر اٹھایا جائے تو تکبیر کو ختم کر دے۔

انیسواں ثبوت:۔ مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۹۹ پر ہے۔

اذا كبر الامام تكبيرة او تكبيرتين ثم جاء رجل فانه ينتظر حتى يكبر معه فاذا سلم قضى ما بقي عليه قبل ان ترفع الجنازة في قول ابي حنيفة ومحمد۔ جب امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا ہو اور کوئی آدمی آ گیا تو یہ آدمی انتظار کرے یہاں تک کہ امام کے ساتھ تکبیر کہے پس جب امام سلام پھیرے تو یہ آدمی جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ہی فوت شدہ تکبیریں کہہ لے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کا بھی قول ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مسبوق کو اپنی فوت شدہ تکبیروں کو امام کے سلام پھیرتے ہی پے در پے کہہ لینا چاہیئے۔ تاکہ وہ جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ہی تکبیروں سے فارغ ہو سکے۔ اس میں دعا وغیرہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو نماز کے بعد فوراً اٹھا لینا چاہیے۔ مسبوق کی تکبیروں کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور مسبوق کو بھی دعا وغیرہ میں لگ کر دیر نہیں کرنی چاہیئے تو اب نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا شغل کیسے جائز اور درست ہو سکتا ہے؟

بیسواں ثبوت:۔ درالمختار میں پہلی دوسری، تیسری تکبیر کا ذکر کرنے کے بعد آتا ہے۔

ويسلم بلا دعاء بعد الرابعة بتسليمتين ناويا بهما الميت مع القوم بعد چوتھی تکبیر کے بغیر دعا کے دونوں طرف سلام پھیر دے جس میں میت کی اور قوم کی نیت رکھے

اکیسواں ثبوت:۔ نور الایضاح کے باب احکام الجنائز میں آتا ہے۔

ويسلم بعد الرابعة من غير دعاء في ظاهر الرواية - اور سلام پھیر دے بعد

چوتھی تکبیر کے بعد دعا کے یہی ظاہر روایت میں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ظاہر روایت میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل یا سلام کے بعد کوئی اور دعا معہود نہیں ہے۔

ثبوت بائیسواں

ویسلم بعد التکبیرۃ الرابعۃ ولا یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ

اور سلام کہے بعد تکبیر چوتھی کے اور نہ کہے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ (یعنی دے ہم کو اے رب دنیا میں بھلائی۔)

قاضی خاں ص۹۱

ثبوت تیئیسواں

ویسلم حقیقیا بلا دعاء بعد التسلیمتین۔

وبعد تکبیر چہارم کے دونوں طرف سلام پھیرے اور دعا نہ مانگے۔ ملتقی الابحر ص۱۸۲

ثبوت چوبیسواں

۔ وقتی بعد وہ دو پڑھیئے۔ ترکی بعد دعا۔ چوتھی بعد سلام کہیے۔ دت دعا نہ کا!

بعد فراغ نماز جنازے ڈھیل دعا نہ کرئیے

نال شتابی چا کر میت کول قبر دے دھریئے (وداع یا منگ الفت)

ثبوت پچیسواں

لا یدعو بعد التسلیم

نہ دعا مانگے بعد تسلیم کے

مسائل مہمہ۔

ثبوت چھبیسواں

لا یجوز الفاتحۃ علی المیت قبل الدفن

نہیں جائز فاتحہ میت پر دفن کرنے سے پہلے۔

جامع الفوائد ص۱۱

ثبوت ستائیسواں

بعدہ ایستادہ نماند برائے دعا۔

فتاویٰ برہنہ ص۳۵۹

ثبوت اٹھائیسواں

لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ قد دعا مرۃ لان اکثر صلوٰۃ الجنازۃ الدعاء

نہ ٹھہرے آدمی دعا کے لیے بعد نماز جنازہ کیونکہ وہ ایک بار دعا مانگ چکا ہے کیونکہ اکثر نماز جنازہ دعا ہی ہے۔

ثبوت چالیسواں

در بعض کتب نوشتہ کہ بعد نماز جنازہ نشستہ یا ایستادہ دعا خواندن مکروہ است کما فی مسائل مجموعہ بعد نماز جنازہ بزودی او را دفن کنند

(دستور العمل الاعلام ۲۲)

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بعد نماز جنازہ کے بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دعا پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ مسائل مجموعہ میں ہے۔ بعد نماز جنازہ کے جلدی اس کو دفن کر دیں

ثبوت اکتالیسواں

وقت سلام کے اٹھے گئے لگے وقت ہور دعا کھلوانے زیر سچے چو ہور دعا پڑھنی بدعت ہے بعد نماز دے لوگ بھی روز مشہور

وقت سلام کے اٹھے کچھ آگے وقت جو ہور دعا کھلوانے نہ پڑھنے کیونکہ جو ہور دعا پڑھنی بدعت ہے بعد نماز جنازہ کے وہ سے۔

ثبوت بیالیسواں

مولانا احمد رضا خان صاحب بذل الجوائز میں لکھتے ہیں کہ ذخیرہ کبریٰ میں ہے

لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ

بذل الجوائز صفحہ ۱۵ عن الذخیرۃ کبریٰ

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

نسل بریلویت کے مغالطے اور انکے جوابات

رافضیوں اور مرزائیوں کا ایجنٹ یہود و نصاریٰ کے آلہ کار، منظور احمد فیضی ابوالفیض احمد اویسی کی فریب کاریاں جو ان کو اپنے آباؤ اجداد مولوی احمد رضا خان بریلوی رافضی اور مولوی احمد یار گجراتی رافضی اور مولوی محمد عمر اچھروی اور مولوی احمد سعید کاظمی رافضی سے وراثت میں ملی ہیں، یہ وہ فریب کاریاں ہیں جن کی دھجیاں ہمارے اکابرین علماء دیوبند اہلسنت والجماعت پہلے بکھیر چکے ہیں اور ان کے ایسے منہ توڑ مسکت جوابات دے چکے ہیں کہ اب ان کے جوابات کی ضرورت تو نہیں تھی، لیکن استاد محترم شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رئیس جامعہ انور حبیب آباد و مفتی اعظم ریاست بہاولپور کے حکم کے مطابق تعمیل کرتے ہوئے اور مختلف شہروں کے احباب کے بار بار اصرار پر وقت کی قلت کے تحت کچھ جوابات لکھ دیئے ہیں تاکہ عوام اہلسنت کو فیضی، اویسی کاظمی وغیرہ کے دجل و فریب و کذب بیانی کا پتہ چل جائے کہ یہ لوگ کتنے بڑے دجال و کذاب اور مفتری ہیں کہ مرزائیوں اور رافضیوں کی طرح قرآن و حدیث کا غلط معنی و مطلب بیان کر کے قرآن و حدیث کے دامن میں ڈال کر امت مسلمہ کا ایمان سلب کرنے میں معروف ہیں جن کو آج تک پوری امت مفسرین و محدثین و مجتہدین اور محققین علماء نے نہیں سمجھا۔

نسل بریلویت کے مغالطے اور ان کے جوابات

اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء

کاظمی اویسی و فیضی کا مغالطہ ۱۲: اذا صلیتم شرط ہے اور فاخلصوا
جزا ہے۔ شرط اور جزا میں تغایر ہونا چاہیے تو کہ اس میں داخل ہو۔
جواب نعمانی ۱: اگر آپ کی تغایر سے یہ مراد ہے کہ نماز جنازہ دعا کو شامل نہیں بلکہ
دعا نماز جنازہ سے الگ ہے تو اس قسم کا تغایر مراد لینا نہایت مشکل امر ہے۔
جواب نعمانی ۲: اگر نماز جنازہ میں سے دعا و استغفار ہی کو الگ کر دیا جائے۔
تو ایسی نماز سے میت کو کیا فائدہ ہوا اور ایسی نماز جنازہ پڑھنے والوں کو کیا ثواب
حاصل ہوگا۔ میت کا حق تو اسی طرح مسلمانوں کے ذمہ باقی رہ جائے گا۔ نماز جنازہ
سے اہم مقصود تو یہی دعا و استغفار ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ کے حوالوں سے واضح ہے۔
اس حدیث میں بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعا کو اخلاص کے ساتھ مانگنے کا حکم فرمایا گیا۔
جواب نعمانی ۳: اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ کے اندر کی دعا الگ ہے، نماز
میں نہیں ہے۔ اور اس میں اخلاص کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث میں تو نماز
جنازہ کے بعد ایک اور دعا کی اخلاص کے ساتھ مانگنے کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس معنی کی
تائید میں کسی شارح حدیث اور فقیہ و مجتہد کا قول نقل کر دینا چاہیے تھا۔ صرف اپنی غلط
تاویل سے حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معنوں میں تبدیلی کر کے اپنے مدعا
کو ثابت کرنا سراسر گمراہی ہے۔ اس قسم کے تغایر اس حدیث میں قطعاً مراد نہیں لیا جا سکتا۔
دیکھئے سورۂ احزاب کی اس آیت سے یہ قاعدہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔
وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ اور جب تم ازواج
مطہرات سے سامان کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

اس آیت میں اذا سألتموهن متاعا شرط ہے اور فسئلوهن من وراء الحجاب
اس کی جزا ہے۔ اس میں آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی رو سے تغایر کی یہ صورت ہوگی کہ سامان
کا سوال الگ ہے اور پردے کے پیچھے سوال کرنے کا حکم الگ ہے وہ سامان کا سوال نہیں
بلکہ کوئی اور سوال ہوگا۔ کیونکہ بحسب قاعدہ شرط و جزا میں تغایر ضروری ہے۔ بقول آپ کے
ظاہر ہے کہ اس آیت میں اس قسم کا تغایر ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ عقل سے متعارض ہیں

میں جس مشابہ کے سوال کا ذکر ہے اسی مشابہ کے سوال کرنے کا حکم فسئلوھن میں
دیا گیا ہے۔

جواب نعمانی ۵: اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ بعض وجوہ کے اعتبار سے صلوٰۃ ہے اور بعض وجوہ کے اعتبار سے دعا للمیت ہے شرائط نماز وضو استقبال قبلہ، قیام، ادا کرنے کا ثواب تکبیر تحریمہ کے بعد سنت طریق سے ثناء اور درود شریف پڑھ کے میت کے لئے دعا واستغفار کرلیا جائے تو اس قسم کا تغایر حنفیوں کے نزدیک مسلّم ہے جس طرح دوسری نمازوں میں سجدہ رکوع سے متغایر ہے۔ جناب اس کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ اور رکوع نماز سے باہر ہیں۔ نماز کے اندر نہیں ہیں بالکل اسی طرح نماز جنازہ میں بھی یہی سمجھ لینا چاہیے کہ ثنا اور درود شریف اور دعا للمیت باہم متغایر ہونے کے باوجود نماز جنازہ کے اندر شامل ہیں۔ اس سے باہر نہیں ہیں۔

جس سے یہی ثابت ہوا کہ اس حدیث سے بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعا مراد ہے۔
بعد کی نہیں ہے۔

مغالطہ فیضی ۸: اذا صلیتم ماضی کا صیغہ ہے اور فاخلصوا امر ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔

جواب نعمانی ۸: اذا جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اکثر استقبال کے معنی دیتا ہے
جیسا کہ شرح جامی میں آتا ہے۔

ومنها اذا وهي اذا كانت زمانية للمستقبل اى للزمان المستقبل وان كانت داخلة على الماضى۔ اور ظروف مبنیہ میں سے اذا ہے جب وہ زمانیہ ہو تو مستقبل کے لئے ہوگا یعنی زمانہ استقبال کے لئے اگرچہ ماضی پر داخل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خود ساختہ قاعدہ یہاں بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔
اور نہ اس سے آپ کا مدعا ثابت ہو سکتا ہے۔

مغالطہ فیضی ۹: ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جائے بلا تاخیر
او حرف ف تعقیب کے لئے آتا ہے۔

السلام قرآن مجید حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑھتے۔ تو آپ کو یہی حکم ہوا تھا کہ آپ اپنی زبان کو پڑھنے کے لیے حرکت نہ دیں۔ بلکہ خاموشی سے سنتے جائیں۔ اس آیت سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ سننے اور خاموش رہنے کا حکم تو جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے ساتھ ہی تھا ذکر بعد قرأت کے یہاں بھی شرط اور جزا موجود ہیں اور فاء تعقیب بھی جزا پر داخل ہے۔ لیکن اس قسم کا تقارب یہاں مراد نہیں لیا جا سکتا کہ قرأت قرآن جس سورۃ سے جس وقت یا جس مکان میں ہو رہی تھی استماع و انصات کا حکم اس سورۃ سے متعلق نہیں تھا یا استماع و انصات کے زمان و مکان بھی الگ الگ تھے۔

مشکوٰۃ المصابیح کے صفحہ ۱۰۱ پر ایک حدیث آتی ہے۔ جس میں شرط اور جزا کے متعدد جملے آتے ہیں:

انما جعل الامام لیؤتم به (۲) فاذا صلی قائما فصلوا قیاما (۳) واذا رکع فارکعوا (۴) واذا رفع فارفعوا (۶) واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد (۷) واذا سجد فاسجدوا (۸) واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون

امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ اٹھے تو تم بھی اٹھو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ نماز بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔

(۹) وعن ابی هریرة رضی الله عنه (مرفوعا) واذا قرأ فانصتوا۔ اور ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے اور جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔

اس قسم کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے آپ کے بیان کردہ قاعدے کی خوب تردید ہوتی ہے لیکن یہاں صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ان کو نہایت غور و تدبر کے ساتھ پڑھئے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایئے کہ جس قاعدے سے آپ لوگوں نے حدیث اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء کے معنی کئے ہیں۔ وہ

کہاں تک درست اور صحیح ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے بیان کردہ قاعدے سے اگر ان متذکرہ
بالا آیات واحادیث کا ترجمہ کیا جائے تو ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فاذا صلّی قائماً فصلّوا
کا اس قاعدہ کے تحت مطلب یہ ہوگا کہ جب امام نماز پڑھ چکے تو پھر تم نماز پڑھو اور
جب وہ رکوع سے فارغ ہو جائے تو پھر تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ سے فارغ ہو جائے
تو تم پھر سجدہ کرو۔ اگر یہی مراد ہو تو امام کی اتباع اور اقتداء اور جماعت کا کیا فائدہ؟

تمام مفسرین کرام اور یہ لوگ خود بھی جہاں التعقیب کے معنی فاء میں متعذر ہوں وہاں
کوئی فعل مقدر مان لیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے خود اذا طعمتم فانتشروا میں فرغتم فعل کو مقدر
مان لیا ہے یعنی جب تم طعام سے فارغ ہو جاؤ تو تم باہر نکل جاؤ یا جس طرح انہوں نے
اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم میں اردتم فعل کو مقدر مان کر ارادہ
نماز مراد لیا ہے تاکہ نماز کے بعد وضو کا ثابت نہ ہو جو بے کار رہے گا بلکہ ارادہ نماز کے
بعد وضو کرنا ثابت ہو جائے یا جس طرح اس آیت اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔
میں ان کے بیان کردہ قاعدے کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ جب تو قراءت قرآن کر چکے
تو اعوذ باللہ پڑھ۔ تو یہ معنی ان کے نزدیک بھی خلاف واقع ہوں گے۔ یہ مولوی صاحبان
خود اذا اردت قراءۃ القرآن فاستعذ باللہ یعنی جب تو قراءت قرآن کا ارادہ
کرے تو اعوذ باللہ پڑھ۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں اور اردت کو مقدر مانتے ہیں تو اس حدیث
میں بھی اگر ان کے نزدیک معنی متعذر تھے تو کسی فعل کو مان لیتے اگر فاء التعقیب اپنے
موقع پر صحیح معنی دے سکتی۔ لیکن یہ صورت تو ہرگز جائز نہیں کہ اپنی مرضی اور خواہش نفسانی
سے آیات و احادیث کے معانی تبدیل کر کے امر شریعت میں کمی یا کام جاری کر کے اس کو
کار ثواب سمجھ لیا جائے۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہی ہیں کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو اس نماز جنازہ میں
دعا للمیت کو نہایت اخلاص سے پڑھو۔ شراح حدیث کے نزدیک بھی اس حدیث کے
یہی معنی ہیں۔ جیسا کہ بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد چہارم صفحہ ۱۹۰ پر اس حدیث کی شرح
میں آتا ہے

اُدعوا اللہ بالاخلاص التام۔ میت کے لئے نہایت اخلاص سے دعا کرو۔

مرقاۃ علی المشکوٰۃ جلد دوم ص۲۲۵ پر ملا علی القاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ۔ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فلیخلصوا له الدعاء قال ابن الملك اى ادعوا له بالاعتقاد والاخلاص وقال ابن حجر الدعاء للميت مخصوصة بعد التكبيرة الثالثة ركن۔

پس اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو کہا ابن مالک نے یعنی اس کے لئے اعتقاد اور اخلاص سے دعا کرو۔ اور کہا ابن حجر نے دعا میت کے لئے خاص طور پر بعد تکبیر تیسری کے رکن ہے۔

جوابؒ فاخلصوا جزا ہے صلیتم کی اور مقصود بالحکم جزا ہی ہے۔ شرط اس کی قید ہے اس لئے اخلاص فی الدعا مقید بفعل صلوٰۃ ہے۔ بعد کی دعا پر دلالت نہیں کرتا۔

مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کو باب المشی بالجنازہ والصلوٰۃ علیہا کی دوسری فصل میں پہلے نقل کیا گیا ہے اور سنن ابوداؤد جلد ثانی کتاب الجنائز ص[illegible] میں بھی اس حدیث کو باب الدعا للمیت میں پہلے لکھا گیا ہے اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو نقل کیا گیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا صلى على الجنازة قال اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا الخ

جب حضورؐ جنازہ پڑھتے فرماتے اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ اور ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے۔ الخ

جوابؒ اس حدیث میں صلّی ماضی پر اذا شرطیہ داخل ہے لیکن سب لوگ اس دعا کو نماز جنازہ کے اندر تیسری تکبیر کے بعد پڑھتے ہیں کسی نے اس حدیث سے نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو ثابت نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء میں اذا کے صلیتم ماضی پر آجانے سے دعا بعد نماز جنازہ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

سنن الکبریٰ البیہقی جلد [illegible] ص[illegible] کتاب الجنائز میں باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازہ کے تحت میں اس حدیث اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء کو نقل کیا گیا ہے۔ اس کے

بعد اور ماثورہ دعائیں جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب کو نقل کر دیا گیا ہے جس سے یہی ثابت ہوا کہ اس حدیث سے بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعا کو اخلاص تام کے ساتھ مانگنے کا حکم ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں نماز جنازہ کی دعائیں کا کوئی باب نہیں باندھا گیا کیونکہ ایسی دعاؤں کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔ بلکہ نماز جنازہ کے بعد باب الدفن کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فتاوی سعدیہ کے صفحہ ۱۲۳ پر لکھا ہے۔

آنچہ در سنن ابی داؤد ایں حدیث منقول است "اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء" مراد ازاں دعائیست کہ قبل تکبیر چہارم در نماز میخوانند نہ بعد آں زیراکہ فرمودہ است کہ اذا فرغتم عن الصلوۃ۔

سنن ابی داؤد میں جو یہ حدیث منقول ہے "اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء" مراد اس حدیث سے وہ دعا ہے جو چوتھی تکبیر کے پہلے نماز کے اندر پڑھتے ہیں بعد کی نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا مانگو۔

نماز اور مناسک حج کے ادا ہو جانے کے بعد اللہ کا ذکر کرنے کا حکم اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ ان میں اسی قسم کے الفاظ اور صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ۔ (الآیۃ) پس جب تمام کر چکو تم نماز کو پس یاد کرو اللہ کو۔ فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ۔ (الآیۃ) پس جب کر چکو تم عبادتیں اپنی پس یاد کرو اللہ کو۔

نماز پڑھنے کے بعد زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حکم دیا تو اس طرح فرمایا۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ (الآیۃ)

پس جب تمام کی جائے نماز پس پھیل جاؤ بیچ زمین کے اور چاہو اللہ کے فضل سے۔

ان دلائل سے یہی ثابت ہوا کہ صرف اذا صلیتم سے یہ معنیٰ مراد نہیں لیے جا سکتے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ اس مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے الفاظ ہونے چاہئیں۔ جن سے صاف طور پر سمجھا جا سکے کہ دعا کا حکم نماز جنازہ کے بعد ہے۔ جیسا کہ فرغتم قضیتم اور قضیت وغیرہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا جس طرح فقہ کی کتابوں میں صاف اور صریح الفاظ میں فرما دیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام ابو بکر بن حامد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ مَکْرُوْہٌ۔ یقیناً بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے۔

مغالطہ فیضی ص۸: منتخب کنز العمال میں ابراہیم ہجری سے روایت ہے۔

قال رأیت ابن ابی اوفیٰ وکان من اصحاب الشجرۃ ماتت ابنتہٗ قال فکبر علیہا اربعا ثم قام بعد الرابعۃ قدر ما بین التکبیرتین یدعو وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع علی الجنازۃ ھکذا۔

کہا اس نے میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ کو دیکھا جو بیعت الرضوان والے صحابی تھے کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کے بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام جنازوں پر ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

حدیث میں لفظ ثم ہے۔ جو تراخی کے لئے آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔"

جواب نعمانی ص۱: سب سے پہلے ہم سنن الکبریٰ للبیہقی جلد چہارم ص۴۳ میں سے یہ روایت مکمل طور پر نقل کیے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس حدیث کے پیش کرنے میں کس خیانت سے کام لیا گیا ہے اور حقیقت کو چھپا کر یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اس حدیث سے دعا بعد نماز جنازہ ثابت ہوتی ہے حالانکہ اس حدیث سے قبل سلام کے نماز جنازہ کے اندر کی دعا کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھئے سنن الکبریٰ بیہقی میں اس حدیث کو جس باب میں نقل کیا گیا ہے اس کا عنوان یہ ہے۔

باب ما روی فی الاستغفار والدعاء ما بین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام عن الهجری یعنی ابراهیم قال رایت ابن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ ماتت ابنۃ له فتبعها علی بغل خلفها فجعل النساء یرثین فقال لا ترثین فان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المراثی لتفض احداکن من عبرتها ما شاءت ثم کبر علیها اربعا فقام بعد ذلك قدر ما بین التکبیرتین یستغفر لها ویدعو وقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصنع علی الجنائز هکذا۔

وہ باب جو روایت کیا گیا ہے استغفار اور دعا کے جو چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کرتے ہیں ہجری یعنی ابراہیم سے روایت ہے کہا میں نے دیکھا میں نے ابن ابی اوفیٰ کو اور وہ اصحاب شجرہ سے تھا کہ اس کی لڑکی مر گئی پھر پیچھے گیا اس کے خچر پر سوار ہو کر پس عورتوں نے نوحہ شروع کر دیا تو اس نے ان کو کہا نوحہ مت کرو پس تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے سے روک دیا ہے تم میں سے ہر ایک آنسو بہائے جتنے چاہے پھر اس پر چار تکبیریں کہیں اور کھڑا رہا بعد اس کے دو تکبیروں کے درمیانی فاصلے کے قدر اس لڑکی کے لئے دعا و استغفار کرتے ہوئے اور کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سنن الکبریٰ للبیہقی کے اس باب میں صرف یہی ایک روایت ہے جس کے شروع میں ہی محدث بیہقی نے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا و استغفار کرنے کی روایت کا عنوان ثبت کر دیا تاکہ اس روایت کا اصلی مفہوم ظاہر ہو جائے کیونکہ ہجری جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے یستغفر لہا ویدعو کے بعد کی عبارت کو حذف کر دیا تھا۔ جیسا کہ علامہ نووی نے ہجری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ایک روایت سے اس کے پورے الفاظ نقل کرتے ہوئے کتاب الاذکار میں تصریح فرما دی ہے۔ اور وہ روایت یہ ہے۔

فی روایۃ انہ کبر اربعًا فمکث ساعۃً حتی ظننا انہ سیکبر خمسًا ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ فلما انصرف قلنا لہ ماھذا؟ فقال انی لا ازیدکم علی ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہہ کر اتنا ٹھہرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے پھر دائیں بائیں سلام پھیرا پس جب وہ پھرے تو ہم نے ان کو کہا یہ کیا کیا تو فرمایا میں تمہارے لئے اس سے زیادہ نہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث اور علامہ بیہقی کے عنوان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دعا واستغفار کرنا نماز جنازہ کے اندر سلام سے پہلے تھا۔ اس روایت سے بعد سلام کے دعا واستغفار کرنے کا استدلال درست اور صحیح نہیں ہو سکتا۔

جواب نعمانی ۱: بیہقی کی اس روایت کے الفاظ اور ترکیب سے بھی دعا بعد نماز جنازہ ثابت نہیں ہوتی۔ جواب نعمانی ۲: ثم کبر علیھا اربعًا کے بعد فمکث نہیں جس سے دعا سلام کے بعد سمجھی جائے جواب نعمانی ۳: ما بین التکبیر تین کا فیصلہ مقرر کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان تھی۔ ورنہ اس فاصلے کے مقرر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ جواب ۴: کون ہے جو کہ دعا نماز جنازہ کے اندر کی جاتی ہے۔ اور بعد نماز کے تو آپ لوگ بھی بیٹھ کر دعا مانگتے ہیں۔ جواب ۵: اس روایت میں کان یقسم علی الجنازۃ ھکذا کے الفاظ ہیں بعد الجنازۃ کے الفاظ نہیں کہ بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا اس سے ثابت ہو سکے۔ جواب ۶: اگر ایسا ثابت ہوتا تو فقہاء احناف ہرگز دعا بعد الجنازہ کو مکروہ اور بدعت نہ فرماتے اس لئے آپ کا یہ استدلال بالکل غلط اور نادرست ہے جس پر آپ نے مذہب کی بنیاد ڈالی ہے۔

علاوہ ازیں محدثین کرام نے اس حدیث کو معتبر اور قابل حجت ہی قرار نہیں دیا ابراہیم ہجری جو اس حدیث کا راوی ہے وہ محدثین کے نزدیک ثقہ نہیں ہے۔ غیر معتبر ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد اول ص ۱۶۴ و ص ۱۶۵ بر حافظ ابن حجر عسقلانی رح

فرماتے ہیں۔

ابراهيم بن مسلم العبدی ابو اسحاق الكوفي المعروف بالهجري روى عن عبد الله بن ابی اوفی قال ابن معين ليس حديثه بشئ و قال ابو زرعه ضعيف وقال ابو حاتم ضعيف الحديث منكر الحديث وقال البخاري منكر الحديث وقال الترمذي يضعف في الحديث و قال النسائي منكر الحديث وقال في موضع آخر ليس بثقة لا يكتب حديثه وقال الحاكم ابو احمد ليس بالقوی عندهم وقال النسائي في التمييز ضعيف وقال عبد الله بن احمد عن ابيه كان الهجري رفاعا وضعفه و قال ابن سعد كان ضعيفا في الحديث وقال الحربي فيه ضعف وقال السعدي يضعف حديثه وقال علی بن حسين بن الجنيد متروك وقال الازدی رفاع كثير الوهم

ابراہیم بن مسلم العبدی ابو اسحاق کوفی جو ہجری سے مشہور ہے روایت کرتا ہے عبد اللہ ابن ابی اوفی سے کہا ابن معین نے اس کی حدیث کچھ نہیں اور کہا ابو زرعہ نے ضعیف ہے اور کہا ابو حاتم نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے اور کہا بخاری نے منکر الحدیث ہے اور کہا ترمذی نے وہ ضعیف قرار دیا گیا ہے حدیث میں اور کہا نسائی نے منکر الحدیث ہے اور دوسری جگہ پر کہا کہ وہ ثقہ نہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے اور کہا حاکم ابو احمد نے وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے اور کہا نسائی نے تمییز میں کہ وہ ضعیف ہے اور کہا عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ سے کہ ہجری حدیث کو مرفوع کر دیتا تھا اور وہ ضعیف تھا اور کہا ابن سعد نے وہ حدیث میں ضعیف تھا اور کہا سعدی نے اس کی حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے اور کہا علی بن حسین بن جنید نے متروک ہے اور کہا ازدی نے کہ وہ کثیر الوہم تھا۔

اس شہادت کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابراہیم ہجری تمام محدثین کے نزدیک غیر معتبر غیر ثقہ اور نہایت درجہ کا ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے کسی محدث نے اس کی

حدیث کو قابل حجت قرار نہیں دیا بلکہ متروک ٹھہرایا ہے اور اس کی حدیث کو ترک کر دیا۔

مغالطہ فیضی ۵: مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم ص ۶۷ میں ہے۔

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعا واولہ۔

اگر تم جنازہ مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو اب دعا کے ساتھ مجھ سے سبقت نہ کرو۔ یعنی مجھے دعا میں تو شامل کر لو۔

جواب نمبر ۵: پہلے تو مبسوط سرخسی سے اصل عبارت بتمامہ نقل کئے دیتے ہیں تاکہ ہمارے دوستوں پر پوری حقیقت کھل جائے۔ شمس الائمہ سرخسی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ دلائل جو انہوں نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق دیئے ہیں نقل فرماتے ہیں

وقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ تعاد الصلوٰۃ علی الجنازۃ مرۃ بعد مرۃ لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر جدید فسأل عنہ فقیل قبر فلانۃ فقال ھلا آذنتمونی بالصلوٰۃ علیہا فقیل انہا دفنت لیلاً فخشینا علیک ھوام الارض فقام وصلی علی قبرھا ولما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الصحابۃ علیہ فوجاً بعد فوج۔

اور کہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز دہرائی جائے جنازہ پر ایک بار کے بعد دوسری بار جیسا کہ روایت کیا گیا کہ تحقیق نبی کریم علیہ السلام ایک نئی قبر پر گذرے آپ نے اس کے بارے پوچھا تو کہا گیا کہ فلاں عورت کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے اس پر نماز کے لئے کیوں نہ خبر دی تو کہا گیا کہ وہ رات کو دفن کی گئی تھی۔ پس آپ نے کھڑے ہو کر اس کی قبر پر نماز پڑھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ پر صحابہ نے فوج در فوج نماز پڑھی۔

پھر ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی اپنے دلائل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں بلکہ غیر مشروع ہے

حقه وهو تاويل فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم فان الحق كان له قال الله تعالى النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وهكذا تاويل فعل الصحابة فان ابابكر كان مشغولا بتسوية الامور وتسكين الفتنة وكانوا يصلون عليه قبل حضوره وكان الحق له لانه هو الخليفة فلما فرغ صلى عليه ثم لم يصل احد بعده عليه

کیونکہ کسی کو ولایت نہیں اور یہی حقیقت ہے فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پس حق ان کا تھا کہا اللہ تعالیٰ نے نبی خیر خواہ ہے مومنوں کا ان کے نفسوں سے بھی اور یہی تاویل ہے فعل صحابہ رضی اللہ عنہم کی پس حضرت ابوبکر مشغول تھے انتظام امور میں اور فتنہ کے فرو کرنے میں لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھتے رہے ان کے آنے سے قبل اور حق ان کا تھا کیونکہ وہ خلیفہ تھے پس جب فارغ ہوئے تو نماز پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر نہ پڑھی بعد ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کسی ایک نے۔

اس تمام عبارت کو نہایت غور سے پڑھ جائیے اور خلافیہ روایات کی عبارت کو سامنے رکھ لیجیے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کسی جنازہ پر حاضر نہ تھے، نماز جنازہ ان سے فوت ہو گئی تو کیا وہ دونوں حضرات امام کے سلام پھیرتے ہی وہاں آ گئے تھے یا میت دفن کر کے یا اپنے اپنے گھروں میں سب لوگ پہنچ چکے تھے تو اس وقت وہ تشریف لائے ایک دن بعد آئے یا دو تین دن بعد آئے۔ ان کے اس قول میں تو یہ صراحت موجود نہیں کہ وہ کس وقت آئے تھے۔

دونوں حنفیہ کے فقیہ ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس وقت بھی آئے صرف ان دونوں نے میت کے لئے انفرادی طور پر استغفار کر لیا کسی دوسرے کی ان کے ساتھ شرکت ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے دعا بعد نماز جنازہ قبل از دفن کو ثابت کرنا درست نہیں اور بہت ممکن ہے کہ یہ استغفار دفن کے بعد قبر پر ہوا ہو جس کا ثبوت صحیح حدیث میں موجود ہے باقی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ سے رہ گئے نماز جنازہ ان سے فوت ہو گئی جیسا کہ اس

روایت کے بعض الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

وعبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فاتتہ الصلاۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلاۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔

اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے کی نماز فوت ہو گئی تو وہ جس وقت بھی حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر تم نے اس پر نماز میں سبقت کی ہے تو اب مجھ سے دعا کرنے میں سبقت نہ کرو۔

جواب نمبر ۱: اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام جس وقت بھی حاضر ہوئے (اسی دن یا دوسرے تیسرے دن آگئے) انہوں نے حضرت عمر کے حق میں دعا مغفرت کرلی اور بس

جواب نمبر ۲: اس سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ وہ امام اور مقتدیوں کے سلام پھیرتے ہی جنازہ گاہ میں آگئے تھے اور لوگوں کو پکار کر فرما رہے تھے کہ تم مجھ سے دعا کرنے میں سبقت نہ کرو۔ مجھے بھی دعا میں شامل کرلو۔ (حاشا وکلا) اس روایت کے یہ معنی کرنے نہایت ہی مشکل اور منکر معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ اول تو یہ ہے کہ اگر وہ جنازہ گاہ سے کچھ دور تھے تو ان کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی جس صورت میں کہ وہ نماز جنازہ کے بعد دفن میت سے قبل دعا و استغفار کرنا جائز سمجھتے تھے۔ تو وہ دوسرے لوگوں کے دعا کرلینے کے بعد بھی انفرادی طور پر کر سکتے تھے اور اگر یہ خیال ہو کہ وہ اجتماعی رنگ میں دعا مانگی جا رہی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو ان لوگوں کے دعا کر لینے کے بعد اجتماعی صورت میں دعا کرنے سے کیا چیز مانع تھی جس کی وجہ سے ان کو اسی دعا میں شامل ہونے کی ضرورت پیش آگئی، کیا ان کو اس دعا میں بھی یہ خدشہ دامنگیر تھا کہ کہیں یہ دعا بھی نماز جنازہ کی طرح فوت نہ ہو جائے؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ جنازہ گاہ میں آپہنچے تھے تو پھر بھی ان کو یہ الفاظ فرمانے کی ضرورت نہیں تھی وہ خاموشی کے ساتھ دوسرے اصحاب کے ساتھ شامل ہو کر دعا

واستغفار کر سکتے تھے اور اگر وہ قریب آ سکتے تھے تو وہ ذرا فاصلے پر بھی یہ دعا و استغفار کر سکتے تھے کیونکہ اس دعا میں نہ تو تماثل کی ضرورت تھی نہ صف بندی کی حاجت تھی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صرف استغفار و دعا کرنے کے لئے نماز جنازہ کی طرح وضو اور استقبال قبلہ کی بھی شرط نہیں تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلام نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد آئے تھے اور وضو کرنے کے لئے کہیں جا رہے تھے اس لئے انہوں نے فرمایا جلدی نہ کرو ذرا وضو کر لینے دو مجھے بھی اس دعا میں شامل کر لینا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی قرینہ وہاں موجود نہیں تھا اس لئے صرف ”لا تسبقونی بالدعاء لہ“ سے مراد نہیں لی جا سکتی کہ مجھے دعا میں شامل کر لو۔“

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز جنازہ کے بعد متصلاً دعا مانگنا آثار و احادیث سے ثابت ہوتا اور قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ دعا معہود و مشہور ہوتی تو ہم حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے اس قول سے بھی یہی سمجھ لیتے کہ شاید آپ نے یہ فقرہ اسی دعا میں شامل ہونے کے متعلق فرمایا ہوگا۔ لیکن احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ سے اس دعا کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا۔ پھر اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ تم میرے ساتھ شامل ہو کر دعا کرنے میں سبقت نہ کرو کیونکہ تم نماز جنازہ میں سبقت کر چکے ہو اور نماز جنازہ خود دعا للمیت ہے اس لئے تمہیں میرے ساتھ مل کر دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان وجوہ اور احتمالات پر غور کرنے کے بعد ہر عقلمند انسان یہ نتیجہ از خود نکال سکتا ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جو دعا معہود و مشہور تھی عبداللہ بن سلامؓ نے یہ کہہ کر اسی دعا میں شامل ہونے کے لئے فرمایا تھا۔ اور وہ دعا یقیناً وہی ہے جو تمام اہل اسلام بالاتفاق دفن میت کے بعد قبر پر مانگتے ہیں اور جس کا ثبوت احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور فقہ حنفیہ میں موجود ہے اور اس دعا کو فقہائے احناف نے مستحب قرار دیا ہے۔

مغالطہ فیضی: فتح القدیر کتاب الجنائز میں ہے

فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لہ وقال استغفروا لہ۔

پس نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اور دعا کی اس کے لئے اور کہا استغفار کرو اس کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی اپنے بھائی کے لئے دعا مغفرت کرو۔

مغالطہ فیضی: ودعا لہ کی واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔

جواب نعمانی: اس روایت میں سے صرف ودعا لہ کی واؤ سے یہ سمجھ لینا کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی نہایت درجہ کی رکیک تاویل ہے۔ آج تک کسی محدث و فقیہ نے اس حدیث سے یہ تاویل کر کے دعا بعد نماز جنازہ کو ثابت نہیں کیا۔ فتح القدیر میں اس حدیث کو نماز جنازہ کے غائبانہ پڑھنے کی خبر دینے کے ضمن میں نقل کیا گیا ہے۔ بعد نماز جنازہ کی دعا کے ثبوت میں اس کو پیش نہیں کیا گیا۔ **جواب ثانی:** واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے اس میں ثم کی طرح ترتیب اور تراخی کے معنی نہیں ہوتے جیسا کہ شرح جامی میں ہے۔

فالواو للجمع مطلقا لا ترتیب فیہا فقولہ لا ترتیب فیہا بیان لاطلاقہا ای لا ترتیب بین المعطوف والمعطوف علیہ بمعنی لا یفہم ھذا الترتیب منہا وجودا ولا عدما

پس واؤ مطلق جمع کے لئے ہے اس میں ترتیب نہیں ہے پس اس کا قول لا ترتیب فیہا بیان ہے واسطے مطلق ہونے کے یعنی نہیں ترتیب درمیان معطوف اور معطوف علیہ اس معنی کے ساتھ کہ اس سے ترتیب وجوداً و عدماً نہیں سمجھی جاتی۔

جیسے جاءنی زید وعمرو (میرے پاس زید اور عمرو آیا) سے یہ ترتیب مراد نہیں لی جائے گی کہ زید پہلے آیا اور عمرو بعد میں آیا۔ ممکن ہے کہ عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں یا دونوں اکٹھے آگئے ہوں۔ بہرحال فعل کی نسبت میں معطوف اور معطوف علیہ دونوں متحد ہوتے ہیں اس مثال میں زید اور عمرو کی ذات الگ الگ ہے اور صفات میں باوجود تغایر کے معطوف

اور معطوف علیہ میں ایسا تغایر نہیں ہوتا اور وہ ایک موصوف میں جمع نہ ہو سکیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۔ تحقیق آیا تمہارے پاس بشیر اور نذیر

اس آیت میں اس قسم کا تغایر نہیں ہے کہ بشیر کی ذات الگ ہے اور نذیر کی الگ بلکہ بشیر و نذیر کی ذات ایک ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ اے نبی علیک السلام تحقیق بھیجا ہم نے تجھ کو شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ساتھ حکم اپنے کے اور سراج منیر بنا کر۔

اس آیت میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاہد مبشر نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر فرمایا گیا ہے اور سب کے درمیان واؤ عاطفہ بھی موجود ہے۔ لیکن اس میں نہ تو یہ ترتیب ہے کہ آپ پہلے شاہد تھے پھر مبشر پھر نذیر بنے پھر داعی الی اللہ ہوئے اور اس کے بعد سراج منیر بنا دیے گئے اور نہ یہ کہا جائے گا کہ آپ صرف شاہد تھے، مبشر اور تھا نذیر کوئی اور ہوگا۔ داعی الی اللہ کی ذات الگ ہے۔ اور سراج منیر کوئی اور ہستی مراد ہے بلکہ حضور اکرم علیہ السلام میں یہ سب صفات بیک وقت موجود تھیں۔ ان میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں تھا۔

اسی طرح جب جملے کا عطف جملے پر ہو جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ معطوف علیہ بھی جملہ فعلیہ ہے اور معطوف بھی جملہ فعلیہ ہے تو اس صورت میں بھی ترتیب کے معنی نہیں لیے جائیں گے اور نہ فعل میں ہر جگہ اور ہر لحاظ سے تغایر مراد لیا جائے گا بلکہ اکثر دوسرا فعل پہلے فعل کی تفسیر اور وضاحت کے لئے آجاتا ہے جس کو عطف تفسیری کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۔ شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں سے۔

ابٰی و استکبر میں واؤ عاطفہ موجود ہے۔ لیکن یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شیطان

نے پہلے انکار کیا تھا پھر تکبر کیا بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ شیطان نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا تھا اور اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ میں من کل الوجوہ تغایر ہے۔ یہاں دوسرا فعل پہلے کی تاکید اور مزید وضاحت کے لئے آیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ اور جو کوئی انکار کرے گا بندگی اس کی سے اور تکبر کرے گا۔

اس آیت میں استنکاف اور استکبار دونوں معنی کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں اور واو عاطفہ بھی درمیان میں موجود ہے۔

دعا قنوت میں سے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے نَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ ہم چھوڑ دیتے ہیں اور ترک کر دیتے ہیں اس کو جو تیری نافرمانی کرے۔

نخلع و نترک۔ دونوں ہم معنی ہیں درمیان میں واو عاطفہ تفسیر اور وضاحت کے لئے آیا ہے۔

اور اگر یہ لوگ وقال استغفروا لہ۔ سے دعا بعد نماز جنازہ کو ثابت کرتے ہیں تو اس حکم میں بھی واو عاطفہ موجود ہے اس میں بھی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ بہت ممکن ہے بلکہ اقرب الی الحق یہ ہے کہ آپ نے نماز جنازہ سے پہلے دوسرے لوگوں کو نماز میں شامل ہونے کے لئے فرمایا ہو اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ استغفار سے نماز جنازہ مراد نہیں لیا جا سکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب عبد اللہ بن ابی منافق کے جنازہ پر کھڑے ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا تھا کہ حضرت آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو یہ شخص تو منافق ہے اور منافقین کے حق میں استغفار کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے آپ کیوں اس پر نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اِسْتَغْفِرْ لَہُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۶) بخشش مانگ واسطے ان کے یا نہ بخشش مانگ واسطے ان کے اگر بخشش مانگے

تو واسطے ان کے ستر بار پس اللہ ہرگز نہ بخشے گا واسطے ان کے۔

پس نماز جنازہ میں اہم مقصود اور خاص چیز استغفار اور دعا للمیت ہے۔ اس سے نماز جنازہ مراد لی جاتی ہے جیسی طرح صرف رکوع سے وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ اور سجدہ اور رکوع سے وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ، میں ساری نماز مراد لی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی موقع پر استغفروا لہ کا ارشاد فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز جنازہ میں شامل ہونے کے لیے دعوت دی تھی۔ اس سے نماز جنازہ کے بعد کی دعا ثابت کرنا درست نہیں۔

اس روایت سے فقہا مجتہدین کے خلاف فتویٰ دے کر دعا بعد نماز جنازہ کو شریعت میں زیادہ کر دیا اور اس پر اصرار کرنا صریحا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

مغالطہ فیضی ۳: أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ دعا کرے۔

قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ مطلق ہے اور اذا وقتیہ ہے کہ جس وقت دعا کی جائے رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے جنازہ کے بعد بھی ایک وقت ہے۔ لہٰذا از روئے قرآن مجید ثابت ہوا کہ اس دعا کے متعلق جواز ہے۔

جواب نعمانی ۱: اس آیہ کریمہ کو مطلق اور اذا کو وقتیہ کہا گیا ہے۔ پھر مطلق کو اپنی مرضی سے مقید کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب ۲:** آیت میں نماز جنازہ کے بعد کی دعا کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔ **جواب ۳:** اس کو خاص دعا سے مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ **جواب ۴:** جس صورت میں نماز جنازہ بھی دعا للمیت ہے اور فرض کفایہ ہے۔ جس وقت اس کو ادا کر لیا اس آیہ کریمہ پر بھی عمل ہو گیا کیا جس وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس پر وقت یا زمان کا اطلاق نہیں ہو سکتا کہ اس کے بعد ایک اور دعا پر اتنا اصرار ہے۔ **جواب ۵:** کیا رب العزت نماز جنازہ جیسی اہم اور بہترین دعا کو قبول نہیں فرمائیں گے جب حکم عام ہے جس قسم کی دعا ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں۔

جواب ۶: نماز جنازہ ادا ہو جانے کے بعد دوسری دعا کی ضرورت نہیں رہتی۔

شریعت نے دعا للمیت کے لیے جنازہ کی نماز مقرر کر دی ہے۔ تغیر و تبدل اور ترمیم
کے اس پر زیادتی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

مغالطہ فیصلی ۳: الم نشرح پ ۳۰ قرآن شریف میں ہے۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ
تو بعد میں اللہ سے دعا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بعد میں اللہ سے دعا
مانگو نماز جنازہ ہو یا اور تو اس کے بعد وہیں ٹھہرے رہنا اور بحکم الٰہی وہیں دعا مانگنا
ضروری ہوا۔

جواب نعمانی ۱: اگر ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ضروری ہے تو آپ لوگ کیوں اس کے
خلاف نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے بعد دعا نہیں مانگتے اور خطبہ کے لیے کھڑے ہو
جاتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر کے ساتھ یہ فقرہ کہ جب کسی نماز سے فارغ ہو وے
نماز جنازہ ہو یا اور۔ آپ لوگوں نے اصل تفسیر پر از خود بڑھا لیا ہے۔ ان تفسیروں میں
نماز جنازہ اور نماز عیدین کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف صلوٰۃ مکتوبہ کے بعد دعا مانگنے کا حکم ہے۔

جواب ۲: فرائض پنجگانہ پر نماز جنازہ کو قیاس کرنا چاہیے کیونکہ فرائض کو مسجد
میں ادا کیا جاتا ہے نماز جنازہ کو کھلے میدانوں میں پڑھا جاتا ہے، فرائض میں اذان،
اقامت اور وقت کی پابندی ہوتی ہے۔ نماز جنازہ میں یہ تینوں باتیں نہیں ہیں۔ دیکھئے
قتادہ، ضحاک، مقاتل کلبی اور مجاہد فرماتے ہیں اذا فرغت من الصلوٰۃ المکتوبۃ
فانصب الی ربک فی الدعاء وارغب الیہ فی المسألۃ یعطک جب تو نماز مکتوبہ
سے فارغ ہو تو کوشش کر تو طرف رب اپنے کے دعا کرنے میں اور رغبت کر اس کی طرف
سوال کرنے میں وہ تجھے عطا کرے گا۔

جواب ۳: اس تفسیر میں صرف صلوٰۃ مکتوبہ کا ذکر ہے نماز جنازہ وغیرہ نمازوں
کا ذکر نہیں ہے اور صلوٰۃ مکتوبہ اس نماز کو کہا جاتا ہے جس کو وقت کی پابندی کے ساتھ
ادا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ارشاد تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔

پس قائم کرو نماز کو تحقیق نماز او پر مومنوں کے لکھی ہوئی ہے وقت مقرر کئے ہوئے

نماز جنازہ میں کسی خاص وقت کی پابندی نہیں اس لئے یہ نماز مکتوبہ نہیں ہے

جواب ۳: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بے شمار جنازے ہوئے۔ تابعینؒ تبع تابعینؒ کے زمانوں میں بھی اکثر جنازے ہوتے رہتے تھے لیکن حضورؐ نے اس دعا کا ذکر کیا؟ صحابہؓ نے تابعینؒ تبع تابعینؒ و ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اس کو سنت کہا یا مستحب۔ جواب ۴: اس دعا پر تمام بزرگوں کا سکوت اور خاموشی ہی اس کے مکروہ اور بدعت ہونے کی علامت ہے جواب ۵: اس کے علاوہ اس دعا کے حلال ہونے کا ذکر تو قرآن پاک میں موجود نہیں لیکن اس کے برعکس اس کے ناجائز اور سنت ہونے کا ذکر قرآن حکیم میں بطریق اشارۃ النص موجود ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے جنازے سے روک دیا اور فرمایا

لا تصل على احد منهم مات ابداً ولا تقم على قبره	اے نبی نماز جنازہ تم ان میں سے کسی ایک پر نہ پڑھو جو مر جائے کبھی بھی اور نہ ان کی قبر پر دعا کے لئے کھڑے ہو۔

اس آیت شریفہ میں دو چیزوں سے حضور علیہ السلام کو روک دیا گیا۔ منافقین پر نماز جنازہ نہ پڑھنا اور قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا اسی آیت سے بطریق اشارۃ النص ثابت ہوگیا کہ حضورؐ کی عادت مبارکہ مومنین کے جنازہ میں یہی تھی کہ مومن کے جنازہ پر آپ نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر دعا مانگا کرتے تھے تیسری کوئی دعا قبل الدفن نہ حضورؐ نے مانگی نہ صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ نے بعد نماز جنازہ کے پڑھی اور نہ اس کو مستحب قرار دیا۔ اسی اصل سے فقہاء نے یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ اس سے شریعت ساکت ہے لہٰذا یہ مکروہ اور بدعت ہے۔ اور اس آیت سے نماز جنازہ بطریق اشارۃ النص مومنین کے لئے جنازہ پڑھنا ثابت ہوا۔ اور دعا بھی قبر پر

کھڑے ہو کر مانگنی ثابت ہو گئی اس سے تیسری دعا بعد از نماز جنازہ قبل از دفن ثابت نہ ہوئی جس سے معلوم ہو گا کہ یہ دعا زائد از سنت ہے فقہائے اس کو بشبہ الزیادہ فرما کر منع کر دیا ہے تو قرآن حکیم بھی اس سے ساکت ہے۔ قرآن کریم میں نماز جنازہ کے متعلق اور کوئی آیت نہیں جس سے جنازہ یا نماز ثابت ہو سکے۔

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے

قال اوصانی خلیلی ان لا تشرک باللہ شیئاً وان قطعت و حرقت ولا تترک صلوٰۃ مکتوبۃ متعمداً فمن ترکہا متعمداً فقد برئت منہ الذمۃ

کہا اس نے مجھے میرے خلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ تم اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ اگرچہ تم کاٹے جاؤ اور جلائے جاؤ اور صلوٰۃ مکتوبہ کو جان بوجھ کر نہ چھوڑو جو اس کو چھوڑتا ہے اللہ سے عہد دور ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ میں اگر کوئی شخص حاضر نہ ہو تو وہ گنہگار نہیں ہوتا جس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ صلوٰۃ مکتوبہ نہیں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نماز مکتوبہ کے ترک کو کفر سمجھتے تھے۔ لیکن نماز جنازہ کے ترک کو کوئی شخص کفر نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہزاروں آدمی نماز جنازہ میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے کافر قرار دیئے جاتے جس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ صلوٰۃ مکتوبہ نہیں۔

ہدایہ کے صفحہ ۱۲۶ کتاب الجنائز میں ہے۔

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ۔ اور نہ نماز جنازہ پڑھے کوئی مسجد جماعت میں واسطے قول نبی علیہ السلام کے جو نماز جنازہ پڑھے گا مسجد میں۔ نہیں اس کو کوئی اجر ملے گا۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

لانہ بنی لاداء المکتوبات۔ ہدایہ صفحہ ۱۲۶ کیونکہ وہ مسجد مکتوبہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے بنائی گئی ہیں۔

فقہاء کے نزدیک بھی نماز جنازہ صلوٰۃ مکتوبہ میں داخل نہیں اور نہ کوئی نماز جنازہ کو بلا ضرورت شرعی مسجد میں پڑھنے کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ اپنے خیال سے نماز جنازہ کو صلوٰۃ مکتوبہ میں داخل کر کے اس کے بعد ایک اور دعا ثابت کرنا نہایت شرمناک امر ہے۔

آخری گزارش یہی ہے وغیرہ فقہاء کرام کے یہ صریح فتوے دیکھ کر بھی اس بدعت اور مکروہ امر کو ترک نہ کرو تو آپ کی مرضی۔ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جس میں احکم الحاکمین کے سامنے اس کا جواب دینا پڑے گا۔ باقی رہا آپ اور آپ کے آباؤ اجداد کے استدلال تو بندہ نے آپ کے تمام پیش کردہ دلائل پر علمی اور تحقیقی رنگ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے زیادہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ کے استدلالات کا تعلق اس مسئلہ سے قطعاً کوئی نہیں کہ "نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد متصل دفن سے قبل دعا مانگنی جائز ہے۔" دور دراز کی عمومی دلیلوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اس کے مقابلہ میں ترک دعا صریح الفاظ کے ساتھ فقہاء کرام سے منقول ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ بعض بھی ترقی البعد کے دیکھے وہ ضرور پیش کرتا ہے۔

علامہ ابو اسحاق غرناطی رح نے کیا خوب کہا ہے۔

فلا تجد مبتدعا ممن ینسب الی الملة الا وهو یستشهد علی بدعته بدلیل شرعی (الاعتصام ص۱۱) تم کسی ایسے مبتدع کو نہ پاؤ گے جو ملت سے وابستگی کا مدعی ہو اور وہ اپنی بدعت پر دلیل شرعی سے استناد نہ کرتا ہو۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس کی پیش کردہ دلیل سے وہ بدعت ثابت بھی ہوتی ہے؟ اور کیا صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور فقہاء کرام اور محققین علماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس دلیل سے یہی سمجھا جو ان مبتدعین نے سمجھا اور اگر وہ حضرات اس سے یہ مطلب نہ سمجھ سکے۔ تو آج آپ اور آپکے آباؤ اجداد جیسے مبتدعین کو یہ مطلب کہاں سے موصول ہوا

پہلی صدی کے مجدد اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ المتوفی سنہ ۱۰۱ھ نے

اہل بدعت کے ایک فرقہ منکرین تقدیر کی واشگاف الفاظ میں تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے منکرین تقدیر اگر تم یہ کہو کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو ان آیات کا کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے۔

لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من تاويله ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله بكتاب وقدر (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) سلف صالحین نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھی تھیں جیسے تم پڑھتے ہو مگر وہ ان کے مطلب کو سمجھے اور تم نہیں سمجھ سکے اور باوجود ان آیات کے پڑھنے کے وہ پھر بھی تقدیر کے قائل تھے۔

مطلب واضح ہے کہ اگر تم کی طرف سے پیش کردہ آیات کا وہی مطلب ہوتا جو تم مراد لے رہے ہو تو سلف صالحین کے سامنے بھی یہ آیتیں تھیں مگر باوجود اس کے وہ یہ مطلب نہیں لیتے تھے جو تم لے رہے ہو۔ بتلایا جائے کیا پرکھ ہے کہ وہ حق پر تھے اور تم باطل پرست ہو کیا خوب اور مزے دار بات کہی خلیفہ راشد نے اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان پر نازل ہوں اسی طرح پر تماش کیا جاتا ہے۔ اذا فرغت فانصب کی آیت اور اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء کی حدیث ان اکابر کے سامنے بھی تھی مگر ان کو دعا بعد الجنازہ کا جواز اس سے سمجھ نہ آسکا بلکہ فقہاء کرام نے صاف اور صریح الفاظ میں اس کو مکروہ کہا تو پھر کیسے باور کر لیا جائے کہ اس کا وہی مطلب ہے جو تم لے رہے ہو؟ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جس پر کسی بھی منصف مزاج کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ البتہ نہ ماننے والے کے لیے دفتر بھی بیکار ہیں۔ اور بدعت ایک ایسی بلا ہے کہ بدعت کی تاریکی سے نور ایمان جاتا رہتا ہے اور دل پر ایسے غلاف چڑھ جاتے ہیں کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ان الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة (مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۸۹) بے شک اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ہر بدعتی پر بند کر دیا ہے۔

جب بدعتی بدعت کو کار ثواب سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیوں قبول کرے گا؟ اعاذنا الله من البدعات۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو تمام بدعات و رسومات سے محفوظ فرمائیں۔

مزید تبصرہ

ان تمام فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد اور قبل از دفن دعا مانگنا مکروہ بلکہ بدعت و حرام ہے اور فعل مکروہ کو سنت سمجھنے والے بدعتی ہیں جن کا سنت رسول سے دور کا تعلق نہیں ہے۔ اگر یہ دعا فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جائز و مسلم ہوتی تو ضرور اس کا کتب فقہ میں ذکر کر دیا جاتا۔ ہر شخص قرآن کریم و احادیث سے قیاس و اجتہاد کر کے مسائل کو استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے لئے عالم متبحر ہونے کے ساتھ تفقہ فی الدین کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آج کل جو لوگ اس دعا کو اصول شرعیہ سے برکنار رہ کر صرف اپنے قیاس فاسد سے جائز و مستحب قرار دیتے ہیں۔ وہ یقیناً غلطی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کی باتوں کا ہرگز اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ایسے لوگوں کی کورانہ تقلید سے فلاح و نجات ہی حاصل ہو سکتی ہے بلکہ یقین جانیے کہ اس قسم کی تقلید میں دنیا و آخرت کا نقصان ہے۔ الحاصل نماز جنازہ خود دعا ہے۔ نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد میت کو قبر تک پہنچانے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ فقہائے احناف نماز جنازہ کے بعد دعا کو غیر ثابت اور مکروہ کہتے ہیں اور اس ترک دعا بعد از جنازہ کو ظاہر روایت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ظاہر روایت کو چھوڑ کر غیر ظاہر روایت کی تلاش کرنا [illegible] بحمد اللہ اس مسئلہ میں کوئی ایسی غیر ظاہر روایت بھی موجود نہیں جس میں صراحت سے اس دعا کی اجازت بلا کراہت ملتی ہو۔ کہاں کا انصاف اور دیانت ہے؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

اب دعا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے اور زیادت علی السنت ہونے اور بدعت و مکروہ ہونے کے چند اور وجوہ لکھے جاتے ہیں۔ فانظروا واعتبروا۔

وجہ اول ۔ دعا بعد نماز جنازہ قرآن کریم کی کسی آیت سے عبارۃً یا دلالۃً یا اشارۃً ثابت نہیں ہوتی۔

وجہ دوم ۔ اثبات الدعا بعد صلوٰۃ الجنازہ کے بارے میں تمام کتب احادیث میں ایک روایت بھی نہیں۔

وجہ سوم ۔ کسی محدث نے باب الدعا بعد صلوٰۃ الجنازہ کا عنوان قائم نہیں کیا نہ اس کا کوئی اشارہ کیا ہے۔

وجہ چہارم ۔ کسی صحابی، تابعی سے ثابت نہیں کہ اس نے بعد نماز جنازہ کے دعا مانگی ہو۔

وجہ پنجم ۔ کسی مجتہد امام نے کسی آیت یا روایت سے دعا بعد نماز جنازہ کو استنباط کر کے جائز قرار نہیں دیا۔

وجہ ششم ۔ فقہ کی کسی مشہور و مستند کتاب میں دعا بعد نماز جنازہ کا جواز ثابت نہیں۔

وجہ ہفتم ۔ تیرھویں صدی تک کسی مفتی یا فقیہ نے اس دعا کے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔

وجہ ہشتم ۔ قرآن کریم کی آیت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ سے بطریق اشارۃ النص کے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے کوئی دعا نہیں ہے۔

وجہ نہم ۔ فقہ کی اکثر و بیشتر کتابوں سے بیان ضرورت کے مسائل کے تحت نماز جنازہ کے بعد دعا کی نفی مستنبط ہوتی ہے۔

وجہ دہم ۔ اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہے کہ السکوت فی موضع البیان بیان النفی بیان کے موقع پر اور ضرورت کے موقع پر خاموش رہنا نفی اور ممانعت کی علامت ہے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

امام شمس الائمہ حلوانی الحنفیؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) اور بخارا کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدی الحنفیؒ (المتوفی ۴۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (بحر ج۲ ص۱۸۳) — نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے کوئی آدمی نہ ٹھہرے۔

امام طاہر بن احمد البخاری الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

لا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۲۵) — نماز جنازہ کے بعد اور اسی طرح اس سے قبل میت کیلئے قرآن پڑھ کر دعا نہ کی جائے۔

علامہ سراج الدین اودھی الحنفیؒ (المتوفی فی حدود ۸۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء (فتاوی سراجیہ ص۲۳) — جب نماز جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دعا کیلئے نہ ٹھہرے۔

امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ۔ (فتاوی بزازیہ ج۴ ص۸۰)۔ — نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے کیونکہ اس نے ایک مرتبہ دعا کرلی ہے (یعنی نماز جنازہ کی شکل میں)۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی الحنفیؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

ولا یقوم داعیا لہ (جامع الرموز ص۱۲۵)۔ — اور میت کے حق میں دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

اور علامہ فقیہ امام ابوحنیفہ ثانی ابن نجیم الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

ولا یدعوا بعد التسلیم (بحر الرائق ج۲ ص۱۸۳) — سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے۔

اور مفتی محمد نصیر الدین الحنفیؒ (المتوفی ــــ) لکھتے ہیں کہ:

وبعد ایستادہ نشود برائے دعا (فتاوی برہنہ ص۳۵) — نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:

ولا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقات ج۲ ص۳۱۹) — نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

دعا نخواند و فتویٰ بر ہمیں قول است (مجموعہ خانی قلمی ص۱۲۳) یعنی دعا نہ کرے اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

اور مفتی سعد اللہ صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۹۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع میکنند (قاطع سعیہ ص۱۳) یعنی یہ کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر حضرات فقہاء کرام اس کو امر مسنون پر زائد ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں

مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

"بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے" (نفع المفتی والسائل ص۱۳۸)

اور علامہ برجندی الحنفیؒ نے بھی دعا بعد نماز جنازہ کو مکروہ کہا ہے۔ (برجندی حاشیہ شرح وقایہ)

اس کے علاوہ بھی متعدد حضرات فقہاء کرامؒ نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو منع کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے مدخل ج ۲ ص۔۔ لابن امیر الحاجؒ، مظاہر حق ج ۱ ص۔۔ النواب قطب الدین خان صاحبؒ وغیرہ۔

حضرات فقہاء احنافؒ کی یہ عبارتیں بھی ملاحظہ کیجئے اور مولوی محمد عمر صاحب کا یہ فیصلہ بھی دیکھئے کہ:

"احناف نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہیں، وہابی برا جانتے ہیں، دیوبندی بھی منکر ہیں۔ اب تم فیصلہ کرو کہ دعا کا انکار کرتے ہو۔ تم کون ہو؟" (بلفظہ مقیاس الحنفیت ص۴۲۹)

یہ فیصلہ مولوی محمد عمر صاحب کو خود کرنا چاہیئے کہ وہ کون ہیں؟ حنفی یا غیر حنفی؟ ذرا مولوی صاحب ہمت کریں اور چار حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارتیں تو نقل کردیں جن سے ان کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔ دیدہ باید۔

مولوی محمد عمر صاحب کا ایک اور کمال ملاحظہ ہو وہ ایک عبارت کے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے یوں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "جو دعائیں ہوں گے وہ تمام زمانہ سے زیادہ احمق ہے"۔ (مقیاس ص۴۳۲)

مولوی محمد عمر صاحب یہ فرمائیں کہ جن حضرات فقہاء احنافؒ کے حوالے ہم نے ذکر کئے ہیں وہ تو تمام اس دعا سے منع کرتے ہیں کیا وہ بھی تمام زمانہ سے زیادہ احمق ہیں؟ سوچ کر اور سمجھ کر جواب دینا۔ قارئین کرام بخود فرمالیں کہ اکابرین علماء احناف جنازہ کے بعد کی دعا کو مکروہ بھی کہتے

ہیں اور اس سے محض اس لئے منع کرتے ہیں کہ یہ امر مسنون پر زیادتی ہے۔ اگر خیر القرون میں یہ دعا ہوتی تو یہ اکابر ہرگز اس کو خلاف مسنون اور مکروہ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ مگر افسوس ہے کہ آج مفتی احمد یار خان صاحب اور ان کی جماعت اس زیادتی اس خلاف مسنون اور مکروہ کام کو جائز اور مستحب سمجھتے ہیں۔ اور اس کے اثبات کے درپے ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے کو حنفی کہتے ہوئے حضرات فقہاء احنافؒ کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"مکروہ را مستحسن دانستن از معظم جنایات است چہ حرام را مباح دانستن منجر بکفر است و مکروہ را مستحسن پنداشتن یک مرتبہ ازاں پایان است شناعت این عمل را نیک ملاحظہ باید نمود۔ (مکتوبات حصہ ہفتم ص ۵۴)	مکروہ کو اچھا سمجھنا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو اچھا جاننا اس سے ایک درجہ فروتر ہے اس فعل کی قباحت کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان عبارات پر فریق مخالف کی طرف سے جو اعتراضات (یا بزعم خود جوابات) پیش کئے گئے ہیں، ان پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

اعتراض: مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ "اس اعتراض کے (کہ حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات میں دعا بعد الجنازہ کی مخالفت آئی ہے) دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔ اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں جس سے کہ دفن میں بہت زیادہ تاخیر ہو۔ اسی واسطے جنازے کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ سوم یہ کہ اسی طرح صف بستہ بہ ہیئت نماز کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ نماز جنازہ ہی ہو رہی ہے کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر، تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے ہیں کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرامؓ کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔ تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطاء۔ کی عبارتوں میں تو دعا سے مخالفت ہے ہی نہیں۔ بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، وہ ہم بھی منع کرتے ہیں

مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے: لانہ یشبہ الزیادۃ "یہ زیادتی کے مشابہ ہے" یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ (ملا، جاء الحق ص ۲۱۸)"

جواب: یہ جملہ اعتراضات یا بزعم خود جوابات مفتی احمد یار خان صاحب کی جہالت اور بے خبری کا نتیجہ ہیں اور کئی وجوہ سے یہ قابل التفات ہی نہیں ہیں:

اوّلاً اس لئے کہ اگرچہ حضرات فقہاء احنافؒ اور شوافعؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دعا کرنا درست ہے یا نہیں، حضرات احنافؒ اس کے منکر اور حضرات شوافعؒ اس کے قائل ہیں، مگر حضرات فقہاء کرامؒ کی وہ عبارتیں جو ہم نے پیش کی ہیں (بلکہ وہ عبارتیں بھی جو مفتی احمد یار خان صاحب نے پیش کی ہیں بجز ایک عبارت کے) ان کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے کے متعلق حضرات فقہاء کرامؒ یہ فرما رہے ہیں۔ وہ تو اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا نہ مانگی جائے۔ بعد صلوۃ الجنازۃ۔ اذا فرغ من الصلوۃ کی قید لگاتے ہیں۔ اس سے بھلا سلام سے قبل کی دعا کیسے مراد ہو سکتی ہے؟ اور بحر الرائق کی یہ عبارت بھی لا یدعوا بعد التسلیم، سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کی جائے۔ الغرض حضرات فقہاء احنافؒ کی ان عبارات کا مطلب یہ بیان کرنا کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کے متعلق ہیں ان کی خالص تحریف ہے۔ محض کچھ کا کچھ لکھ دینے کا نام جواب نہیں ہوتا۔

وثانیاً کسی مستند اور معتبر فقیہ سے یہ ثابت نہیں کہ لمبی لمبی دعائیں پڑھنا منع ہے، اور مختصر قسم کی دعا جائز ہے۔ یہ مفتی صاحب کی خود تراشیدہ منطق ہے۔ حضرات فقہاء کرامؒ تو لا یدعو وغیرہ جملے سے بالکل اس کی نفی کرتے ہیں۔ جملہ فعلیہ نکرہ کے معنی میں ہوتا ہے اور نکرہ جب سیاق نفی میں آئے تو اس سے عموم ہی مراد ہوتی ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی مخصص دلیل ہو اور یہاں کوئی مخصص دلیل موجود نہیں ہے۔ محض اختراعات سے تخصیص ہرگز نہیں ہو سکتی۔

وثالثاً مفتی صاحب اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ لا یقوم بالدعاء کا یہ معنی ہے کہ صف بستہ کھڑے ہو کر دعا نہ کی جائے تاکہ دیکھنے والوں کو نماز کا شبہ نہ ہو، بلکہ صفوں کو توڑ

کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر دعا کی جائے جو جائز ہے۔ مگر اس پر غور نہیں کیا کہ یہاں صرف یقوم منہ نہیں بلکہ یقوم بالدعاء ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کو قائم نہ کرے اور دعا مانگنے کے لئے نہ ٹھہرے۔ یا الفاظ یجمع دعاء مانگنے۔ مفتی صاحب لغت کی کتابوں میں قام بالامر کذا کے معنی دیکھ لیں کہ کیا لکھتے ہیں تو پھر آپ پر کھل جائے گی۔ خود شامی نے اس حدیث بذل المجہود صلی پر قیام الامر کا معنی بھی کیا ہے۔

ورابعاً اگر بالفرض لا یقوم بالدعاء کا یہ مطلب لے لیا جائے کہ کھڑے ہو کر دعا نہ کی جائے تو بحر الرائق کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا کہ لا یدعوا بعد التسلیم (کہ سلام کے بعد دعا نہ کرے) اس میں تو لا یقوم کا ذکر ہی نہیں۔ اور مجموعہ خانی کے یہ لفظ ہیں "و دعا نخواند و فتویٰ برین قول است"۔ ان میں تو مطلقاً دعا کی نفی کی گئی ہے عام اس سے کہ کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر صف بستہ ہو یا صف توڑ کر۔ الغرض مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ ارشاد کہ دعا سے ممانعت ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا سے منع فرمایا سراسر باطل اور مردود ہے۔

وخامساً مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نے یہ وجوہ اس لئے نکالے ہیں کہ فقہاء کرام کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ احادیث مذکورہ اور صحابہ کرامؓ کے قول و عمل کے مخالف نہ ہوں۔ لیکن خیالی اور ہوائی قلعہ ہے جس میں مفتی صاحب پناہ گزیں ہیں۔ حضرات فقہاء کرام کی عبارتیں آپس میں جب متعارض ہی نہیں تو پھر بلاوجہ یہ وجوہ نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جب کسی صحیح حدیث سے اور کسی صحابی کے قول و عمل سے جنازہ کے بعد دعا کا ثبوت ہی نہیں تو ان کی مخالفت کا کیا مطلب یہاں تو مخالفت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وسادساً مفتی صاحب یہاں تو لکھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے ہم بھی منع کرتے ہیں مگر ص۲۶۳ میں حضرت ابن ابی اوفیٰؓ کی روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ:

"کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔"

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھڑے ہو کر دعا کی ہے تو مفتی صاحب کو اس سے منع کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟ ہمیں یاد ہے کہ مفتی صاحب اصل بات ہی نہیں سمجھے حضرت عبد اللہ

ابی اوفیٰ کی روایت ہے، باوجود ضعیف ہونے کے کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم ہجری نہایت ضعیف
اور منکر راوی ہے، جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل انہوں نے دعا مانگی،
جس پر حضرات شوافع کا عمل ہے۔ امام بیہقی نے باب قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے (السنن الکبریٰ ج۴ ص۴۳)
اور ان کی یہ روایت مسند احمد ج۴ ص۳۵۶ میں بھی موجود ہے۔ لیکن یہاں جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ
نماز جنازہ سے فراغت کے بعد قبل از دفن دعا۔ مگر وہ نہیں ہے اور مفتی صاحب اس کے اثبات سے
قاصر ہیں۔

مفتی احمد یار خان صاحب کی بد حواسی | مفتی صاحب نے جاء الحق ص۲۶۲ میں جامع الرموز کا
پورا مرتبہ حوالہ دیا ہے۔ ان کے قائم کردہ نمبروں کے لحاظ سے ص۱ و ص۲ و ص۳، حالانکہ ص۱ کی عبارت
تو جامع الرموز ج۱ ص۱۲۵ کی ہے اور ص۲ و ص۳ کی عبارتیں جامع الرموز کی نہیں ہیں۔ خدا جانے
انہوں نے کس رسالہ یا اخبار سے بدحواسی میں یہ نقل کر دیا ہے۔ کیا خوب تحقیق ہے۔ ٹائٹل پر انہوں نے
لکھا ہے کہ ان کی اس کتاب میں ــــ "عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت محقق و مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے"
ــــ سبحان اللہ تعالیٰ، یہ ہیں مفتی صاحب کی تحقیق انیق کے چند نمونے۔

مفتی احمد یار خان صاحب کے دعا بعد الجنازہ کے اثبات کے دلائل اور ان کے جوابات

مفتی صاحب لکھتے ہیں، مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ فصل ثانی میں ہے اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا
لہ الدعاء (جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو) ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے
بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے
معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے ماضی اور فاخلصوا اس کی جزاء شرط اور جزاء میں تغایر چاہیے نہ
یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ہے ماضی اور فاخلصوا ہے امر جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ
چکنے کے بعد ہے جیسے فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان، اور
اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ میں نماز کے ارادے کا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ اِلیٰ
سے معلوم ہوا۔ لہٰذا یہاں بھی وضو ارادۂ نماز کے بعد ہی ہوا۔ اور ف سے تاخیر بھی معلوم ہوئی جس کے معنی

کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ (جاء الحق ص ۲۶۲)

جواب: مفتی صاحب نے حدیث کا جو معنی کیا ہے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو، غلطی ہی سب اسی میں ہے ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است۔

۳۱

اولاً اس لئے کہ یہ معنی اس حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ میت پر جب تم نماز جنازہ پڑھو تو اس میں نہایت اخلاص سے دعا کرو۔ یہ مطلب تو نہیں کہ نماز جنازہ تو بے اخلاص کے پڑھو اور اس کے بعد اخلاص سے دعا کرو۔ ملاحظہ ہو المدونۃ الکبریٰ ص ۱۷۴ ج ۱ میں ہے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قال فی الصلوٰۃ علی المیت اخلصوہ بالدعاء اس میں صراحت ہے کہ اخلاص فی الدعا نماز کے اندر مطلوب ہے۔ ثانیاً: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ واضح کر دیا ہے کہ اخلاص نماز جنازہ کے اندر ہی ہونا چاہیے۔ آپ ایسے پُرخلوص انداز اور رقت آمیز الفاظ سے جنازہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے کہ دوسرے صحابی تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش یہ جنازہ ہمارا ہوتا۔ دیکھئے حضرت عوف بن مالک وغیرہ کی روایت مسلم ص ۳۱۱ ج ۱ مشکوٰۃ ص ۱۴۵ وغیرہ نیز دیکھئے اور سنن الکبریٰ ص ۴۲ ج ۴ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے نماز جنازہ کا طریقہ بتایا جس میں یہ بھی فرمایا کہ درود شریف پڑھنے کے بعد اخلاص سے خاص میت کے لیے دعا کرے۔ ثم یسلم سراً فی نفسہ پھر آہستہ دل ہی میں سلام کہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ اخلاص فی الدعا سلام پھیرنے سے پہلے ہے۔

ثالثاً اگر اس روایت کا یہی معنی ہوتا جو مفتی صاحب نے کیا ہے تو جنازہ کے بعد کی دعا کو حضرات فقہاء کرامؒ اور خصوصاً فقہاء احنافؒ خلافِ سنت اور مکروہ کیوں کہتے ہیں؟ کیا حضرات فقہاء کرامؒ سے یہ جسارت ہو سکتی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور قول کو بھی خلافِ سنت اور مکروہ کہہ دیں؟

ورابعاً باوجودیکہ یہ حدیث حضرات فقہاء کرامؒ کے پیش نظر ہے، مگر وہ پھر بھی جنازہ کے بعد دعا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر اس حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو مفتی صاحب اور ان کی بدعت پسند پارٹی نے گھڑا ہے تو حضرات فقہاء کرامؒ کیوں لا یدعوا اور دعا نہ مانگے سے اس کو منع کرتے، وہی حضرت ملا علی القاریؒ (وغیرہ) جب اس حدیث کی شرح کرتے ہیں تو ان کو مفتی صاحب کا یہ معنی سمجھ نہیں آتا۔

اور جب اس کے معروف ایک مضمون بعد حضرت مالک بن ہبیرہ کی حدیث کی شرح کرتے ہیں تو صاف لکھتے ہیں کہ جنازہ کی نماز کے بعد میت کے لئے دعا مانگے کیونکہ یہ نماز جنازہ کے اندر زیادت کے مشابہ ہے (مرقات ج ۲ ص ۳۱۹) الغرض کوئی لغوی اور عرفی قرینہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت اس حدیث کا وہ مطلب صحیح ہو جو مفتی صاحب نے کیا ہے۔

رہا مفتی صاحب کا یہ ارشاد کہ شرط اور جزا میں تغایر ہونا چاہیے تو یہ مسلم ہے مگر یہ تغایر کبھی ذات اور ذات کا ہوتا ہے جیسے فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا میں کھانا الگ ایک حقیقت ہے اور انتشار الگ اور کبھی یہ تغایر جزو و کل کا ہوتا ہے جیسے وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مطلق قرآن کا پڑھنا کل ہے اور صرف اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کا پڑھنا جزو ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ قرآن کریم کے بالکل متغایر ہے۔ اسی طرح کبھی یہ تغایر اطلاق و تقیید کا ہوتا ہے جیسے إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ میں جملہ شرطیہ کے اندر جو سوال ہے وہ مطلق ہے اور جملہ جزائیہ میں جو سوال ہے وہ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ کے ساتھ مقید ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جملہ شرطیہ میں جو سوال ہے وہ اس سوال کے بالکل متغایر ہے جو جملہ جزائیہ میں ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ مطلق نماز جنازہ (جس میں ثناء اور درود شریف وغیرہ کا پڑھنا اور باوضو ہو کر قبلہ رخ ہو کر قیام کرنا وغیرہ بھی کچھ ہے) کل ہے اور میت کے لئے دعا جزو ہے اور شرط و جزا کے لئے اتنا تغایر کافی ہے۔ اور اگر مفتی صاحب إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ (الآیۃ) اور إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ (الآیۃ) اور إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ (الآیۃ) وغیرہ میں ارادہ وغیرہ مقدر تسلیم کرتے ہیں تو وہ فرمائیں کہ اذا صلیتم علی المیت (الحدیث) میں اس ارادہ کے نکالنے سے کیا چیز مانع ہے؟ وجہ فرق بیان ہونی چاہیے۔ الغرض یہ مفتی صاحب کی صواب دید پر موقوف ہے کہ اگر وہ ان آیات میں کوئی مقدر نکالتے ہیں تو حدیث میں بھی تسلیم کر لیں یا جزو و کل وغیرہ کا تغایر مانتے ہیں تو وہ مان لیں۔ یہ ان کی مرضی ہے۔ باقی حرف إِلٰی نماز کے قیام کے لئے بھی آیا ہے جیسا کہ ان گنت مثالیں اس پر پیش کی جا سکتی ہیں مگر بخوف طوالت ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ رہا مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ف سے تاخیر ہی معلوم ہوتی،

حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں تو ان کا یہ کہنا اصول سے بے خبری پر مبنی ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ جیسے تاخیر و تعقیب زمانی ہوتی ہے ایسے ہی مرتبی بھی ہوتی ہے، اور جزا کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ زمانہ کے لحاظ سے شرط سے متاخر ہو، بلکہ بسا اوقات جزا، شرط کیلئے علت ہوتی ہے اور علت کا معلول پر مقدم ہونا ایک یقینی امر ہے۔ علماء اصول نے اس کی تصریح کی ہے کہ:

ان الجزاء قد تكون علة الشرط كان وجد النهار فالشمس طالعة۔ (شرح تلویح ص۱۲۲)

کبھی جزا شرط کے لئے علت ہوتی ہے جیسے کہ یہ مثال ان وجد النهار فالشمس طالعة کہ اگر دن موجود ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سورج نکل چکا ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ میت کے لئے نماز جنازہ میں جو دعا کی جاتی ہے تو وہ ثناء اور درود شریف کے بعد کی جاتی ہے اور اس میں جملہ جزائیہ کی جملہ شرطیہ سے زمانی "تاخیر" بھی متحقق ہے۔ اور علماء نے تصریح کی ہے :-

التراخي بزمان وان قلّ (حاشیہ تلویح ص۲۲۲)

کہ تراخی بہت قلیل زمانے سے بھی متحقق ہو جاتی ہے۔

ثالثاً اس میں حقیقی معنی کسی نے ترک ہی نہیں کیا تاکہ ان پر یہ الزام صحیح ہو کہ بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ علاوہ بریں اگر مفتی صاحب وغیرہ کے پاس ارادہ وغیرہ نکالنے کے لئے کوئی قرینہ اور منطق موجود ہے تو شاید کسی اور کے پاس بھی کوئی ایسا ہی حربہ موجود ہو کیونکہ ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

رابعاً کیا مفتی صاحب لوگوں کو یہ فتویٰ دیا کرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید پڑھ لینے کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھا کریں۔ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ (الآیۃ) میں بھی ف ہے جس سے بالفعل مفتی صاحب تاخیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ پھر حقیقی معنی کیوں چھوڑا جاتا ہے؟ اسی طرح اور بہت سی آیات میں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

غرضیکہ کوئی صحیح عقلی اور نقلی دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے اذا صلیتم علی المیت (الحدیث) سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا ہونی چاہئے اور اس سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔

فریق مخالف کا استدلال اور اس کا حشر | مفتی احمد یار خان صاحب نے منتخب کنز العمال کے

حوالے اور مولوی محمد عمر صاحب بیہقی اور فتح ربانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی نے اپنی لڑکی کا جنازہ پڑھا اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی، اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ (جاء الحق ص۲۶۳ اور مقیاس حنفیت ص۵۲۶ محصلہ)

الجواب :- اس روایت سے استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں ابراہیم ہجری واقع ہے (دیکھئے جاء الحق وغیرہ) اور حضرات محدثین کرامؒ اس کی روایت کو نہایت ہی ضعیف سمجھتے ہیں۔ امام ابن معینؒ کہتے ہیں۔ اس کی حدیث محض ہیچ ہے۔ امام ابو زرعہؒ کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ امام ابو حاتمؒ اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں حدیث میں ضعیف ہے۔ امام ابی احمد الحاکمؒ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ حدیث میں ضعیف ہے۔ علامہ ابن عدیؒ کہتے ہیں۔ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن سعدؒ، امام سعدیؒ اور امام حربیؒ وغیرہ اس کو ضعیف کہتے ہیں (دیکھئے تہذیب التہذیب ج۱ ص۱۶۵) لہٰذا یہ روایت سرے سے قابل التفات ہی نہیں ہے۔

وثانیاً یہ دعا نماز جنازہ کے ختم ہونے کے بعد کی دعا نہیں ہے، جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے لکھا ہے کہ ـــــ پھر نماز جنازہ ختم کرنے کے بعد آپ وہیں کھڑے رہے، اندازہ دو تکبیروں کے مابین کا دعا فرماتے رہے (مقیاس ص۵۲۶) بلکہ یہ دعا چوتھی تکبیر اور سلام پھیرنے کے درمیان کی دعا ہے جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا بھی کیا تھا اور حضرات شوافعؒ کا اس پر عمل ہے۔ اور حضرات احنافؒ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے قبل دعا کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ :

وفی روایۃ کبّر اربعا فمکث ساعۃ حتی ظننت انہ سیکبر خمسا ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ الخ

(ریاض الصالحین ص۳۶۱ و کتاب الاذکار ص۱۳۵)

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی نے چار تکبیریں کہیں اور ایک ساعت ٹھہرے رہے۔ حتیٰ کہ ہمیں یہ خیال گیا کہ وہ پانچویں تکبیر بھی کہیں گے، مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیر دیا۔

حضرت امام بیہقیؒ اس روایت پر یوں باب قائم کرتے ہیں کہ:

باب ما ورد فی الاستغفار للمیت والدعاء له ما بین التکبیرة الرابعة والتسلیم (سنن الکبریٰ ج۴ ص۴۳)

وہ باب جس میں اس کا ذکر ہے کہ میت کے لیے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا اور استغفار کرنا چاہیے۔

اس روایت سے نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا ثابت کرنا جہالت یا خیانت ہے۔
مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ بیہقی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی (جاء الحق ص۲۶۳) مگر یہ بھی مفتی صاحب کی کتاب فہمی کا ایک کرشمہ ہے ورنہ بیہقیؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک جنازہ پڑھایا اور چند حضرات نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

فقالوا یا امیر المؤمنین لم نشهد الصلوٰة علیه فصلی بهم فکان امامهم قرظةؓ بن کعب۔ (سنن الکبریٰ ج۴ ص۴۵)

انہوں نے کہا اے امیر المؤمنینؓ! ہم اس کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکے تو انہوں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی ان کے امام قرظہؓ بن کعب تھے۔

اور دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ:

فجاء قرظةؓ بن کعب واصحابه بعد الدفن فامرهم ان یصلوا علیه (سنن الکبریٰ ج۴ ص۴۵)

قرظہؓ بن کعب اور ان کے ساتھی دفن کے بعد آئے اور انہوں نے ان کو صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا۔

اس روایت سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ دوبارہ جنازہ پڑھنا یا دفن کے بعد جنازہ پڑھنا ہے۔ اس مقام پر اس کا جھگڑا نہیں ہے۔ اس روایت سے دعا بعد الجنازہ کا اثبات بالکل بے بنیاد امر ہے۔ اسی طرح مفتی احمد یار خان صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ کا (غائبانہ) جنازہ پڑھا اور پھر دعا کی (ملخصاً جاء الحق ص۲۶۳) بالکل بے اصل اور بے حقیقت بات ہے۔ حضرت اصحمہ نجاشیؓ کے بغیر غائبانہ جنازہ پڑھانا ہرگز ثابت ہی نہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو کسی صحیح اور متصل سند کے ساتھ پیش کر دے۔ ورنہ یاد رہے جب اصل نماز جنازہ ہی ثابت نہیں تو دعا بعد الجنازہ کا کیا مطلب؟ اسی طرح مبسوط کے حوالے سے حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن سلامؓ سے یہ ثابت کرنا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ

کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسا عمل اگر واقعی ان روایات سے ذکر کا ثابت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم سے اس کا ثبوت ہوتا۔ اور حضرات فقہاء احنافؒ اس کو مکروہ نہ کہتے۔

جنازہ کے ساتھ ساتھ ذکر کرنا اور قرآن کریم وغیرہ پڑھنا حدیث شریف اور فقہ حنفی کے پیش نظر اس کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ جنازہ کے ساتھ اجتماعی طور پر ذکر کیا جائے اور خاص طور پر جہر کے ساتھ۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ بحوالہ الطبرانی حضرت زید بن ارقمؓ (المتوفی ۶۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ان اللّٰہ یحب الصمت عند ثلاث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف وعند الجنازۃ۔ (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۲۸۱)	اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند کرتا ہے قرآن کریم کی تلاوت کے وقت، میدان جنگ میں اور جنازہ کے ساتھ۔

حضرت امام محمدؒ اور علامہ ابن نجیمؒ حضرت قیس بن عبادؓ (المتوفی ۸۰ھ) سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

قال کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلاث الجنائز۱ والقتال۲ والذکر۳	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ تین مواقع پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ جنازہ۱ کے ساتھ، قتال۲ میں اور ذکر۳ کے وقت۔

(السیر الکبیر للامام محمد مع شرح السرخسی ج۱ ص۸۹ وعبدالرزاق ج۳ ص۴۵۲ والبحر ج۲ ص۱۹۲ ومصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۲۷۴)

بلکہ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تین مقامات پر آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ قراءۃ۱ قرآن۔ جنازہ۲ اور قتال۳ کے وقت۔ (السیر الکبیر ج۱ ص۸۹)

یہ روایتیں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ مکروہ سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی اس وقت خاموشی کو پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احنافؒ نے یہ مسئلہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے

کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم پڑھنا اور اسی طرح کلمۂ حق یہ موت (کہ ہر زندہ مرنے والا ہے) وغیرہ پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے اور کراہت بھی اس میں تنزیہی نہیں بلکہ تحریمی ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وعلی متبعی الجنازة الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن۔ (کذا فی شرح الطحاوی وعالمگیری مصری ج۱ ص۱۵۹)

کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ جانے والے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ خاموش رہیں اور ان کے لئے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

امام سراج الدین اودھیؒ لکھتے ہیں:

رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وقولھم کل حی یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (سراجیہ ص۲۳ طبع نولکشور)

کہ جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم پڑھنا اور یہ کہنا کہ ہر زندہ مرے گا، بدعت ہے۔

اور اسی کے قریب قریب عبارت ہے درمختار کی (دیکھئے کتاب الجنائز)

اور علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں کہ:

وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم۔ (بحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ مصری)

اور مناسب ہے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ جائیں وہ طویل خاموشی اختیار کریں اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم پڑھنا اور اسی طرح کچھ اور پڑھنا مکروہ ہے، اور کراہت بھی اس میں تحریمی ہے۔

یہ تمام عبارتیں معتبر حضرات فقہاء احناف کی ہیں جو اپنے مفہوم میں بالکل صاف ہیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم پڑھنا، کل حی یموت پڑھنا اور اسی طرح کچھ اور پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب کی سینہ زوری ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں کہ بعض فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا، اُن کی مراد مکروہ تنزیہی ہے"۔ (جاء الحق ص۲۹۱)

ہاں اگر کوئی شخص اپنے دل میں آہستہ ذکر کرے تو اس کیلئے گنجائش ہے چنانچہ امام قاضی خان لکھتے ہیں:

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ۔ (قاضی خان علی الہندیہ ج ۱ ص ۱۹۳)	اور مکروہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنے دل میں ذکر کرنا چاہتا ہو تو وہ آہستہ دل میں ذکر کر سکتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرات صحابہ کرام اور حضرات فقہاء احناف جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو مکروہ (تحریمی) اور بدعت کہتے ہوئے اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب بزعم خویش کن آیات سے یہ ثابت کرتے ہیں اور پھر اپنی گوہر افشانی فرماتے ہیں:

"جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا" اور پھر جامع الصغیر سیوطی، کنوز الحقائق مناوی، اور کنز العمال سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جنازہ میں زیادہ پڑھا کرو — اور دوسری روایت یوں نقل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے موتی کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا سامان تیار کرو — تو ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ جنازہ کے ساتھ کلمے کا ذکر ثواب ہے اور میت کو مفید ہے۔ اور اس زمانہ میں ذکر جہری بالمیت کہ اہل سنت کیلئے ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہابی اور سنی کے جنازے کا علم ہو جاتا ہے۔ (مقیاس الحنفیت ص ۱۸۸)

سبحان اللہ تعالیٰ! یہ ہیں مولوی محمد عمر صاحب کے جنازہ کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے کے اثبات کے دلائل، کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں ذکر کا تذکرہ اور اس کی فضیلت آئی ہے اس سے جنازہ کے ساتھ ذکر کرنا بھی ثابت ہو گیا۔

پہلے یہ با حوالہ درج کر دیا گیا ہے کہ احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات درست نہیں ہوتا۔ یہی قرآن کریم کی آیات جن سے مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک جنازے کے ساتھ ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے، حضرات صحابہ کرام اور حضرات فقہاء احناف کے سامنے بھی تھیں مگر ان کو یہ مبارک اجتہاد نہ سوجھا۔ یہ مولوی محمد عمر صاحب کی خوش قسمتی ہے کہ ان کو قرآن کی ایک آیت ہی سے نہیں بلکہ کئی آیات سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا۔ باقی جو حدیث پیش کی ہے اس سے استدلال بھی ناکافی ہے اسلئے

کہ جھگڑا اس میں ہے کہ جو آدمی خلف الجنازہ یا متبعی الجنازہ (کہ جنازہ کے پیچھے ہے۔ جمال اور اس کے
ساتھ ساتھ چل رہے ہوں) کی فہرست میں شامل ہو اس کے لئے جہر سے ذکر کرنا یا قرآن کریم وغیرہ
پڑھنا کیسا ہے؟ ہم نے حضرات فقہاء کرام کی وہ عبارتیں بتلائی ہیں، وہ اپنے مفہوم میں نص صریح ہیں
اور مولوی محمد عمر صاحب کی پیش کردہ روایتیں خلف الجنازہ یا متبعی الجنازہ کے مفہوم کے بیان
سے قاصر ہیں۔ ان روایات کا صحیح مطلب ہے کہ وفات کے وقت ان کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو جیسا کہ سنت سے ثابت
ہے اور اس وقت میں تلقین شہادتین کا مسئلہ معمول بہا ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب کی انوکھی دلیل | مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ (دلائل) — فقہاء نے ذکر
بالجہر فی الجنازہ مکروہ لکھا ہے (محمد عمر)۔ بحر الرائق ج ۲ صفحہ ۲۰۶ میں مذکور ہے کہ ولا بأس بمرثية
المیت شعراً۔ میت کا شعروں میں مرثیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ تم اپنے جنازہ کے ساتھ فقہاء کی
اتباع میں مرثیہ خوانی کر لیا کرو، ہم ذکر کلمہ کر لیا کریں گے۔ (مقیاس حنفیت صفحہ ۵۸۵)

جواب: مولوی محمد عمر صاحب کا تقریر و تحریر میں بھی وطیرہ ہے کہ وہ خاموش نہیں رہ سکتے
ان کے نزدیک کچھ نہ کچھ کہہ دینا یا لکھ دینا ہی جواب تصور ہوتا ہے عام اس سے کہ وہ حقیقت اور نفس الامر
میں جواب ہو یا نہ ہو۔ صاحب بحر الرائق تو یہ فرماتے ہیں کہ شعروں کے اندر میت کا مرثیہ پڑھنا جائز ہے
یعنی مردہ کے دنیا سے چلے جانے پر افسوس اور صدمہ کا ذکر اور مردہ کے کمالات اور خوبیوں کا تذکرہ درست
ہے۔ یہ انہوں نے کب اور کہاں کہا ہے کہ جنازہ کے ساتھ ساتھ مرثیہ پڑھا کرو۔ جھگڑا تو جنازہ کے ساتھ
ساتھ پڑھنے کا ہے۔ الغرض حوالہ اس کا ہرگز جواب نہیں ہے۔ یہ ہے مولوی محمد عمر صاحب کا طرز استدلال
اور اس کا پس منظر۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: ابن عدیؒ نے کامل میں اور امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ تخریج
احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عن ابن عمرؓ قال لم يكن يسمع
من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يمشي خلف الجنازة الا قول لا اله الا الله مبديا وراجعا
اگرچہ یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ انتہیٰ (جاء الحق صفحہ ۲۶۱)

جواب: مفتی صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے، اس کی تحقیق اپنے مقام پر آئے گی (انشاء اللہ تعالیٰ) کہ فضائل اعمال میں کیسی ضعیف حدیث معتبر ہوتی ہے؟ لیکن یہ تو ضعیف بھی نہیں۔ اس میں خیرت ایک راوی ہے جس کا نام ابراہیم بن ابی حیہ ہے۔ امام ابوحاتمؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ کان یضع الحدیث (لسان المیزان ج ۱ ص ۳۸) کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ موضوع اور جعلی حدیثوں سے بھی مفتی احمد یار خان صاحب فضائل اعمال ثابت کرتے ہیں۔ رہا مفتی احمد یار خان صاحب کا امام شعرانیؒ، شیخ عبد الغنی نابلسی اور شیخ عثمان خیریؒ وغیرہ سے جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کے جواز کے حوالہ جات نقل کرنا، تو اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ یہ صوفیوں کا گروہ ہے اور حِل و حرمت میں ان کی بات ہرگز حجت نہیں ہوتی (میدان فتویٰ میں حضرت فقہاء کرامؒ کی بات معتبر ہوتی ہے نہ کہ حضرات صوفیاء کی) اس کا مختصر جواب مفتی صاحب کی زبانی سن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں: "ابن حجرؒ شافعی ہیں تو احناف کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔" (بلفظہ جاء الحق ص [illegible])۔ ہم بھی کہہ دیں گے کہ حضرات احنافؒ کے مقابل حضرت امام شعرانیؒ وغیرہ شوافع کی بات پر ہرگز عمل نہ ہوگا، کیونکہ حضرات فقہاء احنافؒ کی صریح عبارات سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ جیسا کہ باحوالہ بات عرض کردی گئی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
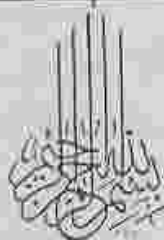
اذان کے ساتھ

بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا بدعت ہے

فقہاء احناف اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

اذان کے ساتھ بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بدعت

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور نہ خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں تھا۔ اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ اس کا فتویٰ دیا اور نہ آئمہ اربعہؒ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی بلکہ تقریباً ۷۹۰ھ تک کسی بھی مقام پر یہ بدعت رائج نہ تھی۔ اس بدعت کی ابتداء کب ہوئی۔ اور کس نے کی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے لیکن قدرے مشترک یہ ہے کہ اس کی ابتداء مصر میں ۷۹۱ ہجری میں ہوئی اور اس وقت رافضیوں کی حکومت تھی چنانچہ تاریخ الخلفاء سیوطیؒ ص ۴۹۸ دُرِّ مختار جلد نمبر ۱ ص ۴۷ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۴ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی ایجاد ۷۹۱ھ کو ہوئی۔ اور دُرِّ مختار میں ۷۸۱ھ میں لکھا ہے۔

اس واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدار شریعت خوابوں پر نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور رافضی حاکم کے سامنے پیش کیا اُس نے فوراً یہ بدعت جاری کر دی چنانچہ علامہ مقریزیؒ فرماتے ہیں کہ

فمضی الی محتسب القاهرة	وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے
وهو یومئذ نجم الدین محمد	پاس گیا اس وقت نجم الدین محمد

الطبندی وکان شیخا جهولا
سیئ السیرة فی الحسبة
والقضاء متهافتا علی الدرهم
ولو قاده الی البلاء لا یحتشم
من اخذ البرطیل والرشوة
ولا یراعی فی مومن الا ولا
ذمة قد جرئ علی الآثام و
تجسد من اکل الحرام یری
ان العلم زخارف العذبة
ولبس الجبة و یحسب
ان رضاء الله تعالیٰ فی ضرب
العباد بالدرة وولایة
الحسبة وجهالاته شائعة
وقبائح افعاله ذائعة
(بحواله الابداع فی
مضار الابتداع ص١٦٩)

الطبندی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا
قضا اور محاسبے میں بداخلاق تھا۔
ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا اگر
کیسی ہی اور بے حیائی کا پیشہ تھا حرام
اور رشوت لینے سے دریغ نہیں کرتا
تھا اور کسی مومن کی قرابت اور
ذمہ کا پاس اس کو نہ تھا گناہوں
پر بڑا حریص تھا اور اس کا جسم
مال حرام سے پلا ہوا تھا اس کے
نزدیک علم کا کمال یہی دستار
و جبہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ رضاء
الٰہی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کوڑے
لگانے اور عہدۂ قضاء پر برا
جما رہنے سے ہے اس کی جہالتوں
کے قصے اور اس کے گندے
افعال کے قصے ملک میں مشہور تھے
علامہ طحطاوی نے بھی اس کا ذکر
کیا ہے کہ یہ کاروائی محمد الطبندی
کے حکم سے ہوئی
(طحطاوی ص۱۱۱ طبع مصر)

امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ

قالَ شیخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون فی ایام حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء الراشدین قال کان فی ایام الروافض بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ ووزرائہ بعد الاذان الی ان توفی الحاکم بامر اللہ وولوا اختہ خلیفۃ وعلیہا وعلی وزرائہا من النساء فلما تولی الملک صلاح الدین فابطل ھذہ البدع وامر المؤذنین بالصلوٰۃ والتسلیم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدل تلک البدعۃ وامر بہا اھل الامصار والقریٰ

ہمارے شیخ نے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، یہ فرمایا کہ یہ سلام کہنا جیسا کہ مؤذن اب کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں نہ تھا اور فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کے دور میں مصر میں رائج ہوا کہ انہوں نے اپنے خلیفہ اور اس کے وزراء پر اذان کے بعد سلام کہنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حاکم بامر اللہ انتقال ہو گیا اور لوگوں نے اس کی بہن کو اقتدار سونپا تو اس پر اور اس کی وزراء عورتوں پر مؤذن یہ سلام کرتے تھے جب بادشاہ صلاح الدین کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے اس بدعت کو ختم کر دیا اور مؤذنوں کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کریں اور شہروں اور

۲۲ (کشف الغمہ جلد ۱ ص ۸۰ طبع سنہ ۱۳۴۰ھ)

وہ پانچوں کے بعد مؤذنوں کو اس نے اس کا حکم دیا

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مروجہ صلوٰۃ وسلام نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دور مسعود میں بلکہ اس کی ابتداء مصر میں اس زمانہ میں ہوئی جب کہ وہاں رافضیوں کا اقتدار تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو امت کو بدعت کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ حکم تو یہ دیا ہے کہ میری اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور خود اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ کارروائی نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت ہوئی اور نہ حضرات خلفاء راشدین کے دور میں؛ حالانکہ اس وقت اذان بھی ہوتی تھی، مسجدیں بھی تھیں، پڑھنے والے بھی ہوتے تھے اور ان میں محبت بھی کمال درجہ کی ہوتی تھی پھر وہ کون سی نئی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس بدعت پر عمل کرنے کی شرعی ضرورت پیش آگئی؟ امام ابن حجر المکیؒ فرماتے ہیں کہ

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانھم یقدمون ذٰلک

بلاشبہ مؤذنوں نے فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے۔ مگر صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے وہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب کے

فيهما على الاذان والا المغرب فانهم لا يفعلون غالب الضيق وقتها وكان ابتداء حدوث ذلك في ايام السلطان الناصر صلاح الدين بن ايوب وبامره في مصر واعمالها وسبب ذلك ان الحاكم المخذول لما قتل امرت اخته المؤذنين ان يقولوا في حق ولده السلام على الامام الطاهر ثم استمر السلام على الخلفاء بعده الى ان ابطله صلاح الدين المذكور و جعل بدله الصلوة والسلام على النبي صلى الله عليه وسلم ولقد استفتى مشائخنا وغيرهم في الصلوة والسلام عليه صلى الله عليه وسلم بعد الاذان

وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالباً نہیں پڑھتے اور اس کی ابتدا سلطان ناصر الدین بن ایوب کے دور میں اور اس کے حکم سے مصر اور اس کے علاقوں میں ہوئی اور اس کی وجہ تھی کہ جب حاکم مخذول کو قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے حق میں یوں سلام کہیں السلام علی الامام الطاہر پھر اس کے بعد اور حکمرانوں پر بھی یہ سلام ہوتا رہا یہاں تک کہ صلاح الدین نے اس کو ختم کیا اور اس کے عوض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام جاری کیا۔

اور ہمارے مشائخ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں سے اس کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان کے بعد اس کیفیت سے

على الكيفية التي يفعلها المؤذنون فافتوا بان الاصل سنة والكيفية بدعة وهو ظاهر كما علم مما قررته من الاحاديث

(الفتاوى الكبرى الفقهية جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳۱)

جس طرح کہ اب مؤذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ نفس درود شریف تو سنت ہے مگر اس کیفیت سے پڑھنا بدعت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے جیسا کہ میں نے احادیث سے اس کو ثابت کر دیا ہے۔

اس سے قبل انہوں نے صلوٰۃ وسلام کی چند احادیث بیان کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ

ووردت احاديث اخر بنحو تلك الاحاديث السابقة و لم ار في شيء منها التعرض للصلوة عليه صلى الله عليه وسلم قبل الاذان ولا الى محمد رسول الله بعده ولم ار شيئا في كلام ائمتنا تعرضا لذلك ايضا فحينئذ كل واحد من هذين ليس بسنة في محله المذكور.

ان گزشتہ احادیث کی طرح اور بھی اس مضمون کی کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے ان میں سے کسی میں یہ اشارہ نہیں دیکھا کہ اذان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے اور نہ یہ کہ اذان کے بعد محمد رسول اللہ کے الفاظ پڑھے جائیں اور ہم نے اپنے ائمہ کے کلام میں بھی نہیں دیکھا کہ انہوں

فيه نص اتى بواحد منهما في ذلك معتقدا انه سنة في ذلك المحل المخصوص نهي عنه ومنع منه لانه تشريع بغير دليل ومن شرع بلا دليل يزجر عن ذلك وينهى عنه.

جلد نمبر ۱ صہ ۱۳۱

نے اس سے کچھ تعرض کیا ہو ایسی حالات پر دونوں باتیں اس مذکور مقام میں سنت نہیں (بلکہ بدعت) ہیں سو جس شخص نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی سنت سمجھ کر اس مخصوص محل میں کی تو اسے منع کیا جائے گا اور روکا جائے گا کیونکہ یہ بلا دلیل شریعت بنانا ہے اور جو شخص بغیر دلیل کے شریعت بنائے تو اس کو اس سے ڈانٹا جائے گا اور روکا جائے گا۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس صفائی سے امام ابن حجرؒ نے اس بدعت کو کچلنے کی سعی اور جرأت کی ہے۔

مطلق درود شریف اور ذکر کی فضیلت کی حدیثوں سے اذانوں اور نمازوں سے قبل یا بعد جہراً پڑھنے پر استدلال کرنا اپنی غیر معصوم رائے سے دین میں دخل دینا ہے چنانچہ علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ (المتوفی سنہ ۷۹۰ھ) ایک خاص مقام پر لکھتے ہیں کہ

فالتقييد في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأي في التشريع

مطلق احکام میں قید لگانا جن میں شریعت کی طرف سے کوئی قید لگانا ثابت نہیں ہے شریعت میں

فكيف اذا عارضه الدليل
وهو الامر باخفاء النوافل
مثلاً
(الاعتصام جلد نمبر ا ص ۳۸۴
طبع مصر)

اپنی رائے کو دخل دینا ثابت ہو
اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے
جب اس کے مقابلہ میں دلیل
موجود ہو مثلاً نفلوں کو مخفی کر کے
ادا کرنا

اسی طرح ذکر وغیرہ کا معاملہ ہے حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ،

خير الذكر الخفي وخير
الرزق ما يكفي (رحم حب هب)
عن سعدؓ صحيح الجامع
الصغير جلد ۲ ص ۸

بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو
اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت
کرے

اگر ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ درست بھی ہو تو اس کو صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ ذکر کرنا بہرحال بہتر ہے اور ترجیح اسی کو ہے کیونکہ یہ ریاء سے بھی بعید ہے، اور نمازیوں، سونے والوں، مطالعہ کرنے والوں اور بیماروں کو اس طرح سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اور امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ

قد احدث المؤذنون
الصلوٰة والسلام على رسول
الله صلى الله عليه وسلم
عقيب الاذان للفرائض
الخمس الا الصبح والجمعة

مؤذنوں نے پانچ فرضی نمازوں کی
اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے
کی بدعت ایجاد کی ہے مگر صبح اور
جمعۃ المبارک کے موقع پر وہ یہ

فانهم لا يفعلون ذلك فيها على الاذان والا المغرب فانهم لا يفعلونه اصلا لضيق وقتها وكان ابتداء حدوث ذلك من ايام السلطان الناصر صلاح الدين ابي المظفر يوسف بن ايوب و امره واما قبل ذلك فان لما قتل الحاكم بن العزيز امرت اخته ست الملك ان يسلم على ولده الظاهر فسلم عليه بما صورته السلام على الامام الظاهر ثم استمر السلام على الخلفاء بعده خلفا عن سلف الى ان ابطله الصلاح المذكور.

کا رواج اذان کے بعد کرتے ہیں اور مغرب کے وقت بالکل نہیں کرتے کیونکہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے اور اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین ابو المظفر یوسف بن ایوب کے دور میں اور اس کے حکم سے ہوا کیونکہ جب حاکم ابن عزیز قتل ہوا تو اس کی بہن ست الملک نے حکم دیا کہ اس کے لڑکے ظاہر پر اس طرح سلام کیا جائے۔ السلام علی الامام الظاہر پھر اس کے بعد حکمرانوں پر یکے بعد دیگرے سلام کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ صلاح الدین مذکور نے اس کو بند کر دیا

حافظ ابن کثیرؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله تعالى عنه هو بدعة لانه لو

بہرحال اہلسنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ خیر اور

لوکان خیراً لسبقونا الیہ لا
نھم لم یترکوا خصلۃ من
خصال الخیر الا وقد بادروا
الیھا .
(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۵۶)

بہتر ہوتا تو ضرور وہ ہم سے اس کے
کرنے میں سبقت لے جاتے کیونکہ
انہوں نے بھلائی کی خصلتوں میں
سے کوئی خصلت ایسی نہیں چھوڑی
جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں .

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں .

اقول الفرقۃ الناجیۃ ھم
الآخذون فی العقیدۃ والعمل
جمیعًا بما ظھر من الکتاب
والسنۃ وجری علیہ جمھور
الصحابۃ والتابعین اھ
(حجۃ اللہ البالغۃ جلد نمبر ا صفحہ
طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ نجات حاصل کرنے
والا فرقہ وہی ہے جو عقیدہ اور عمل
دونوں میں اس چیز کو لیتا ہے جو
کتاب اور سنت سے ظاہر ہو اور
جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا
اس پر عمل ہو .

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ
وغیر الناجیۃ کل فرقۃ
انتحلت عقیدۃ خلاف
عقیدۃ السلف او عملاً دون
اعمالھم اھ (ایضًا ص ۱۲۰)

اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے
سلف (یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ)
کے عقیدہ اور عمل کے خلاف کوئی
عقیدہ اور عمل اپنا لیا ہو .

حضرت شاہ صاحبؒ نے کس واضح الفاظ سے ناجی اور غیر ناجی
فرقہ میں فرق بیان کیا اور خط امتیاز کھینچ دیا ہے .

الغرض اذانوں سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام کے بدعت کہنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل الاذان و بعدہ من محدثات الامور التی لم یکن فی عہد رسول

اذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ان بدعات میں سے ہے جن کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور

فتاویٰ "ذخیرۃ السالکین" میں لکھا ہے کہ:

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین والتا بعین ومن تبعہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (نحو الرغایۃ الکلام صفحہ ۱۲۸)

تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہل بدعت نے صرف اذان میں لگ بھی پر اکتفا نہیں کی۔

بل زادوا علیہا لبعض الکلمات من الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان مشروعا بنص الکتاب والسنۃ وکان من اکبر العبادات و اجلہا لکن اتخاذھا عادۃ فی

بلکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعد کلمات بھی اضافہ کیے ہیں اگرچہ درود شریف قرآن وسنت سے ثابت ہے اور بڑی اور شدہ عبادات میں سے ہے لیکن منارہ پر

الاذان على المنارة لم يكن مشروعا اذ لم يفعله احد من الصحابة رض والتابعين ولا غيرهم من ائمة الدين وليس لاحد ان يضع العبادات الا في مواضعها التي وضعها فيها الشرع ومضى عليها۔
(مجالس الابرار صفحہ [illegible] طبع کانپور)

(اذان کے بعد اس کے پڑھنے کی عادت اختیار کر لینا مشروع نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور ائمہ دینؒ میں سے کسی ایک نے ایسا نہیں کیا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو ایسے مقامات پر ادا کرے جہاں شریعت نے نہیں بتائیں اور جس پر سلف صالحینؒ نے عمل نہیں کیا۔

اور علامہ ابن امیر الحاجؒ فرماتے ہیں کہ

فالصلاة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم احدثوها في اربعة مواضع لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى والخير كله في الاتباع لهم مع انها قريبة العهد بالحدوث جدا وهي عند طلوع الفجر من كل ليلة وبعد اذان العشاء ليلة الجمعة الخ
(مدخل جلد ۲ صہ ۲۴۹)

(اہل بدعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چار مقامات پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بدعت ایجاد کی ہے جس کا وجود سلف صالحینؒ کے زمانہ میں نہ تھا اور خیر تو ان کی پیروی ہی میں ہے حالانکہ یہ بدعت تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ ایجاد ہوئی ہے ان مقامات میں سے ایک طلوع فجر کے وقت روزانہ اور دوسرا جمعہ کی رات کو عشاء کی اذان کے بعد درود پڑھنا ہے

اور شیخ عبدالحق دہلوی رحؒ فرماتے ہیں ۔

کہ در فضیلت صلوٰۃ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ احسن است لیکن چنانکہ فرمودہ اند باید کرد ہر چیز را محلے و وقتے تعین کردہ بجاں جا باید گفت و کرد (مدارج النبوۃ جلد 1 صـ ۳۲۸)

ان تمام حوالوں اور خصوصاً مقریزی رح اور کشف الغمہ کے حوالہ سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود شریف کا پڑھنا بدعت ہے اور اس کی ابتداء رافضیوں کے دور میں ہوئی اور ایسے ظالم حاکم کے ہاتھوں پر ہوئی جو بد اخلاق ، راشی حرام خور اور انتہائی کمینہ تھا اور موجودہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا طریقہ رافضیوں کے سلام کا چربہ ہے

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

چیز یکہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند الخ) یعنی بدعت جب شرعاً مردود ہے تو اس میں حسن کہاں سے پیدا ہوگا ۔

حیرت ہے کہ اپنے آپ کو سنی کہلانے والے بدعت پر چل رہے ہیں اور جو لوگ سنت صحیحہ پر عامل ہیں اُلٹا انکو کوستے اور وہابی کہتے ہیں نہایت ہی افسوس ہے اس بے بنیاد نظریے پر ۔

حضرت مجدد الف ثانی رح تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

از حق تعالے تضرع است کہ ہر چیز دا در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر	حق تعالے سے عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا ہے کہ جو چیز دین میں گھڑ لی گئی ہے اور بدعت جاری

در خلفاء راشدین او نبود اگرچہ
آں چیز در روشنی مثل فلق
صبح بود ایں ضعیف را با جمعے
کہ با وے اند گرفتار عمل
مگردان و مفتون حسن آں
مبتدع مکن بحرمۃ سید
المرسلین اھ۔
(مکتوبات حصہ سوم مکتوب ۱۸۶
ص ۴۳ طبع امرتسر)

کی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم اور اس کے خلفاء راشدینؓ
کے دور میں نہ تھی۔ اگرچہ وہ
چیز روشنی میں صبح کی روشنی کی
مانند ہو اس ضعیف کو سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے
اس جماعت میں نہ کرے جو
اس بدعت کے عمل میں گرفتار اور
بدعت کے حسن کے فتنہ میں مبتلا ہے

یہ یاد رہے کہ جس طرح کسی ثابت شدہ چیز کا کرنا اپنے مقام پر سنت
ہے، اسی طرح غیر ثابت شدہ چیز کا ترک اور نہ کرنا بھی اپنی جگہ اور اپنے
محل میں سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات خلفاء
راشدینؓ نے اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے نہ تو صلوٰۃ وسلام
پڑھا اور نہ اس کا حکم فرمایا تو اب اس کے خلاف کرنا یقیناً ان کی سنت
کا رافع ہوگا۔

علم غیب، حاضر ناظر، نور و بشر وغیرہ

مسائل میں دیوبندی بریلوی اختلاف نہیں

مقدمہ حسام الحرمین صفحہ

بریلوی (اہل سنت وجماعت) اور دیوبندی اختلافات کی حقیقت بھی ایسی ہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عوام کو حضرات علمائے دیوبند کے خلاف ایصال ثواب، عرس، گیارہویں شریف، تقریباً میلاد شریف، استمداد، علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر جیسے مسائل پر خصوصاً تقریریں کر کے بھڑکانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اختلاف انہی مسائل میں ہے۔ حالانکہ اصل اختلاف ان مسائل میں نہیں ہے۔

بدعتی بہ اجماع مسلمین کافر ہے

(اعلام الاعلام مولوی احمد رضا صفحہ ۱۵ بریلی)

جواب سوال سوم

فی الواقع جو بدعتی ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہو باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہو جائے بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے عمر میں ہزار حج کرے ہزار پہاڑ سونے کے راہ خدا میں دے واللہ ہرگز ہرگز کچھ مقبول نہیں جب تک حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے۔ ضروریات اسلام اگر مثلاً ہزار ہیں تو ان میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہی جیسا نو سو ننانوے (۹۹۹) کا

زمانے کی ہو کسی طرح فرق نہیں بس اتنا چاہیے کہ باوجود دعوی اسلام اقوال
خبیثہ میں بعض ضروریات دین سے انکار رکھتا ہو اور ایسا حکم مرتدین جاری
کیے جائینگے ۔

ان قسم میں منکرین
ضروریات دین پر حکم مرتدین جاری ہوتا ہے منقول و مقبول بلکہ علمائے
مذاہب اربعہ کا متفق ہے بالجملہ ان اعداء اللہ پر حکم ارتداد ہی جاری
کیا جائیگا کہ اون سے سلطنت اسلام میں معاہدہ کبھی جائز نہیں نہ ہمیشہ کو
امان ہونا جائز نہ جزیہ لینا جائز نہ حسب بیرق کسی حالت میں اون سے بیاہ کرنا
جائز نہ پاس بیٹھنا جائز نہ کھانا جائز نہ اون کے کسی کام میں شریک ہونا جائز
نہ اپنے کام میں شریک کرنا جائز نہ مناکحت کرنا جائز نہ ذبیحہ کھانا جائز
قاتلہم اللہ انی یؤفکون قال اللہ تعالی و من یتولہم منکم فانہ منہم
جو تم میں سے اون سے دوستی رکھیگا وہ انہیں میں سے ہے ہدانا
اللہ تعالی الی الصراط المستقیم و دین ہذا النبی الکریم علیہ
افضل الصلاۃ و التسلیم و ثبتنا بالقول الثابت فی الدنیا
و الآخرۃ انہ ولی ذلک و اہل التقوی و اہل المغفرۃ
لا الہ الا ہو سبحنہ و تعالی عما یشرکون ۔ و اللہ تعالی اعلم

عبدہ المذنب احمد رضا
کتبہ
عفی عنہ بمحمدن المصطفی صلی اللہ
تعالی علیہ وسلم
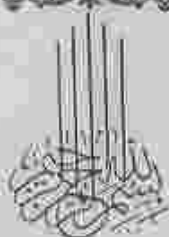
اذان میں انگوٹھے چومنا
بدعتیوں کی ایجاد ہے!

تقریباً احناف اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

اذان میں انگوٹھے چومنا

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو پردۂ خفا میں ہو اور اُمت کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہو۔ آپ کی ایک ایک ادا، ایک ایک حرکت اور نشست و برخاست غرضیکہ کوئی بھی آپ کا قول و فعل پوشیدہ نہیں۔ اذان جیسی عبادت جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی تھی اور ہجرت کے بعد تقریباً دس سال مدینہ طیبہ میں آپ کے سامنے ہوتی رہی اور اذان کے کلمات نیز اذان دینے والوں کے نام اور اذان کی جملہ کیفیات احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ مگر کسی بھی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنے چاہئیں۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ہی محبت ہے (اور ہر مسلمان کو ہونی چاہیئے) تو اذان دینے والے کے منہ کو چومنا چاہیئے جس کے مبارک ہونٹوں اور زبان سے یہ مبارک نام نکلا ہے۔ اپنے انگوٹھے تو ہر وقت ساتھ ہی رہتے ہیں۔ نہ تو ان سے آپ کا اسم گرامی صادر ہوتا ہے اور نہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت ہی نہیں (اور اذان جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خیر القرون میں ہوتی رہی) تو پھر اس کو کیسے دین کہا جا سکتا ہے اور کس طرح اس کو شعار دین بنانا و مستحب اور نہ کرنے والوں کو کیونکر ملامت گردانا ہے۔

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ اصولی طور پر دو ہیں ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے جب مؤذن کا یہ قول سنا کہ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہِ تو اس وقت انہوں نے

قَبَّلَ بَاطِنَ الْأَنْمُلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ

اپنے کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصّہ کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو

خاں صاحب نے جاء الحق ص۳۹۳ میں اور مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس حنفیت ص۴۱۷ میں پیش کی ہے۔ لیکن یہ حضرت ملا علی القاریؒ کا وہم ہے۔ اس لئے کہ اگر واقعی یہ روایت حضرت ابوبکرؓ سے موقوف بھی صحیح ہوتی تب بھی حجت تھی مگر حضرت ابوبکرؓ سے جو روایت منقول ہے وہ مرفوع ہے اور اس کی سند سرے سے صحیح ہی نہیں ہے جیسا کہ مرفوعاً صحیح نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ مرفوعاً صحیح نہیں ہے موقوفاً صحیح ہے اور عمل کے لئے کافی ہے کیسے صحیح ہوا؟ باقی جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ لا یصح رفعہ یا لا یصح فی المرفوع کما عبد ابن حسنؒ وغیرہ بعض شیوخ کی موقوف روایات کے پیش نظر ہے۔ وہ اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی موقوف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں خصوصاً جبکہ ابن صالحؒ وغیرہ صحابی بھی نہیں ہیں۔ ملا علی القاریؒ کا وہم کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ امام عبد اللہ بن المبارکؒ نے خوب کہا ہے ومن ذا اسلم من الوھم (لسان المیزان ج۱ ص۱۶) وہم سے کون بچ سکتا ہے؟ الا من عصمہ اللہ تعالیٰ۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تحقیق مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے (جاء الحق ص۳۹۳)۔

جواب: یہ بھی مفتی صاحب کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ یہ کہہ دینا کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی حدیث غیر مشروط طور پر حجت ہوتی ہے، قطعی غلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) وغیرہ ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں لا یعمل بہ مطلقاً (القول البدیع ص۱۹۶) مطلقاً اس پر عمل صحیح نہیں ہے۔ اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) لکھتے ہیں:

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشروط (احکام ج۱ ص۴۹)

ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔

وہ شرطیں کیا ہیں۔ امام سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

ان شرائط العمل بالضعیف ثلاثۃ الاول متفق علیہ ان یکون الضعیف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ اول جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث میں ضعف شدید نہ ہو۔ لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب

بالكذب ومن فحش غلطه. الثاني ان يكون مندرجا تحت اصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له اصل اصلا. الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبي صلى الله عليه وسلم ما لم يقله. (القول البديع ص[illegible])

یا ایسا راوی منفرد ہو جو فحش غلطی کا شکار رہتا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ کسی قاعدہ کے تحت درج ہو۔ اس سے وہ خارج ہو گئی جس کی کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کر لیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں مفقود ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی، اور آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجہ اول کی متواتر حدیث من كذب علیّ (الحدیث) کے بظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

واما العمل بالضعيف في فضائل الاعمال فدعوى الاتفاق فيه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروط بان لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف فان كان كذلك لم يقبل في الفضائل ايضا (الآثار المرفوعة في الاخبار الموضوعة ص[illegible])

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ بعض حضرات ایسی حدیثوں کے اثبات کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، فوا اسفا! خان صاحب بریلوی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ "حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہئے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں [illegible]

شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۳۳)۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگرچہ سابقہ شرطوں کے ساتھ فضائلِ اعمال میں عمل کیا جانا جائز اور مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہوگی تو ہرگز قابلِ عمل نہ ہوگی۔ حافظ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

وان کان ضعیفا لا یدخل فی حیز الموضوع فان احدث شعارا فی الدین منع منه وان لم یحدث فهو محل نظر۔ (احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۱)

یعنی اگر ضعیف حدیث ہو بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو تو اس پر عمل جائز ہے لیکن اگر اس سے دین کے اندر کوئی شعار قائم اور پیدا ہوتا ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا ورنہ اس پر غور کیا جائے گا۔

لیجئے یہاں ایک اور بات بھی حل ہوگئی وہ یہ کہ ضعیف حدیث اس وقت قابلِ عمل ہوگی جبکہ موضوع اور جعلی نہ ہو اور ساتھ ہی وہ دین کا شعار اور علامت نہ بن گئی ہو۔ اگر دین کی علامت یا شعار کا خطرہ ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ اور اہل بدعت حضرات خیر سے ان چیزوں کو سنت اور حنفیت کا معیار قرار دیتے ہیں اور ان بدعات کو نہ کرنے والوں کو گستاخ اور وہابی کہتے ہیں اور ان کے خلاف مقیاس حنفیت جیسی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں بھلا یہ ضعیف روایتیں کیونکر حجت ہو سکتی ہیں؟

اور علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعا۔ (القول البدیع ص ۱۹۵)

کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے مگر شرط یہ ہے کہ وہ موضوع اور جعلی نہ ہو۔

نیز لکھتے ہیں:

واما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال (ص ۱۹۶)

بہرحال موضوع حدیث تو اس پر کسی حالت میں عمل جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ فضائلِ اعمال میں ہر ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے حضرات محدثین کے نزدیک چند شرطیں ہیں اور جو حدیث موضوع اور جعلی ہو اس پر کسی حالت اور کسی صورت میں

عمل جائز نہیں ہے۔ نہ فضائلِ اعمال میں اور نہ ترغیب و ترہیب وغیرہ میں۔ اب ذرا آپ ہوش و حواس سے سُن لیجئے کہ انگلیاں چومنے کی تمام حدیثیں صرف ضعیف ہی نہیں ہیں بلکہ موضوع اور جعلی ہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات (تیسیر المقال للسیوطی بحوالہ دلیل حسن تعظیم)

وہ حدیثیں جن میں مؤذن سے کلمہ شہادت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سُننے کے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب موضوع اور جعلی ہیں۔

لیجئے اب تو قصہ ہی ختم ہو گیا۔ مفتی احمد یار خان صاحب کے یہ الفاظ دیکھ کر غور کرنا چاہیئے کہ "الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا"۔ (بلفظہ جاء الحق ص۴۰۳) پرخچے کس کی دلیل کے اُڑ گئے اور حق کس کی طرف سے واضح ہو گیا ہے؟ عیاں راچہ بیاں۔

غفلت کے بعید تک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

امام سیوطیؒ کے کلها موضوعات کے حوالہ کے بعد یہ ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ عرض کریں مگر محض تکمیلِ فائدہ کے لئے حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روایت کا ذکر بھی کر دیتے ہیں اسی مضمون کی روایت حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منقول ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں:

ثم یقبل ابهامیه۔ (الحدیث) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چومے۔

پہلی روایت میں انگوٹھوں کا ذکر نہیں بلکہ شہادت کی انگلیوں (اور ایک روایت میں ابہام اور سبابہ) کا ذکر تھا اور وہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کے باب یا مرغی کے مطابق نہ تھی مگر یہ روایت مطابق ہے۔ یہ روایت موضوعات کبیر ص۱۰۸ اور تذکرۃ الموضوعات ص۳۶ وغیرہ میں ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب نے مقاصد حسنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ (جاء الحق ص۴۰۵) اور مولانا محمد عمر صاحب نے طحطاوی ص۱۲۲ کے حوالہ سے نقل کی ہے (مقیاس ص۶۱) لیکن علامہ محمد طاہرؒ اور ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبر پر اذان دینا

خلاف سنت ہے، اسکا مرتکب بدعتی ہے

فقہاء احناف اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین
اما بعد

قبر پر اذان

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد میت کو قبر میں دفن کیا جائے اور بسم اللہ علی سنۃ رسول اللہ وغیرہ پڑھا جائے، اور دفن کے بعد سورۃ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں سورۃ محمد کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کی قبر پر سبحان اللہ اور الحمد للہ وغیرہ خود بھی پڑھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس کی تلقین بھی کی۔ اسی طرح استغفار اور تثبیت کا سوال بھی کیا۔ یہ سب امور صحیح اور ثابت ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر آپ نے دعا بھی کی ہے اور اس کا حکم بھی فرمایا ہے۔ لیکن قبر پر اذان کا ثبوت نہ تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے۔ حالانکہ اس وقت میتیں بھی ہوتی تھیں، مُردے دفن بھی کئے جاتے تھے اور اذان بھی تھی اور اذان دینے والے بھی ہوتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت تو اذان علی القبر سنت اور جائز نہ ہوئی اور کئی صدیاں گزرنے کے بعد یہ جائز ہو گئی، اور اس کے جواز پر رسالے بھی لکھے جانے لگے۔

اذان ایک خاص عبادت ہے اور اس کے لئے شریعت مقدسہ میں مخصوص مواقع مقرر کئے گئے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا حدود اللہ سے تعدی اور معصیت ہے۔ اگر ایسی تخصیص جائز ہوتی تو عیدین

کی نماز کے لئے بھی اذان و اقامت درست ہوتی اور اس کے لئے اذان علی القبر سے بہت زیادہ اور عمدہ اپنے وجوہ بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارہ میں تمام حضرات فقہ کرام متفق ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

ومن ذلک الاذان والاقامة فی العیدین فقد نقل ابن عبد البر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامة فیہما۔ (الاعتصام ج ۲ ص ۳۲)

اور اسی قبیل سے اذان و اقامت عیدین میں ہے امام ابن عبد البرؒ نے تمام حضرات فقہاء کا اس پر اجماع نقل کیا کہ عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف قبر پر خلاف سنت امور کا سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں چنانچہ امام ابن ہمام محققؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) اپنی بے نظیر تالیف میں لکھتے ہیں کہ:

ویکرہ عند القبر کل ما لم یعھد من السنة والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسال اللہ لی ولکم العافیة۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ طبع مصر)

اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور ثابت صرف سنت سے قبروں کی زیارت ہے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت البقیع میں جا کر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے سلامتی ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔

اور اسی طرح کی عبارت بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۴ اور در المختار ج ۱ ص ۱۶۶ اور فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶ میں بھی ہے۔ اس سے بھی صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اذان قبر بلکہ اس قسم کے وہ تمام امور جو سنت سے ثابت نہیں، قبر کے پاس مکروہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی

اور زیارت اور دعا پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ

لا يسن الأذان عند ادخال الميت في قبره كما هو معتاد الآن وقد صرح ابن حجرؒ في فتاواه بانه بدعة۔ (شامی ج ۱ ص ۵۹۹)

یہ کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان کہنا جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے مسنون نہیں ہے اور امام ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔

اور درر البحار میں ہے:

من البدع التي شاعت في الهند الأذان على القبر بعد الدفن۔

اُن بدعات میں سے جو بعض بلادِ ہند میں شائع ہو گئی ہیں ایک دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

اور توشیح شرح تنقیح محمود اللامشی میں اس اذان کے متعلق لکھا ہے:

ليس بشيء۔

یہ اذان کوئی چیز نہیں۔

یہ تمام عبارتیں اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کا شریعتِ مطہرہ میں کوئی ثبوت ہی نہیں۔ یہ خلافِ سنت بھی ہے اور بدعت بھی، حضرات فقہاء کرامؒ کے اقوال کے خلاف بھی ہے اور لیس بشیء بھی۔ ایک منصف آدمی کے لئے یہ حوالہ جات بالکل کافی ہیں۔ البتہ متعنت کیلئے کوئی چیز بھی سود مند نہیں ہوتی۔ فریقِ مخالف کی طرف سے جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ بھی سن لیجئے اور ساتھ ساتھ جوابات بھی دیکھ لیجئے تاکہ حق و باطل میں بخوبی فرق معلوم ہو سکے۔

پہلا اعتراض: مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: (ان عبارات میں جو دعا کا ذکر کیا ہے) کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعا ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی سنّت شی کی ایک فرد ہوئی" (ایذان الاجر ص...)

جواب: خان صاحب کا یہ ارشاد ایک مجذوب از من الطرب اور کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ اگرچہ بعض اعتبارات سے ذکر اور دعا ایک ہی ہے لیکن عرف میں یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دعا میں طلب اور سوال پایا جاتا ہے اور ذکر اس سے خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

الذکر في العرف غير الدعاء (الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۸)

ذکر عرف میں دعا کے علاوہ ہے۔

اور فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت البقیع والوں کے لئے جو دعا کی تھی اس میں عافیت کا سوال تھا اور یہی سنت سے ثابت ہے۔

وثانیاً خود خان صاحب اذان کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تو خالص ذکر بھی نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۲۰۵) تو پھر یہ کیسے صحیح ہوا کہ اذان ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا ہے!

وثالثاً اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اذان دعا ہے تو سوال یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعین وغیرہ کو یہ بات کیوں سمجھ نہ آئی کہ اذان دعا ہے اور قبر پر یہ بھی ہونی چاہیے۔ جب یہ طریقہ اُن کو سمجھ نہ آسکا اور حضرات ائمہ مجتہدین نے بھی اس کو نہ سمجھا، تو کسی دوسرے کی سمجھ کیسے حجت ہو سکتی ہے ؎

بجز خدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

دوسرا اعتراض: مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے، بالکل درست ہے۔ وہ زیارتِ قبور کے وقت فرماتے ہیں یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو دفن کے وقت کی ہے یہ زیارت کا وقت نہیں۔ اگر وقتِ دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اُتارنا، تختے دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہو الخ (جاء الحق ص۳۰۲ و ص۳۰۳ بلفظہ)

جواب: یہ ہے مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی کا جواب۔ مگر بات یہ ہے کہ صاحب بحر الرائق وغیرہ نے تو دیکھو عند القبر کہا ہے، یکرہ فی القبر نہیں کہا۔ میت کو قبر میں اتارنا فی القبر ہے عند القبر نہیں ہے۔ اسی طرح تختے دینا اور مٹی ڈالنا فی القبر اور علی القبر ہے عند القبر نہیں۔ ہاں البتہ دفن کے بعد تلقین کرنا عند القبر ہے مگر وہ تو والدعاء عندھا قائماً کی مد میں ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ اور زیارت و دعا دفن سے قبل خالی قبر کی کوئی نہیں کرتا۔ مگر یاد

ہے کہ تعیین سے سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا مقصود ہے۔ جس کا ثبوت حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث سے ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۹ ج ۱) اگرچہ موقوف بھی ہو تب بھی حکماً مرفوع ہے اس لیے بحر الرائق وغیرہ کے الفاظ کی اس کو متعین کر دیتے ہیں کہ دفن کے بعد دعا اور زیارت کے علاوہ قبر کے پاس اور جو کچھ بھی کیا جائیگا وہ خلاف سنت ہوگا، سجدہ ہو یا طواف، استمداد ہو یا اذان وغیرہ، اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: (علامہ شامیؒ نے امام ابن حجرؒ کے حوالے سے جو یہ نقل کیا ہے کہ قبر کے پاس اذان بدعت ہے) اولاً تو ابن حجرؒ شافعی مذہب ہیں۔ حیثیت سے علماء حرمین ہیں یا بعض احناف بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجرؒ شافعی اس کی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم امام ابن حجرؒ نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونے کا انکار کیا یعنی یہ سنت نہیں۔ (بلفظہ جاء الحق ص ۳۰۲)

جواب: مفتی صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے نری دفع الوقتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان کا ضمیر بھی ان کو ملامت کرتا ہوگا۔ اولاً اس لیے کہ یہی امام ابن حجرؒ (اور امام سیوطیؒ) جو شافعی ہیں مگر مسئلہ میلاد وغیرہ مفتی احمد یار خان صاحب اور ان کی بدعت پسند پارٹی ان ہی سے ثابت کرتی ہے اور اس وقت ان کی شافعیت پیش نظر نہیں ہوتی۔ وہاں تو ان کی تعریفیں کرتے کرتے قلم کند اور زبانیں خشک ہو جاتی ہیں اور یہاں اس طرح جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا ہے "تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟"۔

وثانیاً امام ابن حجرؒ نے صرف اس کی سنیت ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کو بدعت بھی کہا ہے۔ چنانچہ خود مفتی احمد یار خان صاحب بحوالہ الشامی یہ حوالہ اس طرح نقل کرتے ہیں (ترجمہ بھی مفتی صاحب کا ہے)۔

وقد صرح ابن حجر بانه بدعة وقال من ظن انه سنة فلم يصب۔

اور ابن حجرؒ نے صریح فرمادیا کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا (جاء الحق ص ۳۰۲)

اس سے قبل علامہ شامیؒ کی عبارت یوں ہے کہ:

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ — میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جیسا کہ اب عادت

کما ھی المعتاد الآن الخ (شامی ج ۱ ص ۸۳۶) — بنالی گئی ہے اذان کہنا سنت نہیں ہے۔

امام ابن حجرؒ کی تصریح کے بعد کہ یہ بدعت ہے، یہ کہہ دینا کہ انہوں نے منع نہیں کیا کتنی حیرتناک بات ہے مگر مفتی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بدعت کے ذریعے ہی تو ہماری گاڑی چلتی ہے تو اس کا منع نہیں کر سکتے

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح — تمہی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

وثالثًا در البحار والے تو حنفی ہیں وہ تو شافعی نہیں۔ ان کی بات کیوں رد کر دی گئی ہے؟ اسی طرح امام ابن عابدین شامیؒ حنفی ہیں اور امام ابن حجرؒ کے اس حوالہ کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے کیوں اغماض کیا گیا ہے؟

ورابعًا وہ کونسے علماء ہیں جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں جو اذان قبر کو سنت کہتے ہیں۔ ان کا نام اور کتاب کا حوالہ تو تحریر فرماتے۔ یہ بات آپ نے صیغہ راز میں کیوں رکھ چھوڑی ہے تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے کہ ایسے علماء بھی ہیں (جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں) جو اذان قبر کو سنت کہتے ہیں۔ باقی خان صاحب بریلوی وغیرہ بدعت پسند مولویوں کی عبارتوں سے صرف اپنے ماننے والوں کی تسکین تلاش کیجئے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسے مبتدعین کی بات پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں۔ کسی کو کیا معلوم ان کی بات اور آپ کو ہی پسند آسکتی ہے ع — نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

ہمارے اکابر نے تصریح کر دی ہے۔ **الجواب:** قبر پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۹۲)۔

چوتھا اعتراض: (علامہ محمود حجیؒ کی توشیح کی عبارت کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں) توشیح کا فرمانا لیس بشیء ہو اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے۔ مراد یہ ہے کہ نہ فرض نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے۔ جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ۔ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ (بلفظہ جاء الحق ص ۳۰۵)۔

جواب: مفتی صاحب کا یہ جواب بچند وجوہ باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ ان کے اس زعم باطل پر مبنی ہے کہ جواز اور استحباب کے لئے دلیل شرعی ضروری نہیں سمجھتے اور علماء کے قول سے بھی اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سراسر باطل ہے کیونکہ جواز اور استحباب بھی شرعی احکام ہیں اور ان کے اثبات کے لئے بھی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔

وثانیاً مستحب جیسے شرعی حکم کو جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے لیس بشیء سے تعبیر کرنا اور وہ بھی محض اپنی غرض فاسد کے تحت دین کی سراسر توہین ہے اور در مختار کے حوالہ سے قیل یستحب سے اس پر استدلال کرنا اور پھر لفظ قیل کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضعف کی علامت نہیں تمام بے بنیاد باتیں ہیں کیونکہ دین کسی ایک دو مجہول عالم کی رائے یا اس کی غرض کا نام نہیں ہے۔ یہاں جمہور کی نقل معتبر ہوگی یا کم از کم معتبر اور مستند عالم کی بات جو با دلیل ہو۔

وثالثاً وہ کون سے حضرات فقہاء کرام ہیں جو اذان علی القبر کو بدعت حسنہ یا بدعت مستحبہ فرماتے ہیں؟ شاید وہ مفتی صاحب کے عالم خیال، صوبۂ خواہش اور فتیح غرض فاسد میں آباد ہوں۔ مفتی صاحب نے ہدایہ کے حاشیہ سے جو یہ نقل کیا ہے کہ لیس بشیء سے وہ چیز مراد ہوگی جس پر ثواب نہ ملتا ہو اور لیس بشیء پر اباحت پر صادق آتا ہے، اور پھر یہ نتیجہ نکالا کہ: معلوم ہوا کہ لیس بشیء پر مباح کو بھی کہا جاتا ہے (ملخصاً ۳۱۵) تو یہ بھی مفتی صاحب اور دیگر بدعت پسند حضرات کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ وہ اباحت کو دلیل شرعی کا محتاج نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اباحت بھی حکم شرعی ہے اور اباحت بغیر اذن شارع اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اس لئے یہ تمام مغز کھپائی مفتی صاحب کے لئے بالکل بے سود ہے۔

الحاصل یہ ایک واضح اور یقینی حقیقت ہے کہ قبر پر اذان نہ تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نہ حضرات مجتہدینؒ سے اس کا جواز منقول ہوا اور نہ فقہاء کرامؒ سے بلکہ وہ اس کو خلاف

سنت اور بدعت کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز خلافِ سنت اور بدعت ہو وہ کیسے جائز اور مستحب ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خان صاحب بریلوی وغیرہ اس کو خود سنت کہتے ہیں۔ مگر اثباتِ سنت اُن کے بس کی بات کا نام نہیں ہے۔ یہاں نصوص اور صریح دلیل درکار ہے۔

اذان علی القبر کے جواز کے دلائل

قبر پر اذان دینے کے جواز میں متعدد اہل بدعت حضرات نے چھوٹی بڑی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔ چنانچہ ان کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ایذان الاجر ہے (جس کا بہترین جواب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اعلان الحق الخطیر سے دیا ہے) اس میں خان صاحب نے بزعم خود پندرہ دلیلیں قائم کی ہیں۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں "یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعات میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں" (ایذان الاجر ص۱۲) مگر ان میں ایک بھی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے قبر کے اوپر اذان کا مسئلہ ثابت ہو۔ ان دلائل میں کسی میں اذان کی فضیلت کا ذکر ہے، اور کسی میں دعا اور ذکر کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ کسی میں قبر کے اندر میت کیلئے تثبیت کا سوال ہے، اور کسی میں اس سے تخفیفِ عذاب کا بیان ہے۔ اور کسی میں سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ وغیرہ کا قبر پر اثبات ہے۔ کسی میں استعاذہ من الشیطان کی دعا کا ذکر ہے اور کسی میں تلقین کا۔ کسی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لینے سے عذاب کے ٹل جانے کا بیان ہے اور کسی میں شیطان کے بھاگ جانے کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب مسائل اور دلائل اپنے مقام پر حق ہیں اور ان کا کوئی بھی سنی منکر نہیں ہے۔ مگر سوال تو صرف یہ ہے کہ کیا مروجہ اذان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے قبر پر دی ہے؟ اگر اس کا ثبوت ہے تو لایئے اور بسم اللہ۔ اس دلیل سے یہ مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ کسی حدیث سے لا الٰہ الا اللہ کا ثبوت لے لیا اور کسی سے درود شریف کی فضیلت اخذ کر لی، اور کسی حدیث سے شیطان کے بھاگنے کی بات اخذ کر لی اور کسی سے اذان کی، اور سب کو جوڑ کر اذان ثابت کر دی۔ اس کا نام دلیل نہیں ہے۔ ایسے طرزِ استدلال سے اسلام میں کیا کچھ ثابت نہیں کیا جا سکتا؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خان صاحب کی سب سے بڑی اور وزنی دلیل کو

جس کو انہوں نے دلائل کی مد میں نمبر اول پر پیش کیا ہے نقل کر کے اس کے متعلق کچھ عرض کر دیں تاکہ آپ کو نمونہ از خروارے کے طور پر بقیہ دلائل کا معیار اور خان صاحب کا گلستانِ دلائل بھی معلوم ہو جائے ، اور ان دلائل سے ان کے اختیار کردہ مسائل کا نقشہ بھی سامنے آجائے۔ اور یقین کیجیے کہ ان کی ہر دلیل اپنے دعویٰ کے اثبات سے قاصر اور فی نفسہ غیر موثر ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

اک فغاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی جاتا رہا باقی رہی تاثیر بھی

خان صاحب لکھتے ہیں کہ دلیل اول وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے ، شیطان رجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے ، شیطان اس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں ۔ اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے ، اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی۔ (ایذان الاجر ص۳ وص۴ ملخصاً)۔

جواب : خان صاحب کا یہ ارشاد ایک خالص مجموعہ مغالطہ اور قلتِ تدبر کا افسوسناک مظاہرہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ شرعی اصول کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی تکلیفی زندگی جس میں اغوائے شیطانی کا خطرہ رہتا ہے موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ قبر میں اغوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی نوادر الاصول کا حوالہ تو چنداں قابلِ التفات نہیں ہے اس لئے کہ یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی کا موقوف قول ہے ، اور پھر اس کی سند بھی ذکر نہیں کی گئی اور نوادر الاصول ان کتابوں میں سے ہے جن میں رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔ الفوائد فی المزاح القاهرۃ بعبدالدین فرنگیؒ الحنفی (۱۱۳۸ھ) کے حاشیہ میں ہے :

قال السیوطی فی الجامع الکبیر کل ما عزی لی العقیلی وابن عدی والخطیب البغدادی وابن عساکر والحکیم الترمذی وذکر جماعۃ غیرھم فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا عن بیان ضعفہ۔

(حاشیہ القرآن فی المرآۃ ص ...)

امام سیوطیؒ جامع کبیر میں لکھتے ہیں کہ جو روایت عقیلیؒ اور ابن عدیؒ اور خطیب بغدادیؒ اور ابن عساکرؒ اور حکیم ترمذیؒ اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت کا ذکر کیا، کی طرف منسوب ہو تو وہ ضعیف ہوگی۔ ان کی طرف اس کا نسبت کر دینا ہی اس کے ضعف کے لئے کافی ہے اس کے ضعف کے الگ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

اگر ان کتابوں میں کوئی روایت باسند ہو اور سند بھی متصل ہو اور راوی بھی تمام ثقہ ہوں اور شذوذ اور علت قادحہ سے بھی محفوظ ہو تو الگ بات ہے ورنہ ان کی طرف کسی روایت کا منسوب کر دینا ہی اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کی دلیل ہے اور یہی وہ کتابیں ہیں کہ جن سے جملہ اہل بدعت اور خصوصاً خان صاحب بریلوی اپنے سب مسائل ثابت کرتے ہیں کیا خوب ہے مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم!

وثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر دیا جائے کہ قبر میں بھی شیطان کا دخل ہوتا ہے اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ سے دفن کے بعد کی دعاؤں میں اللّٰھم اجرھا من الشیطان اور اللّٰھم اجرہ من الشیطان اور اس قسم کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ اپنی حقیقت ہی پر محمول ہیں تو عرض یہ ہے کہ میت سے متعلقات ایسے ہیں جن میں شیطان کا دخل احادیث سے معلوم ہے مگر ان مقامات پر شاید خان صاحب بھی اذان کہلوا دیکر ہیں جیسا کہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۵ وغیرہ کتب کثیرہ میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا (الحدیث۔ بخاری ج ۲ ص ۷۷۶)

اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز (یعنی اولاد) سے جو تو ہمیں دے، بچا اور الگ رکھ۔

وافظ ابن حجرؒ حضرت مجاہدؒ سے اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:

ان الذی یجامع ولا یسمی یلتف الشیطان علی احلیلہ الخ (فتح الباری ج ۹ ص ...)

جو شخص ہمبستری کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلہ تناسل پر لپٹ جاتا ہے اور ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

لیجئے اس سے زیادہ "اذن کا مقام" شیطان کو بھگانے کا اور کیا ہوگا؟ کیا قبر پر اذان دینے والے حضرات کے نزدیک اس موقع پر بھی شیطان کو بھگانے کا کبھی خیال پیدا ہوا ہے؟ ان کے نزدیک تو اس موقع پر بھی اذان کم از کم مستحب اور فرد سنت ہونی چاہیئے۔ یہاں صرف مسلمان بھائی ہی کی امداد نہیں بلکہ مسلمان جن کی ہمدردی اور امداد بھی ہوگی۔ اور وہ بیچارے دو گونہ تکلیف سے بھی محفوظ رہیں گے بلکہ اور اولاد پر بھی احسان ہوگا کہ شیطان کی خلل اندازی سے وہ بھی محفوظ رہے گی۔ اس موقع پر اذان دینے میں مسلمان بھائی اور جن اور اولاد کبھی افراد کا بھلا ہے اور نیک آدمی کی اذان کا اثر بھی مخفی نہیں لہٰذا فریق مخالف کے نیک حضرات مریدوں، مقتدیوں اور شاگردوں کو مشغول بیکار ہونے کا حکم دیں اور خود اذان دینے کا فریضہ ادا کریں تاکہ انکی امداد ہو جائے۔ اگر اس موقع پر وہ ایسا نہیں کرتے تو وجہ فرق بیان کریں۔

وثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ان هذه الحشوش محتضرة (الحدیث) یعنی قضائے حاجت کے مقامات پر شیاطین موجود رہتے ہیں
(ابوداؤد ج ۱ ص ۲ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۲) پس جب تم میں کوئی پاخانہ جائے تو یہ دعا کر لیا کرے۔

نیز فرمایا:

اللّٰهم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث (ترمذی ج ۱ ص ۳) کہ اے اللہ مجھے نر اور مادہ جنوں اور شیطانوں سے بچا۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ پاخانوں میں شیاطین موجود رہتے ہیں۔ کیا قبر پر اذان دینے والوں نے کبھی اس موقع پر اذان کہنے کو مستحب اور فرد سنت کہا ہے؟ اور اس پر کبھی کسی نے عمل کیا ہے کہ پیر، مولوی اور مفتی صاحب تو قضائے حاجت میں مشغول ہوں اور باوفا مرید اور شاگرد اذان دے کر شیاطین کو بھگانے کی فکر میں ہوں۔ اور اگر ایسا کرتے ہیں تو عجب۔ اور اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟ بیّنوا وتوجروا۔

ورابعاً خان صاحب بریلوی کے پیش کردہ جملہ فوائد (اور ان سے اخذ کر کے مفتی احمد یار خان صاحب کے یہ تمام منافع کہ اذان میں پوری تلقین ہے — اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ — اذان سے دل کی وحشت دور ہوتی ہے — اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے — اذان کی

برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے ــــ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ ۔ دیکھئے ایذان الاجر اور جاء الحق صفحہ ۲۹۳ تا صفحہ ۳۰۱ بلفظہ ملتقطاً) جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کو بھی معلوم تھے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ آپ نے تمام عمر ایک دفعہ بھی کسی کی قبر پر اذان نہ کہی، نہ اس کا حکم صادر فرمایا، نہ حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ میں سے کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ حضرات ائمہ دین میں سے کسی نے یہ راز سمجھا، تو آج چودھویں صدی میں کسی شخص کو یہ حق کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گیا کہ وہ اپنی ان بے حقیقت قیاس آرائیوں سے دین میں پیوندکاری کرے؟ قبر پر اذان دے کر مسلمان بھائی کی عمدہ امداد کا یہ جادو اثر نسخہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود رؤف اور رحیم ہونے کے اپنی امت مرحومہ کو نہ بتایا اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کو بھی یہ نسخہ عجیبہ و مفیدہ معلوم نہ ہو سکا اور حضرات ائمہ مجتہدینؒ بھی اس اکسیر اعظم سے محفوظ رہے اور سلف صالحینؒ بھی اس نادر گمشدہ کے اثر سے فیض یاب نہ ہو سکے تو پھر آج اس نسخہ کو کون پوچھتا ہے؟ ؎

اور ہوں گے جو ہیں اُن کی جفاؤں پہ بے کل ہم کسی کا غمزۂ بے جا اٹھا سکتے نہیں

وخلاصہ ۔ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ شیطان لعین انسان کا عدو مبین ہے اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ انسان کو اغوا کر کے اپنا رفیق اور ساتھی بنا لے۔ بیداری میں وہ بھلا کب کیسے چھوڑتا، وہ تو خواب غفلت میں بھی انسان کو پریشان کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اور خواب کی ایک قسم تحزین من الشیطان ہے جو اس کی واضح دلیل ہے۔ اہل بدعت کے قاعدہ کی رو سے لازم ہے کہ دن اور رات کے جملہ اوقات میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی عمدہ امداد اس اذان کے ذریعہ کی جائے اور سفر و حضر میں اس عمدہ امداد کو فراموش نہ کیا جائے کوئی اس کو پسند کرے یا نہ کرے یہ کہتے ہوئے اس پر عمل کرنا چاہئے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان! اور یہ کس سے پوشیدہ ہے کہ آج گلیوں، گلیوں، سینماؤں، کلبوں، سکولوں اور دفتروں میں آج کل جس طرح شیطان کا دخل ہے وہ کسی اور جگہ ہرگز

نہیں۔ لہٰذا اپنے مسلمان بھائیوں کی ہمہ امداد اذان کے ذریعہ ہونی چاہئے، اور پھر حکومت کے فیصلہ کا انتظار کیجئے کہ وہ اس ہمدردی کا کیا صلہ تجویز کرتی ہے؟ اور آج کون مسلمان ہے جو اس ناپائیدار دنیا میں وحشت اور غم میں مبتلا نہیں۔ ہر طرف سے مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے اور وہ کون منگول ہے جس کے ماں باپ اور بیٹا یا کوئی عزیز فوت ہو جائے اور وہ غم و الم سے دوچار نہ ہوا اس کی ہمہ امداد اذان کے ذریعہ کیوں نہیں کی جاتی؟ اور سینکڑوں مکانات بعض افراد کی غلطی اور نادانی کی وجہ سے نذر آتش ہو جاتے ہیں پھر اذان کے ذریعہ آگ بجھا کر ان بیچاروں کی یہ ہمہ امداد کیوں نہیں کی جاتی؟ یہ بھی کوئی عجب منطق ہے کہ میت کی ہمہ امداد تو اس سے ہوتی ہے اور زندوں کا ہول دل، وحشت اور غم اس سے دور نہیں کیا جاتا، اور نہ تو آتش حسی اس سے بجھائی جاتی ہے اور نہ معنوی (مثلاً حسد، بغض، عداوت، غیظ و غضب) یہ کیا عجیب اور نرالا معقول منطق ہے۔ فیصلہ آپ پر ہے ؎

یہاں تک آپ کی تنظیم کر دی　　　اب آگے آپ کے اعمال جانیں

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ | اہل بدعت حضرات کا ایک اصل مغالطہ ہے جس میں وہ سب کے سب گرفتار ہیں۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں وہ مغالطہ یہ ہے کہ اذان میں ذکر اللہ، تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس بنیاد کی کوئی منع نہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں، ان میں کمی نہ کرے۔ اگر کچھ بڑھا دے تو جائز ہے (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔ للہذا یہ سنت سے ثابت ہے (بلفظہ جاء الحق ص ۳۰۸)

جواب: یہ استدلال بھی سراسر مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ پوری تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سب منافع اور فوائد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام وغیرہم کو معلوم تھے مگر انہوں نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ بھی قبر پر اذان نہیں دی۔ جب سنت تارکہ کے مقابلہ میں ایسے خود ساختہ عقلی دلائل ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ وہ عقلیات جو شریعت کے معیار اور میزان پر پورے نہ اترتے ہوں قابل اعتماد و عمل و اعتبار نہیں تو ایسا

حاکم ج ۱ ص۴۵۰ میں مع علی شرط الشیخین اور اس کے تحت میں موارد الظمآن ص۲۲۲) یہ روایت آتی ہے کہ وہ زیادت کو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو زیلعی ج ۲ ص۴۵ وغیرہ) الغرض جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ تلبیہ میں زیادت کیا کرتے تھے۔ مگر یہ زیادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی اور تقریری احادیث سے ثابت تھی۔ اس پر مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کا قیاس کتنا سراسر باطل اور مردود ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی ایسی صحیح اور صریح دلیل موجود نہیں جس سے قبر پر اذان کا جواز ثابت ہوسکے، چہ جائیکہ وہ فرض و سنت ہو۔ اور عرض کیا جا چکا ہے کہ جواز اور اباحت بھی حکم شرعی ہے اور وہ بھی صرف شارع سے ثابت ہوگا اور بس۔

الغرض اذان علی القبر اس وجہ سے کہ وہ دین الٰہی میں ایک قسم کا اضافہ ہے، اس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا، صحابہ کرام نے اس کو کیا، نیز اس وجہ سے کہ اس میں حدود اللہ سے تعدی ہے وہ بدعت ضلالت، اور قانون شریعت سے بغاوت ہے۔

یہاں تک جو بحث کی گئی وہ صرف اصولی تھی مزید اطمینان کے لئے فقہ کی بعض متداول کتابوں سے بھی چند تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں۔

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة (شامی ص ۱۰۹ ج ۱)

اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے مسنون نہیں ہے اور ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ وہ بدعت ہے۔

اور البحار میں ہے

من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر بعد الدفن۔

ان بدعات میں سے جو (بعض) بلاد ہند میں شائع ہو گئی ہے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔

اور توشیح شرح تنقیح المحمود البلخی میں بھی اذان کے متعلق لکھا ہے لیس بشیء کہ وہ کوئی چیز نہیں۔

اور امام ابن ہمام اپنی بے نظیر تالیف "فتح القدیر" شرح ہدایہ الکتاب الجنائز میں اعلام فرماتے ہیں۔

ویکرہ عند القبر کل ما لم یعہد من السنۃ والمعہود منہا لیس الا زیارتہا والدعاء عندہا قائما (فتح القدیر مطبوعہ مصر ص ۱۰۲ ، جلد ۲)

اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو اور ثابت من السنۃ صرف قبروں کی زیارت ہے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا

اور بعینہ یہی عبارت بحر الرائق ص ۱۹۶ ج ۲ اور رد المختار ص ۲۳۶ ج ۱ اور فتاویٰ ہندیہ (ص ۱۰۷، جلد ۱) پر بھی ہے۔ اس سے بھی صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ "اذان قبر" بلکہ اس قسم کے تمام وہ مراسم جو سنت سے ثابت نہیں قبر کے پاس مکروہ ہیں۔

استاذ الآفاق حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مائۃ مسائل میں "اذان قبر" ہی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے متعدد بالا عبارت نقل کی تھی اور اس سے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ "اذان قبر" نادرست ہے۔ مولوی احمد رضا خانصاحب نے "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اس پر لکھا کہ۔

امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاویٰ عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت سے ثابت ہے۔ اور براہ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعاؤں سے ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا۔ تو وہ بھی اسی سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی

(انتہیٰ بقدر الحاجۃ)

فی الحقیقت یہ فاضل بریلوی کا مجردانہ مغالطہ ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ دعا قرآن و حدیث میں اگرچہ کہیں کہیں عبادت، ذکر اللہ، حمد وغیرہ بعض معانی میں بھی مستعمل ہے۔ کما فی المفردات للامام

الراغب) لیکن عرف میں دعاء کے لیے طلب اور سوال ضروری ہے اور جو ذکر طلب وسوال سے خالی ہو اس کو اہل عرف "دعاء" نہیں کہتے۔ کما لا یخفی۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ کوئی قرآنی آیت یا حدیث نبوی نہیں ہے، بلکہ ایک مصنف کی عبارت ہے۔ اس میں جو دعاء کا لفظ ہے، اس سے وہی چیز مراد ہوگی جس کو عرف میں "دعا" کہتے ہیں، اور اذان ہرگز اس کا فرد نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان دے رہا ہو تو عرف میں کوئی نہیں کہتا کہ یہ "دعا" ہو رہی ہے۔"

بہر حال "فتح" اور "بحر" وغیرہ کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ دعا سے مطلق ذکر اللہ مراد لینا اور پھر اس کو اذان پر منطبق کرنا فاضل بریلوی کا افسوسناک مغالطہ یا قلت تدبر کا حیرتناک مظاہرہ ہے، علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عرف میں ذکر اور دعاء غیر غیر ہیں۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبی فرماتے ہیں:

ھو فی العرف غیر الدعاء (الاعتصام ص ۲۸۸ ج ۲)

ذکر عرف میں دعاء کے بغیر ہے۔

علاوہ ازیں "فتح القدیر" وغیرہ کی پوری عبارت اس موقع پر اس طرح ہے:

"والمعهود منها لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائما کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسأل اللہ لی ولکم العافیة" (فتح القدیر جلد ۲، ص ۱۴۲)

اور سنت سے ثابت صرف قبور کی زیارت اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع جاتے میں کیا کرتے تھے اور وہاں فرمایا کرتے تھے "سلامتی ہو تم پر ایمان والوں کی اس بستی کے بسنے والو، اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں اپنی اور تمہارے

لیے اللہ سے عافیت کی دعا کرتا ہوں"

اس پوری عبارت سے یہ چیز بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں "دعا" سے مطلق ذکر مراد نہیں ہے بلکہ وہی مراد ہے جس کو عرف میں دعا کہتے ہیں، اور وہی سنت سے ثابت ہے۔

الغرض فتح القدیر بحرالرائق، شامی اور عالمگیریہ کی مندرجہ بالا عبارت کی دلالت "اذان قبر" کے ممنوع اور نادرست ہونے پر نہایت صاف اور واضح ہے اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب پر فاضل بریلوی کا اعتراض محض مغالطہ ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ نفس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ اس کے بعد ہم ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس اذان کے ثبوت کے لیے فاضل بریلوی نے اپنے مایہ ناز رسالہ "ایذان الاجر" میں لکھے ہیں۔

"والمسئول من اللہ تعالیٰ توفیق الصدق والصواب"۔

فاضل بریلوی کا ایک مغالطہ عامۃ الورود

اور اس کے تین جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے پہلی بات اس موقع پر یہ لکھی ہے کہ چونکہ اذان قبر سے شریعت مطہرہ میں منع نہیں فرمایا گیا۔ لہٰذا وہ جائز ہے اور یہ اسی مسئلہ کے ساتھ خاص

۱۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دعا سے یہاں ذکر ہی مراد ہے، تب بھی اس سے اسی قسم کے اذکار مراد ہوں گے جو معہود من السنۃ ہیں اور اذان یقیناً ان میں سے نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اذان چونکہ کچھ اوصاف مخصوصہ کی حامل ہے اس لیے مطلق ذکر کے عام احکام جاریہ بھی نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی۔

امام ابو اسحاق شاطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فاذا ندب الشرع مثلا الی ذکر اللہ فالتزم

مثلاً شریعت نے ذکر اللہ کی ترغیب دی ہے لیکن اگر کوئی جماعت

نہیں بلکہ گویا یہ خاں صاحب کا مغالطہ عامۃ الورود ہے جس کو انہوں نے اس قسم کی تمام بدعات مروجہ فاتحہ، مروجہ میلاد، قیام میلاد، عرس وغیرہ کے جواز کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان تمام بدعات کے لیے ان کے پاس پہلا برہان یہی ہے کہ چونکہ ان امور سے شریعت میں ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ تمام چیزیں مباح ہیں کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

پہلا جواب: اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اباحت اصلیہ کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس میں خود کافی اختلاف ہے کہ آیا اصل اشیاء میں حرمت ہے یا توقف، یا اباحت، اور محققین احناف زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ اصل اشیاء میں توقف ہے۔

در مختار، کتاب الجہاد باب استیلاء الکفار میں ہے۔

تدوم الاجتماع علیہ علی لسان واحد وبصوت واحد او فی وقت معلوم مخصوص من سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع ما یدل علی هذا التخصیص (الاعتصام ص: ۲۰ ، ۵ ۱)

کسی خاص وقت میں جمع ہو کر یک زبان اور یک آواز ذکر کرنے کا التزام کرنے تو وہ اس عام ترغیب شرعی کے ماتحت نہ ہوگا۔ (ملخصاً)

اس سے ظاہر ہے کہ احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات درست نہیں۔ پس اگر مان بھی لیا جائے کہ فتح وغیرہ کی مذکورہ بالا عبارات میں دعا سے ذکر ہی مراد ہے جب بھی اس سے خاص اذان ثابت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ بریں یہی فاضل بریلوی جو یہاں دعا سے ذکر مراد لے کر اور پھر اذان قبر کو ذکر قرار دے کر فرد سنت بتلا رہے ہیں خود تصریح فرماتے ہیں کہ اذان خالص ذکر نہیں۔ اور وہ حاضری دربار کی پکار ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۴۰۰ پر اذان کے متعلق فرماتے ہیں
"یہ تو خالص ذکر بھی نہیں۔"
پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں کہ "اذان حاضری دربار کا پکارنے کو ہے۔" (ملخصاً)

الصحیح من مذھب اھل السنة من ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزلة ۔ (در مختار جلد ۴ ص ۱۹)

اہل سنت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت معتزلہ کا خیال ہے۔

اور اسی در مختار کتاب الوضوء میں ہے

واوردعلیه فی البحر المباح بناء علی ما هو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف (در مختار جلد ۱ ص ۱۰۵)

مذہب منصور یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے ۔ (ملخصا)

اور طوالع الانوار حاشیہ در مختار میں اس موقع پر ہے ۔

وهذا الایراد بناء علی ما هو المنصور ای المؤید بالادلة القویة من ان الاصل فی الاشیاء التوقف ۔

مذہب منصور یعنی وہ مسلک جس کی تائید ادلہ قویہ سے ہوتی ہے ۔ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے ۔ (ملخصا)

اور یہی مضمون اس موقع پر طحطاوی حاشیہ در مختار میں بھی ہے ۔ اور تعلیقات شرح منار للمصنف میں ہے۔

قوله قال اصحابنا الاصل فیها التوقف الخ هذا اصح شیئ عندی فی هذا الباب لان التوقف اصل التقوی فی الامور المسکوت عنه و هو مذهب ابی بکر و عمر و عثمان واشباههم من الصحابة رضی الله عنهم ۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء میں توقف ہے ۔ اور اس باب میں میرے نزدیک یہی صحیح ترین چیز ہے ۔ کیونکہ جس چیز کے بارہ میں شریعت کی طرف سے سکوت ہو اس میں توقف ہی اصل تقویٰ ہے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور ان جیسے دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے ۔

یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے انہی نقول پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ دیگر کتب اصول
وکتب فقہ سے بھی اس مضمون کی سینکڑوں عبارات نقل کی جاسکتی ہیں کہ اس باب میں
مذہب منصور توقف ہی ہے اور اباحت کا خیال مرجوح ہے اور کم از کم اس چیز
سے تو کسی کو بھی انکار کی جرات نہیں ہو سکتی کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پس ایسی صورت
میں کیونکر اس سے استناد درست ہو سکتا ہے۔ اور جب کہ اصل ہی مسلم اور ثابت نہیں
ہے تو اس پر فروع کی بنیاد کس طرح رکھی جاسکتی ہے۔

۳۵

دوسرا جواب:۔ علاوہ ازیں اباحت اصلیہ ... کے اصول کو اذان قبر یا اور ایسی
بدعات میں جاری کرنا جو عبادت کی حیثیت رکھتی ہیں محض مغالطہ اور خالص سفسطہ
ہے کیونکہ اصل فی الاشیاء کا مسئلہ عبادات کے لئے نہیں ہے، ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے
کہ ہر شخص کو نئی عبادتوں کے ایجاد کا حق ہوگا اور وہ خود ایجاد عبادتیں بھی اس اصول پر
جائز اور درست ٹھہریں گی۔ مثلاً فرض کیجئے کہ خانصاحب بریلوی جیسا کوئی بدعت پسند
پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع
اور چار چار سجدے رکھے تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے اس ایجاد نماز کو بھی
جائز کہا جائے گا۔ الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادات میں جاری کرنا محض جہالت
ہے۔ بعض علماء متقدمین نے بھی اس کی تصریح فرمادی ہے کہ "اصل فی الاشیاء" کے
بارے میں جو اختلاف ہے وہ صرف امور عادیہ میں ہے نہ کہ امور تعبدیہ میں چنانچہ امام
ابو اسحاق شاطبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ولا یصح ان یقال فیما فیہ تعبدات انہ مختلف فیہ علی قولین ھل
ھو علی المنع ام ھو علی الاباحۃ بل ھو امر زائد علی المنع لان
التعبدیات انما وضعھا الشارع فلا یقال فی صلوٰۃ سادسۃ
مثلا انھا علی الاباحۃ فللمکلف وضعھا علی احد القولین
لیتعبد بھا للہ لانہ باطل بالاطلاق۔ (الاعتصام ص ۳۰۱ ج ۱)

امور تعبدیہ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کے بارے میں بھی اختلاف

ہے کہ آیا یہ ممنوع الاصل ہیں یا مباح الاصل؟ بالفرض وہ اس اختلاف کے ماتحت نہیں ہیں کیونکہ امور تعبدیہ کو تو شارع ہی نے مقرر کیا ہے فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص عبادتی نماز ایجاد کرے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اباحت اصلیہ کے قول کی بنا پر یہ مباح ہے اور مکلف کو اس کی ایجاد کا حق ہے کیونکہ یہ مطلق باطل ہے۔ (ملخصا)

بہر حال وہ اباحت اصلیہ کے جو لوگ قائل بھی ہیں ان کے نزدیک بھی عبادات کیلئے یہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف ان امور کے لیے ہے جو تعبدی نہ ہوں پس اذان قبر وغیرہ بدعات سے اس مسئلہ کو کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

تیسرا جواب:۔ اور اگر اس ساری بحث سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہاں اباحت اصلیہ سے فاضل بریلوی کا استناد صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس اذان کو صرف جائز اور مباح ہی نہیں کہتے ہیں، بلکہ مستحب اور قریب سنت ہونے کے مدعی ہیں چنانچہ اسی رسالہ "ایذان الاجر" ص ۱۲ کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں

ان دلائل جلائل نے کالشمس فی وسط السماء واضح کر دیا کہ اس اذان کا جواز بلکہ استحباب یقینی بلکہ بہ نظر عمومات شرع بوجوہ کثیرہ قریب سنت ہے۔"

پس جب کہ فاضل بریلوی کے نزدیک اس اذان کا استحباب بلکہ قریب سنت ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے تو پھر اباحت اصلیہ کا اصول کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے تحت میں صرف وہی امور آ سکتے ہیں جن کے متعلق شریعت میں کوئی حکم نہ ہو۔ بہر حال "اذان قبر" اور اس قسم کی دوسری بدعات کا جواز ثابت کرنے کے لیے "اباحت اصلیہ" کے اصول سے فاضل بریلوی کا استناد بوجوہ مذکورہ بالا محض غلط اور خالص مجددانہ مغالطہ ہے۔

فاضل بریلوی کی پہلی دلیل اور اس کا جواب

اباحت اصلیہ کے مغالطہ عامۃ الورود کے ذکر کے بعد فاضل موصوف نے پہلی

دلیل یہ پیش کی ہے

"وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوال نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم وہاں مخل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے تو یہ اذان (یعنی اذان قبر) خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال۔" (ایذان الاجر ص ۲۰۳ ملخصا بلفظہ)

اس دلیل کی بنیاد دو مقدموں پر ہے۔ ایک یہ کہ دفن میت کے بعد قبر میں بھی شیطان مخل انداز ہوتا اور سوال نکیرین کے جواب میں بہکایا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔

ہم کو ان دونوں مقدموں کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے پہلے مقدمے کے ثبوت میں فاضل بریلوی نے نوادر الاصول کے حوالے سے حضرت سفیان ثوریؒ کا جو ایک قول بلا سند کے نقل کیا ہے وہ محض ناکافی بلکہ ناقابل توجہ ہے جب تک کہ اس کی سند پیش کی جائے اور اس کا قابل اعتبار و لائق احتجاج ہونا ثابت کیا جائے کیونکہ نوادر الاصول ان کتابوں میں سے ہے جن میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات موجود ہیں۔ پس کسی روایت کا صرف اس کے حوالے سے نقل کر دینا اس کی حجیت کے لئے یا نقل ناکافی ہے

علاوہ ازیں اس روایت میں اس کا کوئی خفیف سا بھی اشارہ نہیں کہ یہ امر (یعنی قبر میں شیطان کا میت کو بہکانا) ان کو کسی نص سے معلوم ہوا ہے۔ بلکہ ان کے آخری الفاظ "فلهذا امر بسوال التثبت له حين يسئل" صاف اس طرف مشیر ہیں کہ یہ بات انہوں نے اس حدیث سے سمجھی ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ بعد دفن کے میت کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے نکیرین کے سوالات ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ہرگز اس کا پتا نہیں چلتا کہ وہاں شیطان بھی اس وقت آتا ہے کیونکہ ثابت قدمی کی دعا کے لیے شیطانی اثر کا احتمال بھی ضروری نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خود اپنے لیے ثابت قدمی کی دعا بکثرت ثابت ہے حالانکہ

آپ کے متعلق دخل شیطان کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

الغرض یہ محض استنباط ہے اور وہ بھی نہایت کمزور بنیاد پر، علاوہ بریں یہ چیز قواعد شرعیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ شرعی اصول اس کو چاہتے ہیں کہ انسان پر شیطان کا تسلط صرف موت تک ہو نہ کہ بعد موت کے، لہٰذا اس لیے بھی یہ روایت قابل رد ہے اور اس کی نسبت سفیان ثوریؒ کی طرف ناقابل تسلیم۔ والعلم عند اللّٰہ العلیم الحکیم۔

علی ہذا بعض صحابہ کرام سے بعض روایات کے اندر بعد دفن کی دعاؤں میں جو اللھم اعذہ من الشیطان الرجیم یا "من شر الشیطان الرجیم" وارد ہوا ہے، اس سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت وہاں قبر میں شیطان موجود ہوتا ہے، بلکہ قواعد شرعیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ ان دعاؤں میں اغواء شیطان کے اس اثر بد سے پناہ مانگی جا رہی ہے جو حیاۃ دنیا میں پڑ چکا تھا اور جس کا بدلہ ملنے کا اب وقت شروع ہوا ہے۔

علاوہ ازیں شیطان سے یا شر شیطان سے پناہ مانگنے کے لیے یہ ضروری ہی نہیں کہ وہاں شیطان یا اس کا اثر بالفعل موجود ہی ہو۔ یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیطان اور شر شیطان سے ہمیشہ کے لیے محفوظ تھے۔ بایں ہمہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے شیطان اور شر شیطان سے پناہ مانگی تو کیا نعوذ باللّٰہ یہ کہا جائے گا کہ اس وقت آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر شیطان کا اثر ہو گیا تھا۔ معاذ اللّٰہ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔

بہرحال ان روایات سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دفن کے بعد قبر میں شیطان اغواء واضلال کے لیے آتا ہے، پس فاضل بریلوی کا پہلا مقدمہ محض بے بنیاد ہے۔

فاضل موصوف نے اپنی دلیل کے دوسرے مقدمہ کے ثبوت میں صحیحین کی اس حدیث کو پیش کیا ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو شیطان گوز زناں دور بھاگتا ہے، اس کے متعلق یہی گزارش کافی ہے کہ یہ اثر حدیث شریف میں نماز کی اذان

کا بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں اذا اذن المؤذن اور "ان الشیطان اذا سمع النداء بالصلوٰۃ" کے الفاظ اس پر صریح دال ہیں۔ اور جس روایت میں قید مذکور نہ ہو وہ بھی بقاعدہ محدثین اسی مقید پر محمول ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ جب مؤذن نماز کے لیے اذان کہتا ہے تو شیطان گوز زناں اتنی دور تک بھاگ چلا جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ آئے، پھر جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو فوراً واپس آ جاتا ہے پھر جب اقامت شروع ہوتی ہے تو اسی طرح دور بھاگتا ہے۔ اور جب اقامت ختم ہو جاتی ہے جو نماز شروع ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے یہاں تک کہ نماز میں خلل انداز ہوتا ہے۔

اس پوری روایت سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں نماز کی اذان کا یہ اثر بتلایا گیا ہے۔ مگر ہر اس اذان کا جس کو یار لوگ خود ایجاد کر لیں اور اوسط طبرانی کی جس حدیث کا فاضل بریلوی نے اس موقعہ پر حوالہ دیا ہے چونکہ اس کے اصل الفاظ ایک خاص وجہ سے انہوں نے نقل نہیں کیے ہیں اس لیے ہم بھی اس کے متعلق یہاں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے اور صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ ہاں محل تائید و تشنیہ میں پیش کی جا سکتی ہے اور جب صحیح وغیرہ کی روایت سے استدلال صحیح نہیں رہا تو اب محض اس روایت سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔

اگر فاضل بریلوی کے کسی لائق جانشین کی سمجھ میں بھی ہمارا یہ مختصر جواب نہ آئے تو وہ اصل روایت معہ سند کے پیش کریں۔ اس کے بعد ہم انشاء اللہ اس اجمال کی تفصیل بھی کر دیں گے۔

یہ تو خانصاحب کی دلیل کے دونوں مقدموں پر ایک سرسری نظر تھی۔

فریق مخالف سے چند سوال:۔ اس کے بعد عرض کرتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ دونوں مقدمے تسلیم بھی کر لیے جائیں اور یہ مان بھی لیا جائے کہ واقعی شیطان بعد دفن کے قبر میں آتا ہے اور نکیرین کے جواب میں بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور میت رضوا نکیروہا اس کے بہکانے میں آ بھی سکتا ہے۔ اور اذان دینے سے وہ فوراً بھاگ جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ نبی کریم بالمؤمنین رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنی امت

مرحوم کو یہ جادو اثر نسخہ (اذان قبر) کیوں نہیں بتلایا؟ اور کیوں نہیں مدۃ العمر میں کبھی ایک دفعہ بھی کسی شخص کی قبر پر اذان دلوا کر وہاں سے شیطان کو بھگایا اور صحابہ کرام بھی اس نسخہ عجیب کو کیوں نہ معلوم کر سکے؟ اور کیوں نہ تابعین و ائمہ مجتہدین نے کبھی اس پر عمل کیا؟ فی الحقیقت ایسے ہی بدعت پسندوں کے حق میں فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

لقد هديتم لما لم يهتد له نبيكم وانكم لتمسكون بذنب ضلالة

(یعنی) تم کو وہ راستہ مل گیا ہے جو تمہارے پیغمبر کو بھی نہیں ملا تھا؟ فی الحقیقت تم گمراہی کی دم پکڑے ہوئے ہو۔

آج فاضل بریلوی اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اس لیے ان کی بجائے ان کے جانشینوں سے ہمارا یہ سوال ہے اور اسی کے ساتھ تین سوال اور بھی حاضر ہیں

(۱) صحیحین کی جس روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ جیسے ہی اذان ختم ہوتی ہے وہ فوراً پھر واپس آجاتا ہے یہاں تک کہ نماز میں خلل انداز ہوتا ہے پس اگر آپ حضرات کا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ قبر میں بھی آتا ہے اور اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے تو ظاہر ہی ہے کہ آپ کی اذان کے ختم پر وہ پھر وہاں وارد ہو جاتا ہوگا۔ اور پھر خلل انداز ہوتا ہوگا پس ایسی صورت میں محض ایک بارگی اذان کیونکر کافی ہوگی۔ اور اگر فاضل بریلوی سے اس بارے میں غفلت ہو گئی ہے تو کیا اب آپ حضرات دس بیس یا اس سے زیادہ مرتبہ قبر پر اذان دینے کا حکم صادر فرما کر فاضل موصوف کے اس سہو و نسیان کی تلافی فرمائیں گے؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ تو اور الاصول جیسی کتاب ہی میں نہیں بلکہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی کے پاس جانے کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے

بسم اللہ اللھم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا الخ۔

اور اس حدیث کی شرح کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے۔

ان الذی یجامع ولا یسمی یلتف الشیطان علی احلیلہ" الخ

(فتح الباری ص ۱۲ اجزاء ۱)

اس سے صاف ثابت ہے کہ مجامعت کے وقت بھی شیطان خلل اندازی کے لیے انسان کے پاس آتا ہے اور یہ چیز کسی قاعدہ شرعیہ کے مخالف بھی نہیں ہے تو کیا آپ حضرات کے نزدیک شیطان کو بھگانے کے لیے اس موقعہ پر اذان دینا بھی مستحب اور فروسنت ہے؟ اور کیا اس پر آپ حضرات عمل فرماتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ وجہ فرق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۳) سنن ابی داؤد میں مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ان ھذہ الحشوش محتضرۃ الحدیث" یعنی قضائے حاجت کے ان مقامات پر شیاطین موجود رہتے ہیں پس جب تم میں سے کوئی پاخانے جائے تو یہ دعا کر لیا کرے "اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث ..."

اس حدیث صحیح صریح سے معلوم ہوا کہ پاخانوں میں شیاطین موجود رہتے ہیں تو کیا آپ حضرات کے نزدیک پاخانہ جاتے وقت بھی اذان پکارنا مستحب اور سنت ہے۔ اگر نہیں تو کیوں؟ وجہ فرق کیا ہے؟ بینوا توجروا!!

فاضل بریلوی کا دوسرا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا دوسرا استدلال حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن کیے جا چکے اور قبر درست کر دی گئی تو دیر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور آپ کے صحابہ کرامؓ بھی برابر اسی طرح کہتے رہے پھر حضورؐ نے فرمایا "اللہ اکبر" اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی کہا اس کے بعد صحابہ نے عرض کیا، حضرت! آپ نے کس

واسطے سبحان اللہ سبحان اللہ کہا تھا، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ تکلیف دور کر دی۔" فاضل بریلوی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لیے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تسبیح و تکبیر اس لیے پڑھی تھی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو جائے بلکہ احتمال اور قوی احتمال ہے کہ آپ نے اس ہیبت ناک منظر اور خداوند قہار کے اس جلال نمونے کو دیکھ کر از راہ تعجب و استغراب یا اتعاظ و اعتبار کے طور پر سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا ہو جیسا کہ ایسے مواقع پر ہر صاحب عرفان کی کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرقاۃ میں اسی کو اختیار کیا ہے وہ "سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

وکل التسبیح کان للتعجب او للتنزیہ لہ دلالۃ تنزیہہ تعالیٰ عن ان یظلم احدًا

اور یہ ساری تسبیح اظہار تعجب تھی یا تنزیہ کے واسطے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس بات سے پاکی بیان کرنی مقصود تھی کہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہو۔

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے قریب قریب یہی مضمون کچھ مزید تفصیل و تشریح کے ساتھ حافظ ابن حجرؒ سے بھی نقل کیا ہے۔

بہرحال قرین قیاس یہی ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تسبیح و تکبیر کا صدور ہوا وہ تعجب و استغراب یا تذکر و اعتبار کے جذبہ کے ماتحت ہوا اور اس کا تعلق اس ہیبت ناک منظر سے تھا جو آپ نے مشاہدہ فرمایا اس کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ تسبیح

وتکبیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اسی ایک موقع پر یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر ثابت ہے لیکن اگر یہ چیز اس غرض کے واسطے سے ہوتی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہو تو یہ اسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوتی بلکہ ہر قبر پر آپ کا یہ عمل ہوتا کیونکہ اس خاص وقت میں ہر میت خدا کی رحمت کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوتا ہے لیکن سیرت نبویہ کے تتبع سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس موقع کے سوا کہیں اور بھی آپ نے ایسا کیا ہو بلکہ آپ کی عام عادت دفن کے بعد استغفار ودعا کی تھی اور اسی کی آپ نے امت کو تعلیم بھی دی ہے۔

بہر حال اس پہلو پر غور کرنے سے یہ چیز متعین ہو جاتی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر بعد دفن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا تعجب واستغراب اور تذکر واعتبار کی بنا پر تھا نہ کہ دفع عذاب اور انزال رحمت کی نیت سے اس تحقیق کے بعد اس حدیث سے فاضل بریلوی کا استدلال صحیح نہیں رہا کیونکہ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تسبیح وتکبیر عالم غیب کے ایک خاص ہیبت ناک امر کے مشاہدہ کی وجہ سے تھی اور حضور کے جن افعال کا تعلق اس قسم کے احوال مخصوصہ سے ہو وہ انہیں مواقع کے لیے مخصوص ہوتے ہیں جس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ نماز ہی کی حالت میں چند قدم آگے بڑھ گئے، اور آپ نے دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور اس کے آتشیں شراروں کو دیکھ کر اس نماز کی حالت میں آپ چند قدم پیچھے ہٹ گئے لیکن چونکہ آپ کا یہ فعل ایک خاص غیبی مشاہدہ پر مبنی تھا اس لیے کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ نماز کسوف میں اس طرح آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا امت کے لیے سنت یا مستحب یا جائز ہی ہے، اسی طرح چونکہ حضرت سعدؓ کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا ایک خاص غیبی امر یعنی ضغطہ قبر کے مشاہدہ کی وجہ سے تھا۔ اس لیے ہمارے لیے وہ قابل عمل نہ ہوگا۔

اور قطع نظر اس سے حدیث میں تسبیح کے ساتھ طویلاً کا لفظ وارد ہوا ہے مگر تکبیر

کے ساتھ اس قسم کا کوئی لفظ وارد نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ سبحان اللہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک فرمایا لیکن اللہ اکبر ایک دو مرتبہ فرمایا، اور علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر حضرت سعد کی تکلیف دور ہو جانے کے بعد کہا'' اور یہی انہوں نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔ پس ان چیزوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد تو اس حدیث میں فاضل بریلوی کے استدلال کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

كما لا يخفى على المتبصر المتيقظ۔

اور اگر اس ساری بحث کو تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز بھی کر دیا جائے اور فاضل بریلوی کے اس بے بنیاد خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ تسبیح و تکبیرات (یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر) آسانی کے لیے تھی اور اذان سے یہ مقصد آپ کے نزدیک بوجہ اتم اور مع شئ زائد، حاصل ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معاذ اللہ معلوم نہ تھی یا آپ اس وقت اس کو بھول گئے تھے؟ آخر آپ نے وہاں اذان کیوں نہ پکاری؟ یا کیوں کسی صحابی کو حکم نہ دیا کہ تم اذان پڑھ دو، کہ اس مرد مومن کی تکلیف دور ہو جائے اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور (بقول شما) اس غرض کے لیے آپ نے چند بار صرف سبحان اللہ اور اللہ اکبر فرمایا۔ تو آپ اسی کو کیوں نہیں کافی اور بہتر سمجھتے؟ اور کیوں اسی پر عمل نہیں کرتے؟ آپ کو اس سے الگ کسی چیز (یعنی اذان) کے ایجاد کرنے اور اس کو رواج دینے کا کیا حق ہے؟

فاضل بریلوی کا تیسرا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا تیسرا استدلال حدیث تلقین "لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ" سے ہے اور استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں مردوں کو کلمہ پاک سکھانے کا حکم ہے تاکہ نکیرین کے سوالات کے جواب میں جھک نہ جائیں اور چونکہ اذان میں بھی کلمہ پاک تین جگہ ہے بلکہ اس کے تمام کلمات نکیرین کے تینوں سوالوں کا جواب بتلا دیتے ہیں لہٰذا بعد

دفن اذان دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل ہے۔

اس کے جواب میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں لفظ "موتاکم" سے "قریب المرگ" مردے ہیں جو حالت نزع میں ہوں اور انہی کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہو اور خدا توفیق دے تو آخر کلام پاک بھی کلمہ "لا الہ الا اللہ" ہو۔ اس صورت میں اس مسئلہ کو اذان قبر سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا۔ لیکن اگر اس لفظ سے "حقیقی مردے" مراد لیے جائیں۔ اور اس تلقین کو تلقین علی القبر پر محمول کیا جائے جیسا کہ امام شوافع اور بعض حنفیہ کا بھی خیال ہے اور مسئلہ سماع اموات میں بھی جمہور حنفیہ کے نزدیک قطع نظر کر لیا جائے جب بھی اس سے اذان قبر کسی طرح ثابت نہیں ہو جاتی جس معصوم وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین یہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم دی ہے وہ بھی اس بات سے باخبر تھے کہ اذان میں یہ کلمہ تین بار ہے۔ نیز یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ اذان میں اس کلمہ کے علاوہ رسالت کی شہادت اور نماز کی ترغیب بھی ہے اور اس سے مردہ کو نکیرین کے تینوں سوالوں کے جواب میں مدد مل سکتی ہے۔ بجز این ہمہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ قبر پر اذان کہا کرو۔ بلکہ صرف یہ فرمایا "لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ" تو اب کسی کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے۔ اور جو شخص آپ کے تعلیم کردہ طریق تلقین کے علاوہ اس غرض کے لیے اب اذان کو تجویز کرتا ہے۔ تو گویا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم موجودہ شریعت پر استدراک کرتا ہے۔ حالانکہ آپ کی شریعت وہ مکمل شریعت ہے جس نے پہلی آسمانی شریعتوں پر بھی خط نسخ کھینچ دیا ہے۔

فاضل بریلوی کا چوتھا استدلال اور اس کا جواب

فاضل بریلوی کا چوتھا استدلال ان روایات سے ہے جن میں وارد ہوا ہے کہ آگ دیکھو تو اللہ اکبر کہو۔ اور استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں بھی آگ کا عذاب ہوتا ہے اور اذان میں کلمہ اللہ اکبر چھ مرتبہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس آتش عذاب اور غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وہاں اذان دینا بھی فرد سنت ہوگا (ملخصاً)

اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر عرض کیا جا چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ اللہ اکبر کی اس تاثیر سے واقف تھے اور یہ بھی آپ کو معلوم تھا کہ اذان میں یہ کلمہ چھ دفعہ ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کلمات طیبہ بھی اس میں ہیں، لیکن با ایں ہمہ عذاب قبر ٹھنڈا کرنے کے لیے نہ کبھی کسی قبر پر خود اذان دی، نہ دلوائی نہ اس کا حکم صادر فرمایا، تو اب کسی دوسرے کو اس وضع و ایجاد کا حق نہیں پہنچتا۔

صحابی رسول فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث و ایجاد کا دروازہ بند کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم (رواہ ابن وضاح کما فی الاعتصام)

تم ہمارے نقوش قدم کی پیروی کرو اور نئی باتیں ایجاد کرو کیونکہ تمہارا دین مکمل کیا گیا ہے۔

فاضل بریلوی کے پانچویں اور چھٹے استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا پانچواں استدلال ان روایات سے ہے جن میں بعد دفن کی دعا کی میں " اللھم اجرھا من الشیطان " اور " اللھم اعذہ من الشیطان " اور اسی قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا جواب ہم پہلی دلیل کے جواب کے ذیل میں بہ تفصیل عرض کر چکے ہیں اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

چھٹا استدلال: فاضل موصوف کا یہ ہے کہ دفن کے بعد میت کے لیے قبر پر دعا کرنا احادیث سے ثابت و سنت ہے، اور چونکہ اذان بھی ایک ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے لہٰذا اذان بھی دعا ہونے کی حیثیت سے اسی سنت کا ایک فرد ہے۔"

فاضل موصوف کے اس تجدد انہ مغالطہ کا جواب بھی پہلی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ وہاں جو سنت ہے وہ دعا بالمعنی المعروف ہے نہ کہ دعا بمعنی مطلق ذکر اور یہ بات خود ان دونوں حدیثوں سے بھی ظاہر ہے جو فاضل موصوف

نے اس موقعہ پر دعا کی سنت ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں استغفار اور دعاء عرفی ہی کا ذکر ہے بہرحال چونکہ خانصاحب کے اس مغالطہ کی حقیقت ہم اس سے پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

فاضل بریلوی کے ساتویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا ساتواں استدلال یہ ہے کہ دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نیک عمل کر لیا جائے اور اذان بھی ایک عمل صالح ہے۔ لہٰذا دفن کے بعد میت کے لیے دعا کرنے سے پہلے اذان پڑھ لینا مطابق مقصود اور سنت ہوگا۔

اس کے جواب میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ اگر اذان اس واسطے دی جاتی ہے تو پھر تو اس موقع پر نماز اس سے بہتر ہے کیونکہ وہ افضل العبادات ہے اور قطع نظر اس سے سوال یہ ہے کہ اذان ہی کی تخصیص اس کام کے لیے کیوں کی گئی؟ اور اس تخصیص کا حق آپ کو کہاں سے حاصل ہوا؟ مطلق کو اس طرح مقید کر دینا اور عمومات کو اس طرح سے خصوص کے قالب میں ڈھال دینا ہی تو احداث فی الدین اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے امام ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں۔

فالتقييد في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأى في التشريع۔ ان مطلقات کو مقید کرنا کہ جن کی تقیید شریعت سے ثابت نہیں، شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔

قطع نظر اس سب سے یہ کس نے کہا کہ اذان قبر، عمل صالح ہے وہ تو بدعت ہونے کی وجہ سے خالص معصیت ہے۔ قال النبي صلى الله عليه وسلم كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار

فاضل بریلوی کے آٹھویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا آٹھواں استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وارد ہوا ہے کہ "اذان کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔" استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جونکہ اذان کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے اس لیے میت کے لیے دعاء کرنے سے پہلے اذان کہہ لینا بہتر ہوگا۔

فی الحقیقت یہ بھی فاضل موصوف کا نہایت عیارانہ مغالطہ ہے، حضرت سہل بن سعد ساعدی اور حضرت ابوامامہ باہلی اور حضرت انس رضی اللہ عنہم بن مالک کی جو تین حدیثیں خانصاحب نے اس موقعہ پر نقل کی ہیں ان سب میں "اذان نماز" کا ذکر ہے جو معہود فی الشریعت ہے، نہ کہ اذان قبر کا جو محدث اور بدعت ہے، اور نہ مطلق الفاظ اذان کا خواہ وہ کسی وقت اور کسی موقع پر ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ کسی صحابی اور حتی کہ کسی تابعی سے بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی موقعہ پر بغرض قبولیت دعاء کے لیے مستقل طور پر دعاء سے پہلے اذان پکاری ہو۔ (ردمن ادعی نعلیہ البیان)

فاضل بریلوی کے نویں استدلال کا جواب

فاضل بریلوی کا استدلال نہم ان احادیث سے ہے جن میں وارد ہوا ہے کہ مؤذن کے لیے اذان باعث مغفرت ہے۔ استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن مغفور ہے اور مغفور کی دعاء زیادہ قابل قبول ہے تو اگر دفن کے بعد کسی سے اذان کہلوا کر میت کے لیے دعاء کرائی جائے گی تو اس کی قبولیت کی زیادہ امید ہوگی، لہٰذا یہ اذان بالکل مقصد شریعت کے مطابق ہوگی۔

اس دلیل میں بھی خانصاحب نے وہی مغالطہ دیا ہے جو اس سے پہلی دلیل میں دیا تھا یعنی احادیث میں اذان معہود فی الشرع یعنی اذان نماز کا ذکر تھا، اور اسی کی یہ فضیلت

وارد ہوئی ہے کہ وہ موذن کے لیے باعث مغفرت ہے اور جن خشک و تر چیز کو بھی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہی موذن کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتی ہے۔ بہر حال یہ فضیلتیں اذان شرعی کے لیے وارد ہوئی تھیں آپ نے ان کو اذان قبر پر بھی ڈھال دیا جو بدعت اور معصیت ہے۔ یا للعجب علاوہ ازیں اگر فاضل صاحب کے اس اجتہاد کو صحیح مان لیا جائے کہ جب دعا کرنی ہو تو داعی پہلے اذان پکار لیا کرے تاکہ دعا سے پہلے اس کے سارے گناہ برکت اذان معاف ہو جائیں اور پھر وہ بالکل مرحوم و مغفور ہو کر دعا کرے تاکہ ضرور ہی اس کی دعا مقبول ہو تو پھر یہ ضروری ہے۔ پھر تو تمام شرکاء دفن کو دعا سے پہلے اذان پکارنی چاہیے تاکہ سب کی دعا مقبول ہی ہو اور میت کی مغفرت یقینی بلکہ ضروری ہو جائے۔

فاضل بریلوی کے دسویں اور گیارہویں استدلال کا جواب

اس اذان قبر پر فاضل بریلوی کا دسواں استدلال یہ ہے کہ اذان "ذکر الٰہی" ہے اور ذکر الٰہی کا دافع عذاب ہونا بہت سی احادیث کریمہ سے ثابت ہے پس قبر پر اذان دینے کے باعث میت سے عذاب ٹل جانے کی امید ہے۔ (ملخصاً)

گیارہواں استدلال یہ ہے کہ اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور حضور کا ذکر مبارک باعث نزول رحمت ہے۔ البتہ جب قبور پر اذان دی جائے گی تو اس کی برکت سے میت پر رحمت نازل ہو گی۔

فاضل صاحب کی ان دونوں دلیلوں کا جواب اسی قدر کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ معلوم تھا کہ اذان ذکر اللہ اور ذکر رسول پر مشتمل ہے نیز آپ اس سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اللہ اور اس کے رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دافع عذاب اور موجب نزول رحمت ہے۔ لیکن بایں ہمہ آپ نے مدۃ العمر میں کبھی ایک دفعہ بھی کسی قبر پر اذان نہیں کہی، نہ اس کا حکم صادر فرمایا، نہ صحابہ و تابعین میں سے کسی نے اس پر عمل کیا، نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا تو آج چودھویں صدی کے کسی شخص کو

کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ان قیاس آرائیوں سے دین میں پیوندکاری کرے۔ علاوہ ازیں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام خاصہ سے امور خاصہ ثابت نہیں ہوسکتے لہٰذا صرف اس چیز سے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول باعث دفع عذاب اور موجب نزول رحمت ہیں اذان علی القبر کا اثبات صحیح نہیں۔ امام ابواسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الاصل اذا ثبت فی الجملۃ لا یلزم اثباتہ فی التفصیل فاذا ثبت مطلق الصلوٰۃ لا یصح منہ اثبات الظہر والعصر والوتر وغیرھا حتی ینص علیھا علی الخصوص۔ (الاعتصام ج ۲ ص ۱۸ ج ۱۵)

کسی چیز کی اصل جب اجمالی درجہ میں ثابت ہو تو اس سے تفصیلی رنگ میں اس کا ثبوت لازم نہیں آتا (مثلاً) جب مطلق نماز ثابت ہو تو اس سے ظہر و عصر یا وتر وغیرہ کسی خاص نماز کا اثبات نہیں ہوتا تاوقتیکہ خصوصیت کے ساتھ اس کی تصریح نہ ہو۔

پس صرف اتنی بات سے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول باعث دفع عذاب اور موجب نزول رحمت ہے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ اذان قبر بھی موجب دفع عذاب اور باعث نزول رحمت ہو۔ کون نہیں جانتا کہ نفل نماز بہترین عبادت اور تقرب خداوندی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے اور اس کے فضائل احادیث بلکہ قرآن میں بھی بے شمار آئے ہیں۔ لیکن صرف اتنی بات سے ان نفل نمازوں کی فضیلت ثابت نہیں ہو جاتی جو بعد کو بطور بدعت کے یاروگوں نے ایجاد کی ہیں جیسے کہ "صلوٰۃ الرغائب" اور "صلوٰۃ البرات" وغیرہ اور اسی واسطے امیر المؤمنین امام المتقین سیدنا حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے دوگانہ عید سے پہلے نفل نماز پڑھنے والوں کو روک دیا، اور اس کو بتلایا کہ تیری یہ نماز نیکی نہیں ہے جس پر کسی ثواب کی توقع ہو بلکہ ایک فعل عبث ہے جس پر عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر فاضل بریلوی اس موقع پر موجود ہوتے تو سیدنا حضرت علی کو مناظرہ کا چیلنج دے دیتے ورنہ حسب عادت شریفہ کم از کم ایک عدد رسالہ ضرور ہی لکھ دیتے جس میں تمام وہ آیتیں اور حدیثیں جمع کر دیتے جو مطلق نماز کی فضیلت میں وارد

ہوتی ہیں بلکہ وہ ساری حدیثیں بھی جن میں رکوع، سجدہ، تسبیح و تقدیس، تکبیر و تہلیل، تلاوت قرآن، ذکر اللہ اور ذکر رسول کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور آخر میں لکھتے کہ "ان تمام آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ یہ تمام اعمال خیر بے حد محبوب اور بہت مرغوب، اور ان کا کرنے والا خدا کی خاص رحمتوں کا مستحق۔ اور چونکہ نماز جمعہ سے پہلے کا نفل نماز بھی ایک نماز ہی ہے جس سے شریعت میں کوئی خاص نہی وارد نہیں ہوئی اور اس میں رکوع ہے، سجدہ ہے، خدا کی حمد و ثنا ہے، تسبیح و تقدیس ہے، تکبیر و تہلیل ہے، قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ اور ذکر رسول ہے، لہٰذا یہ نماز بھی قطعاً جائز بلکہ باعث ثواب اور موجب قرب الٰہی ہے اور اس سے منع کرنے والے وہابی ہیں جن کا کام ہی دنیا کو اعمال خیر سے روکنا ہے۔

اور اگر ہم بھی اس وقت موجود ہوتے اور اللہ تعالیٰ خانصاحب کے اس رسالہ کا جواب لکھنے کی توفیق دیتا تو ہم اس وقت بھی یہی عرض کرتے کہ ع ز سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست"

اور امام ابو اسحاق شاطبی کے الفاظ میں کہتے کہ خانصاحب "الشیٔ اذا ثبت فی الجملۃ لا یلزم اثباتہ فی التفصیل" بہرحال خانصاحب کی یہ دسویں اور گیارہویں دلیل پہلی تمام دلیلوں سے بھی زیادہ مہمل اور لچر ہیں۔

فاضل بریلوی کی بارہویں اور تیرھویں دلیل کا جواب

فاضل بریلوی کی بارہویں دلیل یہ ہے کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ مردے کو قبر میں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور اذان دافع وحشت اور باعث اطمینان خاطر ہے کیونکہ وہ ذکر اللہ ہے اور قرآن پاک میں ہے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اور ابونعیم و ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نزل آدم بالہند الخ" یعنی جب آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اترے انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے اتر کر اذان دی الخ

ایسے ہی میت کی قبر پر اذان دینے سے اس کی وحشت دفع ہوگی، اور اس میں اس میت کی اعانت اور ہمدردی ہے جو اللہ کو بہت ہی محبوب ہے حدیث پاک میں ہے واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ، یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد میں ہے۔ (ملخصاً)

اور تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اذان غم اور پریشانی کو دفع کرتی ہے چنانچہ مسند فردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو ارشاد فرمایا اے علی میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کر تیرے کان میں اذان کہے وہ غم اور پریشانی کی دافع ہے۔ اور میت کے لیے بھی وہ وقت خاص حزن و غم کا ہوتا ہے لہٰذا قبر پر اذان دینے سے اس کا وہ غم و الم دور ہو جائے گا۔ اور وہ خوش ہوگا اور مسلمان کا دل خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے؛ ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم (ملخصاً)

ان دونوں دلیلوں کے جواب میں بھی ہم وہی عرض کریں گے کہ یہ سب باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم تھیں، آپ جانتے تھے کہ اذان میں ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ سے قلب مسلم کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس کی بھی آپ کو خبر تھی کہ میت کو قبر میں وحشت ہوتی ہے اور وہاں وہ غم زدہ ہوتا ہے، نیز اس سے بھی آپ واقف تھے کہ کسی مسلمان کی امداد و اعانت اور اس کی وحشت اور رنجیدگی کو دور کر کے اس کو خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے، بایں ہمہ کبھی ایک دفعہ بھی کسی پر آپ نے اذان نہیں دی، نہ اس کا حکم دیا، تو کیا معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مسلمان میت سے ہمدردی نہ تھی؟ کیا آپ اور آپ کے صحابہ کرام کسی مسلمان کے غم و الم دور کر کے اس کو خوش کرنا نہیں چاہتے تھے؟ اگر یہ خیالات غلط ہیں، اور یقیناً غلط ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ جو لوگ اس کام کے لیے اب اذان ایجاد کرتے ہیں وہ شریعت پر استدراک کے مدعی ہیں اور گویا وہ دین الٰہی کو اپنی ترمیمات اور اضافات کا محتاج سمجھتے ہیں۔ (اعاذنا اللہ عن ذالک)

خانصاحب کی چودھویں دلیل اور اس کا جواب

چودھویں دلیل خانصاحب کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ذکر اللہ کی بے حد
تاکید اور بہت زیادہ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں "قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا
اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا (الاحزاب: ۴۱)۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم "اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون" "وقال علیہ السلام اذکروا
اللہ عند کل حجر و شجر" ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کی
کثرت شرعاً مطلوب اور خدا کو بہت مرغوب ہے اور اذان قبر بھی ذکر خدا ہے لہٰذا
وہ بھی اس حکم میں داخل ہے (ملخصاً)

اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم ابھی ابھی دسویں اور گیارہویں دلیل کے جواب
میں بتفصیل عرض کر چکے ہیں یعنی احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات محض جہالت
ہے۔ شیخ دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں۔

اتباع وی باید کرد بسیار امرے محمود کہ در حد ذات فضیلت وارد آمدہ اما بخصوص
مخصوص مقامے وارد نشدہ درست نیاید چنانچہ صلوٰۃ بعد اذان امثال آن۔"

چونکہ اس مضمون کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی ہے اس لیے یہاں اسی قدر اکتفا
کیا جاتا ہے۔

پندرھویں دلیل کا جواب

پندرھواں اور آخری استدلال فاضل بریلوی کا یہ ہے کہ بعض علماء کرام مثلاً امام
نووی و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر
قبر پر بیٹھنا مستحب ہے، اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے
دعاء اور وعظ و نصیحت اور عباد صالحین کی حکایات میں مشغول رہیں۔ فاضل موصوف
فرماتے ہیں کہ حکایات اہل خیر و تذکرہ صالحین وغیرہ کے استحباب کی وجہ صرف یہ

ہے کہ میت کو نزول رحمت کی حاجت اور ان امور میں نزول رحمت، تو اذان کہ
بشارت احادیث موجب نزول رحمت و دفع عذاب ہے کیوں جائز بلکہ مستحب
نہ ہوگی؟ (ملخصاً)

اس آخری دلیل میں بھی فاضل موصوف نے اسی مجددانہ مغالطہ کو استعمال کیا ہے
جو اس سے پہلی چند دلیلوں میں بھی وہ استعمال کر چکے ہیں۔ در اصل ان علماء کرام کا منشاء
یہ ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ کچھ دیر کے لیے قبر پر رہ جائیں وہ وہاں
یا قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہیں۔ یا اچھی باتیں
کرتے رہیں جیسے وعظ و نصیحت یا اہل خیر و صلاح کے تذکرے اور فی الحقیقت یہاں
تک کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی جدت پسند اس عموم کو اس طرح تخصیص کرے
کہ اس وقت خاص فلاں دعا کی جائے۔ یا فلاں وعظ کہا جائے یا خاص فلاں مسئلہ
شرعیہ بیان کیا جائے یا خاص فلاں بزرگ کی فلاں کرامت کا ذکر کیا جائے

بس علماء کرام کی اس عام بات سے خاص اذان
علی القبر کا اثبات محض مجددانہ فریب ہے نیز چونکہ اذان خالص ذکر نہیں ہے جیسا کہ خود
فاضل بریلوی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، اور وہ بہت سی خصوصیات زائدہ کی حامل ہے
اور اس کے لیے شریعت کی طرف سے مواقع اور محال مقرر ہیں اس لیے اس کو عام اذکار
کے حکم میں رکھا بھی نہیں جا سکتا۔ بہرحال دلائل سابقہ کی طرح یہ آخری دلیل بھی محض مغالطہ
پر مبنی ہے۔

بس یہ ہیں فاضل بریلوی کے وہ پندرہ ۱۵ دلائل جلائل جن کے ارقام فرمانے کے بعد
موصوف نے اپنے علم و اجتہاد کی داد بایں الفاظ دی ہے

یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہوئیں۔ (ایذان
الاجر ص ۱۲)

اور یہ حقیر راقم سطور ناچیز محمد منظور نعمانی (عفی عنہ) عرض کرتا ہے کہ یہ تھی فاضل بریلوی
کی ان کی مایہ ناز دلائل کی حقیقت جو بعون اللہ تعالیٰ ایک ہی جلسہ میں حوالۂ قلم ہوئی والحمد

للّٰہ الحمد علی ذالک ولہ المنۃ ۔

نفس مسئلہ کا حکم اور اس کے دلائل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ۔ اب ہمارے ناظرین کو فاضل بریلوی کے مایۂ ناز دلائل کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی اور مسئلہ بحمد اللہ تعالیٰ واضح ہو گیا لیکن اگر بالفرض اس کے بعد بھی کسی کم فہم کو اشتباہ باقی ہے تو باتفاق علماء اس کے لیے صحیح راہ عمل یہی ہے کہ وہ ایسے مشتبہ کام کے پاس نہ جائے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک

"جس چیز میں شبہ ہو اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جس میں کوئی شک نہ ہو ۔"

اور علامہ شامی ، بحر الرائق سے ناقل ہیں ۔ اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ (رد المحتار)

اور طریقہ محمدیہ میں ہے ۔ ان الفقہاء قالوا اذا تردد فی شیء بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم ۔

ان تصریحات کا منشا یہی ہے کہ جب کسی چیز کے بدعت یا سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کو چھوڑ دینا ہی لازم ہے ۔ پس وہ عوام الناس جو اس قسم کے مسائل میں فریقین کے دلائل کا موازنہ کر کے صحیح رائے قائم کرنے سے قاصر ہوں ان کے لیے بھی اتنا سمجھ لینا تو ضرور آسان ہے کہ اس چیز کے بدعت اور مباح یا مستحب یا سنت ہونے میں شبہ ہے ۔ لہٰذا ان کے لیے اس سے بچنا ہی صحیح راہ عمل ہے ۔ اور جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنتیں ہمارے لیے موجود ہیں تو پھر ان محدثات و مخترعات میں الجھنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے ۔

وللّٰہ در القائل وخیر امور الدین ما کان سنۃ

وشر الامور المحدثات البدائع

اس کے بعد ہم اذان قبر کے حامیوں کی خدمت میں چند سوال پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں ۔

فریق مخالف سے چند سوالات

سوال اول: صلوٰۃ عیدین، صلوٰۃ کسوف وخسوف، صلوٰۃ جنازہ، ان نمازوں کے لیے کتاب وسنت میں اذان واقامت کا حکم نہیں آیا ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی خاص صحیح اور صریح نہی موجود ہے پس اگر فاضل بریلوی سے سبق حاصل کر کے کوئی بدعت پسند ان نمازوں کے لیے بھی اذان جاری کرے، اور اس کا جواز، بلکہ استحباب واستحسان ثابت کرنے کے لیے معمولی تصرف کے ساتھ بعینہٖ وہی دلائل پیش کرے جو فاضل بریلوی نے اذان قبر کا جواز واستحباب ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں (اور جو معمولی ترمیم کے بعد ان نمازوں کی اذان پر بہ نسبت اذان قبر کے اچھی طرح منطبق ہو سکتے ہیں) تو آپ حضرات کے پاس ان کا کیا جواب ہے؟ یا آپ حضرات ان نمازوں کے لیے اذان کو مستحب ومستحسن سمجھتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔

سوال دوم: فاضل بریلوی نے اذان قبر پر چوتھی دلیل پیش کرتے ہوئے ذکر اللہ کی کثرت اور اس کی فضیلت کے متعلق آیات واحادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"تو ذکر الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب ومرغوب ومطلوب ومندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہو سکتی جب تک کسی خصوصیت خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکر خدا ہے، پھر خاص اس جا ذکر خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ ودرخت کے پاس ذکر الٰہی کریں۔ قبر مؤمن کے پتھر کیا اس حکم سے خارج ہیں؟"

پس اگر کسی جگہ کے لوگ خانصاحب کی اسی دلیل کو پیش نظر رکھ کر یہ طریقہ اختیار کر لیں کہ تمام نمازی مسجد میں داخل ہوتے ہی اذان پکاریں، بلکہ نماز تک پکارتے ہی رہیں اور جب ان کو اس حرکت سے منع کیا جائے تو وہ جواب میں خانصاحب مندرجہ بالا دلیل کی تلاوت کر دیں اور کہہ دیں کہ ذکر الٰہی ہمیشہ ہر جگہ (خصوصاً مساجد میں) بے حد مرغوب ومحبوب ومطلوب ومندوب ہے اور اذان بھی بہترین ذکر ہے جس سے شریعت میں کوئی خاص نہی وارد نہیں ہوئی بلکہ ہم کو حکم ہے کہ "مساجد میں اللہ کا خوب ذکر کرو" اور

حکم ہے کہ ہر ٹیلے اور درخت کے پاس خدا کا ذکر کرو، اور مسجد کی عمارت میں اور اس کے فرش میں بھی مقرر ہیں، لہذا انہیں احکام کی بجا آوری کے لیے ہم اذانیں پڑھتے ہیں تو فرمایا جائے کہ کیا ان کا یہ فعل جائز اور یہ استدلال درست ہوگا؟ نہیں تو کیوں؟

سوال سوم: احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نجاست و غلاظت کے مقامات پر شیاطین رہتے ہیں اور فاضل بریلوی نے اپنے اس رسالہ "ایذان الاجر" میں اس پر بہت زور دیا ہے کہ شیطان کے دفع کرنے کی بہترین تدبیر اذان ہے پس اگر کوئی خان صاحب جیسا مجتہد یہ معمول کر لے کہ بیت الخلاء جاتے وقت اپنے ملازم سے کہہ دے کہ جب تک میں فارغ ہو کر نہ آجاؤں اس وقت تک تم اذان پکارتے رہو تاکہ میں شیاطین کے شر سے محفوظ رہوں، تو کیا اس کا یہ فعل جائز ہوگا؟ اگر نہیں تو اس کی خالص بریلویانہ دلیل کا کیا جواب ہے؟

تین سوال یہ ہیں اور تین وہی اس رسالہ کے ص ۲۰۶-۲۰۸ پر پیش کیے جا چکے ہیں۔ پس اگر کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کا ارادہ فرمائیں تو وہ ان چھ سوالوں کا جواب بھی دے کر ممنون فرمائیں۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة سیدنا المصطفیٰ علیه وعلی آله من الصلوات أتمها ومن التحیات أکملها۔

دس ہزار کا انعامی چیلنج

علامہ سعید احمد شاہ صاحب کاظمی صدر جماعت اہلسنت پاکستان ملتان مندرجہ ذیل حوالوں کو غلط ثابت کرے اور دس ہزار انعام پائے۔

*۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عقیدہ اور اپنا اعلان کہ میں علم غیب نہیں جانتا

حوالہ نمبر ١:۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب (الآیۃ)

١۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فتویٰ کہ جو شخص حضور علیہ السلام کو عالم الغیب سمجھے وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔

حوالہ نمبر ٢:۔ عن عائشۃؓ قالت۔ ومن حدثک انہ یعلم الغیب فقد کذب وھو یقول لا یعلم الغیب الا اللہ۔ (بخاری طبع دہلی ص١٠٩٩)

حوالہ نمبر ٣:۔ عن عائشۃؓ ۔ ومن حدثک ان محمدا ﷺ یعلم ما فی غد فقد کذب۔ (بخاری شریف جلد دوم ص٧٢٠)

حضرت کاظمی صاحب (علامہ نعمانی صاحب) کے چیلنج کو قبول کر کے میدان مناظرہ میں کود و۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(مناظر اعظم حضرت العلامہ مولانا) محمد امین احسان صاحب نعمانی

پرنسپل جامعہ اسلامیہ دار العلوم عثمانیہ احمد پور شرقیہ

٨٥ / ٣ / ٢ /

تحقیق مسئلہ

ایصال ثواب

[illegible] اتفاق اہل السنۃ والجماعۃ کا فیصلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین

میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ وخیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اسی طرح نفلی نماز روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچایا جائز اور صحیح ہے۔ لیکن ایصال ثواب کیلئے شریعت مطہرہ نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین وتخصیص نہیں کی ہے۔ اور جیسے یا عالم گذر چکا ہے کہ اپنی طرف سے ایسی تعیین کرنا بدعت ہے۔ علاوہ ازیں اس سے کوئی دلیل اس پر دال نہیں ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین ضروری ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم مسلمانوں نے اہل ہنود سے لی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین ہے۔ چنانچہ مشہور مورخ علامہ بیرونی (المتوفی ۴۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا اور اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے۔ اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے۔ اور میت کے اپنے گھر کے سامنے طعام اور کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہوگی اور بھوک وپیاس کی حالت میں گھر کے اندر گھومتی پھرتی رہے گی۔ پھر نویں دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کرکے دیا جاتا اور آب خنک دیا جاتا اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی۔ نیز لکھا ہے کہ ۱۰ ہوں میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند ص۲۳۲، ۲۳۳ ملخصاً) اور یہی کچھ یہاں کے عام مسلمان کرتے ہیں کہ حلوا اور پانی کی سانس رکھا جاتا ہے اور ملا جی کے برتن بھی الگ ہوتے ہیں اور دنوں کی تعیین بھی کی جاتی ہے خصوصاً دسویں گیارہویں اور اختتام سال کے بعد سالانہ عرس مشہور نو مسلم عالم (جو پہلے ہندو تھے) مولانا عبید اللہ صاحب

کھانا تیار کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے اور بدعت ہے علاوہ ازیں اس قبیح حرکت کا شکار ہو کر مقروض ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے اور اس طرح وارثوں کا اور خصوصاً یتیموں کا مال برباد کیا جاتا ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبد اللہ البجلی المتوفی ۵۱ھ فرماتے ہیں کہ:

كنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة (ابن ماجہ ص۱۱۶ و مسند احمد ص)	ہم (یعنی حضرات صحابہ کرامؓ) میت کے گھر جمع ہونے اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔

اور منتقی الاخبار ص۱۲۲ میں وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة کے الفاظ آتے ہیں۔

مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ میت پر آواز کے ساتھ رونا، بین اور نوحہ کرنا اہل جاہلیت کا کام ہے اور نوحہ کرنا جمہور سلف وخلف کے نزدیک حرام ہے[1]۔ اسی طرح میت کے گھر کا کھانا بھی سمجھا جاتا ہے۔ یہ روایت دو طرق سے مروی ہے۔ علامہ ہیثمیؒ ایک سند کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور دوسری سند کے بارے میں کہ یہ فرماتے ہیں کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مجمع الزوائد ج ص) حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (فتح القدیر ج۱ ص۴۷۳)۔ علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں: باسناد صحیح (کبیری ص۵۶۰)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے گھر اجتماع کرنا اور وہاں کھانا تناول کرنا حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک نوحہ جیسا ایک جرم تھا اور ان پر اجماع و اتفاق رہا ہے۔ ضرورت تو نہیں مگر حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ یہ مسئلہ بھی بین طور پر سامنے آجائے۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ (المتوفی ۷۳۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

اما اصلاح اهل الميت طعاما وجمع الناس عليه فلم ينقل فيه شيء وهو بدعة غير مستحب (المدخل ج۳ ص۲۷۵)	اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کا جمع ہونا اس میں کوئی چیز منقول نہیں ہے بلکہ یہ بدعت غیر مستحبہ ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ:

ومما احدثه بعضهم من فعل الثالث للميت وعملهم الاطعمة فيه حتى صار عندهم	بعض لوگوں نے یہ بدعت نکالی ہے کہ میت کے تیجہ پر طعام تیار کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک معمولاً

[1] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ نوحہ کی حرمت پر اجماع ہے (شرح مسلم ج۱ ص۳۰۳)

لانه امر معمول به (مدخل ج ۳ ص ۲۷۵)

کام بن گیا ہے۔

امام ابن حجر مکی شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ:

مما یفعل یوم ثالث من موته من تهیئة اکل و اطعامه للفقراء وغیرهم وما یعمل یوم السابع الخ

میت کے مرنے کے تیسرے دن فقراء وغیرہ کیلئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتویں دن اس کا کیا حکم ہے؟

جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

جمیع ما یفعل مما ذکر فی السؤال من البدع المذمومة (فتاوی کبری ج ۲ ص ۷)

سوال میں جتنی چیزیں ذکر کی گئی ہیں، وہ سب کی سب بدعات مذمومہ ہیں۔

علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلیؒ (المتوفی ۷۸۵ھ تسلیۃ المصائب ص ۱۹۹ میں) اور امام شمس الدین بن قدامہ حنبلیؒ (المتوفی ۶۸۲ھ شرح مقنع الکبیر ج ۲ ص ۴۲۶ میں) اور امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں، واللفظ لہ:

فاما صنع اهل المیت طعاما للناس فمکروه لان فیه زیادة علی مصیبتهم و شغلا لهم الی شغلهم و تشبیها بصنع اهل الجاهلیة (مغنی ج ۲ ص ۴۱۳)

کہ اہل میت جو لوگوں کیلئے کھانا تیار کرتے ہیں وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل میت کو مزید تکلیف اور شغل میں مبتلا کرنا ہے، نیز اس سے مشرکین اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ:

مذهبنا و مذهب غیرنا کالشافعیة والحنابلة الخ (ج ۱ ص ۸۴۲)

ہمارا اور حضرات شوافعؒ اور حضرات حنابلہؒ کا یہی مذہب ہے۔

چونکہ یہیں ایک ایسے طبقہ سے واسطہ پڑا ہے جو خود کو حنفی کہلاتا ہے اسلئے ہم فقہ حنفی کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو بھی حضرات فقہاء احناف کے نظریہ کو سامنے رکھ کر غور و فکر کا موقع مل سکے۔

فقہاء احناف کثرہم اللہ تعالیٰ سواد ہم کے نزدیک میت کے گھر سے طعام کھانا، تیجہ، ساتواں اور چالیسواں وغیرہ کرنا

جس طرح دوسرے مسالک کے حضرات فقہاء کرامؒ نے ان بدعات

كالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرين والاربعين والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة (بحوالہ الدر رسالہ ص ۱۰۵)	تیجہ، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں دن اور چھٹا مہینہ اور سال کے بعد برسی کرنا سب بدعت ممنوعہ ہیں۔

حضرت ملا علی القاریؒ حضرت عاصمؒ بن کلیب کی روایت کو نقل کرتے وقت یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

قول اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع (مرقات ج ۵ ص ۴۸۲)	ہمارے مذہب (حنفی) کے حضرات فقہاء کرام نے جو یہ بات کہی ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح ہفتہ کے بعد طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔

ان عبارات میں اس امر کی پوری صراحت موجود ہے کہ میت کی وجہ سے دنوں کی تخصیص کر کے کھانا پکانا اور خصوصاً تیسرے، دسویں اور چالیسویں وغیرہ دنوں میں بدعت اور مکروہ ہے اور ایسے کھانے سے بہرحال پرہیز کرنا چاہیے۔ چنانچہ مولانا لکھنویؒ لکھتے ہیں:

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ در رسالہ ماثبت بالسنۃ نوشتہ و بعد بعد ماہے یا ششماہی یا چہل روز طعام پختہ و درمیان برادران تقسیم کنند و آں را ہیچ شیئے نیست بہتر آنست کہ اغنیا نخورند۔ انتہی (مجموعہ فتاویٰ ج ۲ ص ۵۱)۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

"و عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است و مکروہ۔ آرے تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن ایشاں را سنت و مستحب است اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام" (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۴۲۲ طبع نولکشور)

شیخ صاحب موصوف نے شرح سفر السعادت ص ۲۴۳ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۱۵ میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں کہ:

"آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آں میان اہل

تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است و تصریح کردہ بداں در خزانۃ چہ شرعیت ضیافت

نزد سرور است و نزد شرور۔"

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں کہ:

"بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند۔" (وصیت نامہ ص۱۶۱ ملاحظہ)

اور حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب نقشبندی (المتوفی ۱۰۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ:

(سوال ششم آنکہ طعام بروح میت بروز سوم و دہم و گل دادن بروز سوم از کجا است؟) مخدوما

طعام دادن بشیر تعالیٰ بے قدم دنیا و ثواب آں را بمیت گزرانیدن بسیار خوب است و عبادت بزرگ؛

تعیین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمی شود و روز سوم گل دادن بیرون از بدعت است۔ (مکتوبات مکتوب ۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"دیگر از عادات شنیعہ مردم اسراف است در ماتمہا و سیوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ

و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آں است کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و طعام

شاں یک شب و روز رسمے نباشد۔" (تفہیمات ج۲ ص۲۴۲ و وصیت نامہ ص۱۳)

اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت (المتوفی ۷۸۵ھ) کے ملفوظات میں ہے کہ:

"اس زمانہ میں سیوم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت و پنگ وغیرہ لے جاتے ہیں اور

کھاتے ہیں ـــ اور فرمایا کہ صندوق لے جاتے ہیں اور سیپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے۔" (الدر المنظوم ص۴۸۲)

اور علامہ محی الدین برکلی نقشبندی حنفی (المتوفی ۹۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

"ان بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا اور

قرآن و کلمہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک کسی کو بٹھانا یا قبر پر قبہ

بنانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں۔" (طریقہ محمدیہ خاتمہ آخری)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ مرید خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی چشتیؒ (المتوفی فی حدود ۸۰۰ھ) قبور کی زیارت کے لئے بھی از خود دنوں کی تعیین (مثلاً تیسرا یا ساتویں روز) کو بدعت شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میدان زیارت سنت است لیکن زیارت روز و شب
معہود سیوم جمعتہ داں بدعت لیکن حسنہ (تحفہ نصائح)

اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

"مقرر کردن روز سوم وغیرہ باتخصیص و اورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب (مولانا ضیاء الدین عمر بن محمد بن عوض سنامی الحنفی معاصر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء المتوفی ۷۲۵ھ) آں را مکروہ نوشتہ و ا تخصیص بگذارند و ہر روز یکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند" (مجموعہ فتاویٰ ج ۳ ص ۳۰)۔

قارئین کرام! آپ نے جماعت احناف کثرہم اللہ تعالیٰ سوادہم کے زمرہ از حضرات فقہائے کرامؒ اور حضرات صوفیائے عظامؒ کی عبارتیں ملاحظہ کرلی ہیں کہ وہ میت کے گھر کھانا تناول کرنے، سوم، دہم، چہلم اور برسی وغیرہ کو بدعت اور مکروہ (بلکہ بعض حرام) سمجھتے ہیں۔ مگر صد افسوس ہے کہ فریق مخالف کی گنگا ہی الٹی ہے۔ جو حضرات یہ بدعات نہیں کرتے، ان کو وہ وہابی وغیرہ کے خطابات سے نوازتے ہیں، اور عوام الناس کو ان کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ فوا اسفا!

لطیفہ: فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ — حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے۔ بلفظہ (وصایا شریف ص ۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا دین اور مذہب شریعت اسلامی سے جدا ہے اور اس دین پر جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ شریعت حقہ

کا اتباع تو حتی الامکان بتایا! مگر ان کا مذہب اور دین اپنانا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ!
اور بات بھی صحیح ہے کیونکہ عقائد سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے اخلاق تک خان صاحب کا دین و
مذہب شریعت اسلامی سے بالکل جدا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں، یہاں تو صرف صحبت باقی! لیکن فاتحہ کے
سلسلہ میں خان صاحب کے اتباع سے گزارش ہے کہ ان کی وصیت شریفہ پر عمل کر کے ثواب دارین حاصل
کریں اور اس گرانی اور مہنگائی میں ان لذیذ چیزوں کا خوب لطف اُٹھائیں۔

خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ (میں) دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دُودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دُودھ کا ہو، مُرغ کی بریانی، مُرغ پلاؤ خواہ بکری کا، شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرینی، اُرد کی دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا جیسے مناسب جانو، مگر بطیب خاطر میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔ انتہی بلفظہ (وصایا شریف ص ۸)

فریق مخالف کو اعلیٰ حضرت کی اس زرین وصیت پر عمل پیرا ہو کر ثواب دارین حاصل کرنا چاہیے۔
مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی کتاب مقیاس حنفیت میں اس مضمون کی مستقل سرخیاں قائم کر کے
امت محمدیہ پر کرم فرمائی کی ہے: فضیلت دودھ، فضیلت حلوا و شہد، فضیلت گوشت اور پراٹھا
وغیرہ۔ پھر کیوں عوام الناس اس پر عمل نہ کریں کہ ہم خرما و ہم ثواب۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے
فضیلت جہاد پر کوئی سرخی قائم نہیں کی لیکن یہ بیچارے جہاد تو کیا کریں گے۔ تحریک ختم نبوت میں ان کی
اکثریت عامۃ المسلمین کے سامنے بے نقاب ہو چکی ہے۔ یہ صرف کھانے پینے کے مجاہد اور شیریں جہاد اور
حق گوئی سے ان کو کیا نسبت! ؎

تجھے طعام سے ممکن نہیں فراغ کہ تو — طعام خواہ ہے مگر صاحب جہاد نہیں (اقبال ترمیم)

اگر فریق مخالف خان صاحب کی سابق وصیت پر عمل نہ کر سکے اور مختلف اشیاء تیار کرنے اور مہیا

کرسکتے ہیں جو قرآن کے ورد سے خوف سے پر عمل کرتے تاکہ اس کی تلافی ہو جائے اور نہیں تو کم از کم چھیا ولادی کے سوم پر ہی ایسا کر لیا کریں تاکہ اس گرانی کے وقت پیارے نانی بھی ساتھ ہی یاد آ جائے۔

خان صاحب لکھتے ہیں: "مسئلہ: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیے۔ اگر چھوارا وزن پر فاتحہ ولادی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو؟ **الجواب:** کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم" (انتہی بلفظہ عرفان شریعت حصہ اول ص۳)

اگر شریعت نے وزن مقرر نہیں کیا تو خان صاحب کو عرفان شریعت کا یہ وزنی نسخہ کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ سچ فرمایا انہوں نے کہ ان کا مذہب وہی ان کی کتابوں ہی سے ظاہر ہوگا اور جس پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اگر فی چھوارہ ایک تولہ ہو تو ستر ہزار کا وزن اکیس من اور ستائیس سیر ہوگا، اور اگر چھ ماشہ فی چھوارہ وزن ہو تو ستر ہزار کا وزن دس من اور ساڑھے ستائیس سیر ہوگا اور قابل استعمال چھوارہ چھ ماشہ سے کیا کم ہوگا؟ اگر چھ روپے سیر بھی چھوارے سستے ہوں تو دس من اور ۲۷ سیر کی قیمت تقریباً چوبیس ۲۴ سو روپیہ سے اوپر ہوگی۔ ایسے دو سوم تو کیا ایک بھی اس زمانہ میں اچھے خاصے چودھریوں اور نوابوں کو بھی نانی یاد کرا دے گا اور دادی بھی تو مفت میں یاد آ جائیں گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اعتراضات فریق مخالف کی طرف سے کئے جاتے ہیں ہم ان کو نقل کرکے ان کے جوابات بھی عرض کر دیں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

فریق مخالف کا پہلا اعتراض فریق مخالف کا کہنا ہے کہ میت کے گھر سے کھانا جائز اور مکروہ نہیں ہے کیونکہ مشکوٰۃ ج ۲ ص۵۴۴ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ایک میت کو دفن کیا اور اس سے فارغ ہوئے تو:

استقبله داعي امرأته: میت کی بیوی کا ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دینے آیا۔ علامہ حلبیؒ (کبیری ص۶۰۹ اور صغیری ص۳۰۳ میں) اور ملا علی بن القاریؒ (مرقات ج ۵ ص۴۸۲ میں) لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ میت کے گھر سے کھانا درست ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز نہ کھاتے۔ (انوار ساطعہ ص۱۰۹ محصلہ)۔

الجواب: اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ امرأتہٖ کا لفظ جو حسب
مشکوٰۃ کا وہم یا کسی کاتب کی غلطی ہے۔ اصل الفاظ داعی امرأۃٍ ہیں کہ کسی عورت کے قاصد نے آپ کو
دعوت دی تھی۔ باقی داعی امرأتہٖ (کہ میت کی بیوی کے داعی نے دعوت دی) یہ غلط ہے۔ چنانچہ یہی
روایت ابوداؤد ج ۲ ص۱۱۷، مشکل الآثار ج ۲ ص۱۳۲، مستخرج ص۱۴۲، شرح معانی الآثار ج ۲ ص۲۳۱، دارقطنی
ج ۲ ص۲۸۵، مسند احمد ج ۵ ص۲۹۳، سنن الکبریٰ ج ۱ ص۳۴۵، مقعود الجواہر المنیفہ ج ۲ ص۱۱۱، خصائص الکبریٰ
ج ۱ ص۲۱۳، مستدرک حاکم ج ۴ ص۱۳۳، محلی ابن حزم ج ۷ ص۴۱۵، عون المعبود ج ۳ ص۲۴۷، اور بذل المجہود
ج ۴ ص۱۲۹ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے لیکن ان تمام میں امرأۃٍ کے الفاظ ہیں اور یہی صحیح ہے امرأتہٖ
"ہٖ" کی ضمیر کے ساتھ جو میت کی طرف راجع ہے، غلط ہے۔

دوسرا اعتراض: مولوی عبدالسمیع صاحب اور مفتی احمد یار صاحب وغیرہ کہتے ہیں کہ ان عبارات میں
تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ اپنے مہمانوں اور رشتہ داروں کی ضیافت کی وجہ سے
ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر غریبوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو اچھا ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحبؒ
کی عبارت میں اسراف کا ذکر ہے اور اسراف کرنے کو تو ہم بھی منع کرتے ہیں۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کی
عبارت میں رسوم دنیوی کی ممانعت ہے کہ عورتیں جمع ہو کر ان ایام میں رونا پیٹنا کرتی ہیں اصل تیجہ وغیرہ
سے ممانعت نہیں ہے (محصلہ۔ انوار ساطعہ ص۱۱۰ و ص۱۱۳ و ص۱۱۴، جاء الحق ص۲۵۵ و ص۲۵۶)۔

الجواب: بلاشک غمی کے ایام میں رشتہ داروں اور عام لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کیلئے
تیجہ وغیرہ کرنا ممنوع اور بدعت ہے اور اسراف کرنا اور عورتوں کا جمع ہو کر نوحہ وغیرہ کرنا بھی گناہ ہے اور یہ
بھی ٹھیک ہے کہ عاقل اور بالغ اور حاضر وارث اگر اپنے مال سے فقراء کے لئے کھانا تیار کریں تو جائز ہے
مگر اس نقطہ کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ دنوں کی تعیین بھی منع، بدعت اور مکروہ ہے اور مثلاً
تیجہ وغیرہ کی تخصیص کرنا بھی اسی بدعت اور مکروہ کی زد میں ہے اور دنوں کی اسی تعیین کو قاضی ثناء اللہ صاحبؒ
رسوم دنیوی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی عبارت بغور ملاحظہ کیجئے۔ یہ لکھتے ہیں کہ ان امور میں بدعت ہے کہ ابتدا تیجہ

دنوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اور امور کے سبب سے ہے جن میں سے بعض بدعت سیئہ اور نری جہالت ہے۔ حضرات فقہاء کرام دنوں کی تخصیص کو بھی بدعت ہی کہتے ہیں۔ امام نوویؒ، ابن حجرؒ اور صاحب بزازیہؒ وغیرہ کی عبارات میں الیوم الثالث الاولی اور شیخ عبدالحق دہلویؒ اور صاحب کشف الغطاء اور خواجہ محمد معصومؒ وغیرہ کی عبارتوں میں بعد سوم کی خاص العدد پر قید موجود ہے۔ پھر کس طرح اس کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے علاوہ بریں

اور ملا علی بن القاریؒ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث لا یجعل احدکم للشیطان الخ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر (انتہٰی۔ مرقات ص۳۵۳ ج۲ و التحقیق المحمود ص۱۳۶)

پھر کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو کسی بدعت اور منکر پر اصرار کرتے ہیں۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

ھذا محل تذکر للذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور الجماعۃ۔ (حاشیہ ترمذی ص۱۲۲)

یہ حدیث ان لوگوں کے لیے نصیحت حاصل کرنے کا مقام ہے جو میت کے بعد تیسرے دن مجتمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو جماعت کی نماز کے لیے حاضری سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

اس عبارت میں نہ تو قبر پر اجتماع کی تخصیص ہے اور نہ مخصوص مکانوں کے تذکرہ کی۔ بلکہ وفات کے بعد تیسرے دن جو بھی اجتماع ہو، اس کا یہی حکم ہے کہ وہ بدعت بھی ہے اور مکروہ بھی۔ اور یہی حضرات فقہاء کرامؒ کا ارشاد ہے اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب دوسرے تیسرے اور چالیسویں دن کے اجتماع اور عورتوں کے کھانے پینے اور چھالیا وغیرہ کے اہتمام کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے۔ امام احمدؒ اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ___ الی ان قال امام بزازیؒ ۔۔ وجیز میں فرماتے ہیں یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع یعنی میت کے پہلے یا تیسرے

دن یا منت کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں (بلفظہ احکام شریعت حصہ سوم ص۱۹۱، ۱۹۲)

نیز مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعینیں عرفی ہیں جب چاہیں کریں، انہیں وقتوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت۔ (مجموعہ فتاویٰ مؤلفہ احمد رضا خان صاحب ج ۴ ص۲۲۱، کتاب الحظر والاباحۃ)۔

نیز خان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے (الحجۃ الفائحۃ ص[illegible])

الغرض ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ایصال ثواب کا مسئلہ حق ہے مگر ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تخصیص اور تعیین ضروری جاننا گو علماء ہی کیوں نہ ہو جہالت اور بدعت ہے۔

تیسرا اعتراض فریق مخالف کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو تیسرے دن حضرت ابوذرؓ نے کھجوریں، دودھ اور جو کی روٹی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھی اور آپ نے ان پر سورۃ فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھ کر دعا فرمائی اور حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کردو اور فرمایا کہ ان اشیاء کا ثواب میرے لخت جگر ابراہیم کو پہنچے۔ اس روایت سے ایک تو تیجہ کا ثبوت ہوا اور دوسرا کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم پڑھنے کا ثبوت ہوا۔ فریق مخالف کا بیان ہے کہ یہ روایت حضرت ملا علی بن القاریؒ نے کتاب الدرجنۃ میں تحریر فرمائی ہے۔

الجواب: مولانا عبد الحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

کتاب الدرجنۃ از تصانیف ملا علی قاری نیست و روایت مذکورہ صحیح و معتبر است بلکہ موضوع و باطل براں اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے ازیں چنیں روایت یافتہ نمے شود۔ (مجموعہ فتاویٰ ج ۲ ص۲۸۵)

کہ نہ تو کتاب الدرجنۃ حضرت ملا علی بن القاریؒ کی تصنیفات میں سے ہے اور نہ یہ روایت صحیح اور معتبر ہے بلکہ یہ موضوع اور باطل روایت ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کی کسی کتاب میں اس قسم کی روایت کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ "انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر پر صدقہ دیا، یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔ (بلفظہ جاء الحق صفحہ ۲۶۵)۔

مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسی موضوع اور جعلی روایات سے مسائل حل نہیں ہوتے حدیث جب پیش ہو تو صحیح سند کے ساتھ ہو یا معتبر حضرات محدثین کرام سے اس کی تصحیح ہونی چاہیئے محض روایت یا حدیث کا نام لے لینا کفایت نہیں کرتا۔

فائدہ: عوام الناس میں جمعرات کے دن صدقہ و خیرات کرنے کی بھی ایک رسم جاری ہے۔ لیکن اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ خان صاحب بریلوی سے کسی نے یوں سوال کیا کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں۔ اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں الخ۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

الجواب: یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں۔ ان کا ازالہ لازم ما انزل اللہ بہا من سلطان۔ (بلفظہ احکام شریعت حصہ اوّل صفحہ ۳۱)۔

کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم دینا

صحیح احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانے پر بسم اللہ بھی پڑھی ہے اور بطور برکت اور دعا کے مختلف کھانے کی چیزوں پر قرأت بھی کی ہے۔ اور چیزوں میں اضافہ کیجئے بھی اشیاء کو سامنے رکھ کر ان پر دعائیں پڑھی ہیں۔ یہ تمام امور محلِ نزاع سے خارج ہیں۔ جھگڑا صرف اس امر کا ہے کہ میت کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اُس پر بھی کچھ پڑھنا صحیح ہے؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا ہے؟ اس کا آسان اور صحیح جواب صرف یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ چنانچہ فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے کہ:

قراءة الفاتحة والاخلاص والكافرون على الطعام بدعة۔ (المجموعة ص [illegible])

سورۃ فاتحہ اور اخلاص اور کافرون کا طعام پر پڑھنا بدعت ہے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کے فتاویٰ میں ہے:

سوال: فاتحہ مروجہ حال یعنی طعام را پیش نہادہ دست برداشتہ چیزے خواندن چہ حکم دارد؟

جواب: ایں طور مخصوص نہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ در زمانِ خلفاء بلکہ وجود آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نشدہ و حالا در حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً عادتِ خواص نیست، اگر کسے ایں طور مخصوص بعمل آرد آں طعام حرام نمی شود خوردنش مضائقہ نیست ایں را فرض یا واجب دانستن مذموم است الخ (مجموعہ فتاویٰ ج ۳ ص [illegible])

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ: "انوار ساطعہ ص۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے، کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے (بلفظہ جاء الحق ص۲۵۸)۔

مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی موضوع اور جعلی روایات سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ حدیث جب پیش ہو تو صحیح سند کے ساتھ ہو یا معتبر حضرات محدثین کرام سے اس کی تصحیح ہونی چاہیے محض روایت یا حدیث کا نام لے لینا کفایت نہیں کرتا۔

فائدہ: عوام الناس میں جمعرات کے دن صدقہ و خیرات کرنے کی بھی ایک رسم جاری ہے۔ لیکن اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ خان صاحب بریلوی سے کسی نے یوں سوال کیا کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں۔ اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں الخ۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

الجواب: یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں، ان کا ازالہ لازم ما انزل اللہ بہا من سلطان۔ (بلفظہ احکام شریعت حصہ اول ص۳۲)۔

کھانا سامنے رکھ کر اُس پر ختم دینا

صحیح احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانے پر بسم اللہ بھی پڑھی ہے اور بطور برکت اور دُعا کے مختلف کھانے کی چیزوں پر قرأت بھی کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان چیزوں میں اضافہ کیجئے یعنی اشیا کو سامنے رکھ کر ان پر دعائیں پڑھی ہیں۔ یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں جھگڑا صرف اس امر کا ہے کہ میت کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اُس پر بھی کچھ پڑھنا صحیح ہے؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرات صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے؟ اس کا آسان اور صحیح جواب صرف یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ چنانچہ فتاوٰی سمرقندیہ میں ہے کہ:

قرأة الفاتحة والاخلاص والكافرون على الطعام بدعة۔ (الجنہ ص۱۶۸) — سورۃ فاتحہ اور اخلاص اور الکافرون کا طعام پر پڑھنا بدعت ہے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کے فتاوٰی میں ہے:

سوال: فاتحہ مروجہ حال یعنی طعام را پیش نہادہ دست برداشتہ چیزے خواندن چہ حکم دارد؟

جواب: ایں طور مخصوص نہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نشدہ و حالا در حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً عادت خواص نیست و اگر کسے ایں طور مخصوص لازم آید کہ آں طعام حرام نمی شود خوردنش مضائقہ نیست ایں را ضروری دانستن مذموم است الخ (مجموعہ فتاوٰی ج ۲ ص۷۷)

اور مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

"وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصول ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔" (الحجۃ الفاتحہ ص۱۳)

مشہور بریلوی عالم مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں رائج نہیں۔" (انتہی بلفظہ تحفۃ الاحباب ص۱۳۲)

سرزمین ضلع ملتان کے میدان مناظرہ سے ... کا فرار

مولانا محمد رمضان نعمانی کی فتح

تیجا کیا ہے؟

مسلمانوں میں دینی شعور جوں جوں ختم ہوتا گیا رسم ورواج اسی قدر ان کے رگ ریشہ میں پیوست ہوگئے۔ توحید کی جگہ شرک اور سنت کی جگہ بدعت نے لے لی۔ اس طرح دین خالص کا حلیہ آہستہ آہستہ بگاڑ دیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکمل ضابطہ حیات ہمیں عطا فرمایا اور ہماری منفعت اور مضرت کی تمام باتوں کا روز روشن کی طرح ہم پر آشکارا فرما دیا لیکن بدقسمتی سے ہم نے اس دین خالص کو غیر مسلم کے بعض رسم و رواج سے اس طرح ملوث کر دیا کہ آج وہ رسم و رواج ہمارے دین اور مذہب کا ضروری حصہ قرار پا گئے۔ پھر ان غیر شرعی اور غیر ملی مسائل میں سے ایک رواج تیجا اور ساتواں اور چالیسواں کا بھی ہے جسے اہل سنت کا امتیازی نشان قرار دے کر نہ کرنے والوں کو مسلک اہل سنت سے خارج اور مسلمانوں کے دشمن قرار دیا جانے لگا ہے۔ تیجا اور ساتواں کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے نہ ہی قرآن و حدیث سے اس کے جواز پر کوئی دلیل موجود ہے۔ بلکہ یہ ایک رسم ہے جسے غیر مسلم قوموں سے اخذ کر کے مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ جاہل واعظین نے اسے مذہب

کالبادہ اڑھا کر مسلمانوں کا ایک امتیاز بنا کے رکھ دیا ہے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا امام اعظم رحمتہ اللہ میں سے کسی نے بھی اس فعل شنیع کو نہیں کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔ آپ نے تیسرے دن کوئی اجتماع نہیں کیا اور نہ ہی مختلف اشیاء منگوا کر ان پر ختم پڑھا گیا۔ اور نہ ہی برادری کو بلوا کر ان کے لئے کسی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اور نہ ہی ان کا ساتواں یا چالیسواں کیا گیا۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی محبوب چچا تھے۔ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت اس قدر المناک تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے انتہائی طور پر مغموم تھے۔ مگر ان کے لئے بھی آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جسے آج کی اصطلاح میں تیجا یا ساتا کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ بھی ہمارے سامنے ہے ان کے عزیز رشتہ دار اور رفقاء کار بھی ان کے سامنے اس دنیا سے رحلت فرما گئے مگر کہیں بھی ان کے ہاں تیجا مروجہ اور ساتا اور چالیسواں ثابت نہیں ہے!

خلفائے راشدینؓ اور لاکھوں اصحابِؓ رسولؐ اس تیجا وغیرہ

کی رسم سے بالکل "ناآشنا تھے۔ بدقسمتی سے اس رسم قبیح کے مرتکب افراد اپنے آپ کو حضرت امام اعظمؒ امام ابوحنیفہؒ کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔ لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تیجا ساتواں یا چالیسواں کا کہیں حکم نہیں فرمایا، اور نہ ہی آپ کے عمل سے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ممتاز تلامذہ حضرت امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں بھی اس بدعت اور خلاف اسلام رسم کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ جب سرے سے ایک دلیل بھی اس تیجا ساتا چالیسواں کی نہیں ملتی۔ تو اسے کیوں کر اہل سنت کا مسلک قرار دیا جائے، اور اس کے نہ کرنے والوں سے کیوں نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ شرعی حیثیت کے علاوہ بھی اگر تیجہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ رسم اہل میت کیلئے ایک وبال جان ثابت ہوتی ہے۔ ان کے عزیز رشتہ دار کا یا والد اور بیٹے کی وفات کا صدمہ ہی اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بیچارے اس سے نڈھال ہوتے ہیں۔ مگر رسمی مقلان انہیں اسوقت قیمتی اشیاء منگوا کر ختم کی تیاری کیلئے مجبور کرتا ہے۔ جس پر ان کے سینکڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس میں سے غریب اور نادار لوگ تو قرض حاصل کر کے اس رسم کو پورا کرتے ہیں"۔ پھر چالیسواں پر برادری کا اجتماع اور ان کو کھانا کھلانا ایک اچھا خاصہ ہنگامہ برپا کر دیتا ہے۔ اسی لئے پنجاب میں اس روٹی اور اجتماع کو

ہنگامہ کرتے ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ تو خدا نخواستہ اس رسم کو پورا کر ہی دیتے ہیں۔ مگر مفلس اور نادار مسلمانوں کے لئے یہ مصیبت کڑی ہو جاتی ہے قرض لیا جاتا۔ مرنے والے کے یتیم بچوں کے مال سے روپے لے کر اس کی روٹی برادری اور اہل محلہ کیلئے پکائی جاتی ہے۔ اور پھر لوگ اس قدر مسرت سے اس مال ناجائز کو کھانے کیلئے جاتے ہیں جیسے ایک مسرت کی تقریب۔ اور یہ بڑائی کی حیثیت سے جاتے ہیں۔ ملاں جی اس تقریب پر مجلس یا صدر مکرم ہوتے ہیں۔ ان کی صدارت میں یتیموں بیواؤں مسکینوں کا مال ہضم کیا جاتا ہے، مگر کسی کو بھی اس کا خیال نہیں آتا کہ آخر کھانے والے ہی سوچیں کہ ان میں سے کس قدر مستحق افراد نے کھایا۔ اگر کوئی صاحب جرأت کرکے کہہ ہی دیں کہ چوہدری صاحب نمبردار صاحب ملک صاحب، مولانا صاحب حضرت صاحب یتیم اور بیوہ کا مال کھاتے ہوئے تمہیں خوف خدا نہ ہوا۔ وہ گھر تو پہلے ہی اجڑ گیا۔ اب رہا سہا تم نے اجاڑ دیا کچھ تو سوچا ہوتا تو وہ فوراً آگ بگولا ہو کر کہیں گے کہ انہوں نے ہمارے باوا کے چالیسواں پر ہمارا انہیں کھلایا تھا۔ گویا یہ تو لین دین ہے۔ ایصال ثواب نہیں ہے۔ ایک ہاتھ سے اور ایک ہاتھ لے کا چکر ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کیا جاوے گا تو اس بھی بات کہنے والے کو "وہابی" کہکر ناجائز مال ہضم کر لیا جائے گا۔ (ملخصاً)

شرعی حیثیت سے جب تیجا کا ثبوت ہی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے جب اسے نہیں کیا، امام اعظم رح اور دیگر ائمہ راشدہ کی مدت سے جب اس کا نشان تک نہیں ملتا۔ دنیاوی طور پر بھی جب اس کے انتہائی نقصانات ہیں تو پھر اس نتیجہ کو کیونکر اہل سنت کا طغرائے امتیاز قرار دیا جا سکے۔ یہ صاف اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ رسم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں بعض جاہل اور خود غرض واعظوں نے رائج کی ہے۔ اس سے صرف اور صرف دین اسلام کی مخالفت اور بطن عظیم کی خدمت مقصود ہے۔ یہ سنت کے خلاف بدعت کا مجموعہ ہے اس لئے مردود اور غیر اسلامی رسم کہا جائے گا۔ اس لئے بعض بریلوی علماء بلکہ ان کے اعلیٰ حضرت نے بھی اس رسم کو سم قاتل اور مسلمانوں کے لئے انتہائی مضرت رساں قرار دیا ہے۔ مروجہ ختم فاتحہ کو حرام کے اقوال صحیحہ اور بریلوی مکتب فکر کے مقتدا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے عظیم فتویٰ سے ثابت کیا جائے گا کہ تیجا اور ساتواں وغیرہ خلاف اسلام اور خلاف سنت رسمیں ہیں مسلمانوں کو ان سے احتراز کرنا چاہئے۔

ایصال ثواب اور علمائے دیوبند

جہاں تک میت کو ثواب بھیجنے کا تعلق ہے۔ علمائے دیوبند اس کے قائل اور عامل ہیں۔ میت کے رشتہ دار اگر کھانا پکا کر غریبوں اور مساکین کو کھلائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب میت

کو پہنچا دیں گے۔ کسی نادار کی خدمت کرنا اور اس کو کھانا کھلانا قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا یہ سب باتیں جائز ہیں۔ سال بھر اس صدقہ کو جاری رکھا جا سکتا ہے۔ کسی دن کی تخصیص نہیں ہے۔ اور نہ ہی شریعت سے اس کا ثبوت ہے جب بھی چاہیں ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے۔ ایصال ثواب کے لئے مستحق حضرات کو اشیاء دینا ضروری ہے غریب اور نادار مستحق حضرات کا انتخاب ضروری ہے۔

●

۱۔ صحابہ کرامؓ میت کے گھر کا کھانا ناجائز جانتے تھے۔

كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَ صَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ۔

ہم (یعنی صحابہ کرام) میت کے گھر جمع ہوتے اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔ (ابن ماجہ ص۱۱۶)

میت پر آواز کے ساتھ رونا اور نوحہ کرنا اہل جاہلیت کا کام ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے جبکہ سلف صالحین

کے نزدیک نوحہ کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر تیجا ساتا اور چالیسواں کا اجتماع اور اس کے گھر کا کھانا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ناجائز سمجھتے تھے۔ اسی لئے جمہور اہل سنت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ نوحہ کی طرح اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ ۳۸

۲۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ کے نزدیک تیجا ساتا ناجائز ہے

مشہور فقیہ علامہ طاہر بن احمد حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ

وَلَا يُبَاحُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ عِنْدَ ثَلَاثِ اَيَّامٍ لِاَنَّ الضِّيَافَةَ تُتَّخَذُ عِنْدَ السُّرُوْرِ	اہل میت کی طرف تین دن تک ضیافت مباح نہیں ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک جو دعوت اور برادری میں کھانا کھلانے کی رسم موجود ہے اور تیسرے دن چنے وغیرہ منگوا کر تقسیم کرنا یہ سب ممنوع ہیں

۳۔ مصیبت کے دنوں میں دعوت کرنا ممنوع ہے

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ	یعنی مصیبت کے دنوں میں ضیافت

فِی اَیَّامِ الْمُصِیْبَةِ لِاَنَّهَا اَیَّامُ تَاَسُّفٍ فَلَا یَلِیْقُ بِهَا مَا کَانَ لِلسُّرُوْرِ۔ فتاوٰی خانیہ	کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جو کام خوشی کے وقت ہو وہ غمی میں مناسب نہیں ہے۔ ج ۱۴۲

۴۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میت کے گھر کا کھانا بدعت ہے

وَیُکْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ وَهِیَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ	میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ کیونکہ طعام کھلانا تو خوشی کے موقعہ پر ہوتا ہے نہ کہ غمی میں اور یہ نہایت ہی بری اور قبیح بدعت ہے (فتح القدیر ج ا ص ۴۷۳)

۵۔ علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوے

وَیُکْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَةِ فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ وَکَذَا اَکْلُهَا۔ جامع الرموز ج ۳ ص ۳۴۳	ان دنوں میت کے گھر کھانا تیار کرنا اور کھانا دونوں مکروہ ہیں۔

۶۔ سند الفقہاء ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیجا ناجائز ہے

قَرَّرَ اَصْحَابُ مَذْهَبِنَا	ہمارے مذہب (حنفی) کے

مِنْ أَنَّهُ يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَبَعْدَ الْاُسْبُوعِ۔ (مرقات ج ۵)

فقہائے کرام نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح ہفتہ کے بعد طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے نزدیک تیجا حرام ہے

اما این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام۔ مدارج النبوۃ

ترجمہ:۔ یہ تیسرے دن کا مخصوص اجتماع اور تکلفات کرنا اور بغیر وصیت کے یتیموں کے حق سے مال خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تو معاملہ بالکل ہی واضح فرما دیا کہ یہ تیجا اور یتیموں کے مال کا کھانا حرام ہے۔ اس قسم سے پرہیز اور اجتناب لازمی ہے۔

۸۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے نزدیک تیجا منانا ناجائز ہے

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نہ کنند

فتویٰ مولوی احمد رضا **مسئلہ** بریلوی بر رسم طعام بروز تیجا و چالیسواں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ہند میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ واقارب و احباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں۔ بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں۔ اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے پان چھالیوں کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں۔ جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں۔ یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سبحان اللہ اے مسلمان یہ پوچھتا ہے یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے،

۲۔ اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا

قبیح ہے کہ شریع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔

۳:۔ یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے۔

۴:۔ میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں۔

۵:۔ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

۶:۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جس سے ان کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں۔ اور طعن بے ہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ (احکام شریعت)

حرفِ آخر

اس مختصر بحث میں اصحاب رسولؐ کے عمل اور فقہائے کرام کے فتووں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تیجہ ساتا یا چالیسواں جو ہمارے ملک میں رواج پذیر ہے کسی طرح بھی جائز اور مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ چند خود غرض اور پیٹ کے پجاری ملاؤں کی اختراع ہے۔

مسلک اہلسنت کے مطابق روزمرہ شرعی مسائل کا مستند مجموعہ

تینوں حصے مکمل معہ ملفوظات

تصنیف لطیف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قادری قدس سرہ العزیز

دیباچہ و موضوع بندی

علامہ عالم فقری

شبیر برادرز ۴۰۔ بی اردو بازار لاہور

مسئلہ: میت کی تعزیت کیلئے آنے والوں کی تواضع

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ہندیہ میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ و اقارب و احباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے پان چھالیاں کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سبحان اللہ اے مسلمان یہ پوچھتا ہے یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

اولاً: یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ قبیحہ ہے امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔

ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔

اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے اسی طرح علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح

میں فرمایا:

ویکرہ الضیافۃ من اہل المیت لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ

فتاویٰ خلاصہ فتاویٰ سراجیہ و فتاویٰ ظہیریہ و فتاویٰ تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں باالفاظ متقارب ہے:

واللفظ للسراجیۃ لا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلثۃ ایام فی المصیبۃ

اھ زاد فی الخلاصۃ لان الضیافۃ تتخذ عند السرور۔

غمی میں تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق بہا ما یکون للسرور

غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

لا باس بالجلوس للمصیبۃ الی ثلث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اہل المیت۔

مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جاوے۔ جیسے مکلف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے۔ امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں:

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔

یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ و ممنوع ہیں۔ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں:

اطال ذالک فی المعراج وقال ہذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا۔

یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔ جامع الرموز

بزازیہ میں ہے:

یکرہ الجلوس للمصیبۃ ثلاثۃ ایام او اقل فی المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الایام وکذا اکلھا کما فی خیرۃ الفتاوی۔

یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع جیسا کہ خیرۃ الفتاویٰ میں تصریح کی فتاویٰ القرویٰ اور واقعات المفتیین میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور۔

تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہوتی ہے

کشف الغطا میں ہے:

ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت را و پختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعداد وتہیہ آں دشوار است۔

اسی میں ہے:

پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است و تصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور است نہ نزد شرور و ہو الشہور عند الجمہور۔

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم

بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے

نارا ط وسیصلون سعیراہ — بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔

مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اُسے نہ اُس کے باپ نہ اُس کے وصی کو لان الولایۃ للنظر لا للضرر۔ در محل الخصوص اگر اُن میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ راضی ہوں۔

خانیہ و بزازیہ و تتارخانیہ و ہندیہ میں ہے:

والنظم للخانیۃ ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا ذلک من الترکۃ۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ان اتخذ ولی المیت طعاما للفقراء کان حسنا الا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ من الترکۃ۔

ثالثاً - یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الی غیر ذلک اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لیے ناجائز تر ہوگا۔

کشف الغطا میں ہے:

ساختن طعام در روز ثانی و ثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ است زیرا کہ اعانت ست ایشاں را بر گناہ۔

رابعًا: اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلہ کے لیے کھانا پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لیے پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہوگیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کہ بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا غرض اس رسم کی شناعت و ممانعت میں شک نہیں اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے اُن کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کردیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الہادی۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لیے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں۔
کشف الغطاء میں ہے:

مستحب ست خویشاں و ہمسایہ ہائے میت را کہ اطعام کنند طعام را برائے اہل وے کہ سیر کند ایشاں را یک شبانہ روز والحاح کنند تا بخورند و در خوردن غیر اہل میت ایں طعام را مشہور آنست کہ مکروہ ست انتہی مختصرا

عالمگیری میں ہے:

حمل الطعام الی صاحب المصیبۃ والاکل معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز وبعدہ یکرہ۔ کذا فی التتارخانیۃ۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

11-7-54

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء دیوبند اہل السنۃ والجماعۃ
پکے مسلمان ہیں

پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا فتویٰ، خواجہ غلام فرید کی تصدیق،

میاں شیر محمد شرقپوریؒ کا عقیدہ و فتویٰ

اور علماء بریلوی کا فتویٰ

اشاراتِ فریدی

مقابیس المجالس

ملفوظات حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل و مستند مجموعہ

جمع و ترتیب

مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

کپتان واحد بخش سیال

اسلامک بک فاؤنڈیشن ○ لاہور

صوفی فاؤنڈیشن ○ بہاولپور

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شیخ طریقت میں حضرت شاہ مہر علی شاہ گولڑوی کے پیر بھائی ہیں انکی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے!

۳۵۲

مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی حاجی جی صاحب کے مرید اور خلیفہ اکبر ہیں۔ ان کے اور خلفاء بھی بہت ہیں چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور مولوی محمد یعقوب صاحب وغیرہم۔ (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی قدس سرہٗ کا مقام پیدائش ممکن ہے بقول حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ پانی پت ہو۔ لیکن بعد میں آپ تھانہ بھون میں رہتے تھے جو سہارنپور کے قریب ہے۔ پہلے آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے۔ وصال شیخ کے بعد آپ حضرت شیخ میاں جی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر مرید ہونے سے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں داخل ہو گئے۔ اگرچہ دار العلوم دیوبند کے بانی مبانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مشہور ہیں لیکن دراصل یہ دار العلوم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے حکم پر جاری ہوا۔ ہندوستان سے ہجرت کی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند فرمایا اور فوج تیار کر کے ان کے خلاف لڑتے رہے اور کئی ایک مقامات پر فتح بھی حاصل کی۔ ان تمام معرکوں میں سے شاملی کی جنگ زیادہ مشہور ہے جہاں آپ کی فوج نے انگریزی فوج پر فتح حاصل کی تھی۔

۱۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے اس ملفوظ سے ثابت ہوا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم علمائے دیوبند محض اس لئے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ [illegible] مرید تھے

۳۵۳

لیکن جب بالآخر انگریز غالب آ گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۔ مولانا محمد قاسمؒ کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو آپ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے ۔ لیکن مولانا رشید احمد صاحبؒ گرفتار ہو گئے تھے اور کافی عرصہ جیل خانے میں رہنے کے بعد رہا ہوئے ۔ جس جہاز میں حضرت حاجی صاحب سفر کر رہے تھے ۔ اس کا کپتان ایک جرمن افسر تھا جس کا نام مولٹکے (MOLTKE) تھا ۔ جب اس نے محنت طلب کی تو حاجی صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر مٹی کے ڈھیلے جو استنجا کی خاطر رکھے تھے نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیئے ۔ اس کے ہاتھ میں جاتے ہی وہ ڈھیلے سونا بن گئے ۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ افسر مسلمان ہو گیا اور جہاز پہنچا کر استعفیٰ دے دیا اور حضرت شیخ کے مریدین میں شامل ہو گیا اور بڑے مراتب کو پہنچا ۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں ایک مشک خرید لی تھی ۔ جب روزانہ رقم جمع ہو جاتی تھی تو مشک رکھ کر یاد خدا میں مشغول ہو جاتے تھے ۔ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی کرامات دیکھ کر شریف حسین والی حجاز آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا ۔ اسی طرح خدیو مصر کا پیر جب مکہ معظمہ آیا تو حاجی صاحب کی عظمت ولایت دیکھ کر حضرت خود مرید ہوئے بلکہ اپنے تمام مریدین کو بھی حکم دیا کہ آج سے تم سب حاجی امداد اللہ کے مرید ہو ۔ حتیٰ کہ مصر جا کر اس نے خدیو مصر کو حکم دیا کہ تم بھی غیبی طور پر حاجی صاحب سے بیعت کر لو ۔ خدیو مصر کے پیر کی بدولت سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ امدادیہ بلاد عرب میں بہت پھیلا ۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی بدولت بھی سلسلہ چشتیہ عربستان میں پھیلا ۔ یہی وجہ ہے کہ عرب شریف میں فرید اور صابر نام کثرت سے رکھے جاتے ہیں ۔ حضرت شاہ مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کو بھی سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ ملی تھی

وہابی عقیدہ صحیح رکھتے ہیں

فتویٰ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ

مقابیس المجالس ص ۶۹۶

۶۹۶

وہابی اور شیعہ مذہب

اس کے بعد وہابیوں اور شیعوں کا ذکر ہونے لگا۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ شیعہ وہابیوں سے بہتر ہیں کیونکہ وہابی لوگ صحابہ کرام کو برا نہیں کہتے بلکہ تعظیم کرتے ہیں لیکن شیعہ لوگ صحابہ کرام کو دشنام دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک اسی طرح ہے کہ وہابی نہ صحابہ کرام کو برا کہتے ہیں نہ ولایت سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس شیعہ لوگ ولایت کے بھی منکر ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ توحید کے بارے میں وہابیوں کے عقائد صوفیائے کرام سے ملتے جلتے ہیں۔ وہابی کہتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے بیشک غیر خدا سے امداد مانگنا شرک ہے۔ توحید یہ ہے کہ خاص حق

۶۹۷

تعالیٰ سے مدد طلب کرے چنانچہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں) کا مطلب یہی ہے۔

علمائے دیوبند اہلسنّت والجماعت ہیں

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا فتویٰ

فتاویٰ مہریہ افاضات السنیہ صـ ۱۲

۱۲

آیت کریمہ من بشر کے بعد یوحی الی

اور اشہد میں عبدہ کے بعد رسولہ اور کلام اہل فضیلت وعرفان میں ہے۔ فمبلغ العلم فیہ انہ بشر و انہ خیر خلق اللہ کلہم۔

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت والجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

خزینہ معرفت

المعروف

تذکرہ عاشق ربانی شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ

انجمن ارشاد المسلمین

دارالعلوم دیوبند میں چار نوری وجود ہیں جن میں سے ایک علامہ انور علی شاہ کاشمیری ہیں

میاں شیر محمد شرقپوری نقشبندی کا فتویٰ

خزینۂ معرفت صفحہ ۳۸۴

باب ۱۳ — ۳۸۴ — [illegible]

دیوبند میں چار نوری وجود

مولانا مولوی انور علی شاہ صاحب مدرس مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی محمد علی صاحب جالندھری [illegible] حاضر

ہوئے۔ اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو [illegible] ملاقات سے ملے۔ آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے۔ اور شاہ صاحب خاموش رہے پھر آپ نے مولانا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ [illegible] حضرت میاں صاحب [illegible] کرنے کے لئے [illegible] تشریف [illegible] شاہ صاحب نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو کہا۔ آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور [illegible] مکان پر تشریف لے گئے بعد ازاں آپ نے [illegible] فرمایا۔ شاہ صاحب بڑے عالم [illegible] میرے جیسے [illegible] کر لیا [illegible] اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں ان میں ایک شاہ صاحب ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقائد
پیران عظامؒ
و فتاویٰ
علماء بریلویت

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں۔ سلطان العارفین سلطان باہوؒ کا عقیدہ

دیوان باہو ا

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ہو
ولا موجود فی الکونین ولا مقصود الا ہو

ناں یقین کمال مکمل ایہ گل ثابت ہوئی
دوہیں جہانیں حاضر ناظر اللہ باجھ نہ کوئی

دیوان باہو ۱ مترجم پنجابی

دیوان حضرت سلطان باہو رح

مترجم بہ ترجمہ نظم پنجابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ہو	ولا موجود فی الکونین ولا مقصود الا ہو
ناں یقین کمال مکمل ایہ گل ثابت ہوئی	دوہیں جہانیں حاضر ناظر اللہ باجھ نہ کوئی
بجز تیغ لا بدست آری بیا تنہا خمہ داری	مجرد شو بحق یاری کہ لا فتاح الا ہو

حضور اکرمؐ مدینہ منورہ اپنے روضہ انور میں ہی ہیں؟ خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے کا عقیدہ، دیوان فریدی ۱۲۵/۱۷

کافی نمبر ۲۲

اتھاں میں مٹھڑی نت جان بلب
اوتاں خوش وسدا وچ ملک عرب

ہر ویلے یار دی تانگھ لگی !
جیں سینے سیک دی سانگ لگی

ڈکھی دردی ہے سک تانگھ لگی
تھئے ریل ریل ملول ہمیشے سب

تتی تھی جوگن چودھار پھراں
ہتھ سینے بھبھا تے مار پھراں

ہنج ہار تے شہر بازار پھراں
متاں یار ملم کتھیں سانگ سبب

گھر شاہ مکھڑے عشق تھئے کتھاں تئیں ہاں
تیڈے نام توں صدقت کا نیچی ہاں

ایہ تاں ہمی میں باندری ہاں
ہتھ ودیاں کتیاں نال ادب

انبیاء کرام و اولیاء عظام کو حاضر و ناظر سمجھنے والے کافر ہیں نسل رضاخانیت کے پانچ مفتیوں کا مجموعہ فتویٰ! انوار شریعت یعنی جامع الفتاوی ص ۴۲۶

ہر آن اور ہر وقت حاضر ناظر خداوند کریم لم یلد ولم یولد کا خاصہ ہے۔ اور وہ ذات لازوال لیس کمثلہ شیء ہے اور اس کے صفات بھی لیس کمثلہ شیء ہیں اور اسی طرح کے صفات ذاتیہ ہیں کسی انبیاء و اولیاء عظام کو شریک کرنا ویسا ہی سمجھنا اور اسپر اعتقاد کرنا صریح کفر ہے۔

ہزاروں مسائل کی معلومات کا خزینہ

جامع الفتاوی

المعروف

انوار شریعت

از افادات

مجدد اسلام شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب لائلپوری رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی

الناشر: سنی دار الاشاعت

قوالی حرام ہے

حاضرین گنہگار ہیں۔ ان سب کا گناہ عرس کرنے والوں پر ہے

(حیات احمد رضا ص ۱۳۶، ملفوظات ص ۹۳ ملفوظ اول)

• مزامیر جنھیں مٹانے کے لیے حضور پرنور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے آلات لہو مطلقاً حرام ہیں۔[1]

ایسی قوالی میں شرکت کے لیے دریافت کیا گیا جس میں آلات موسیقی وغیرہ کا اہتمام ہو تو جواب دیا:

"ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر۔"[2]

---

[1] احمد رضا خاں: مسائل سماع، مطبوعہ لاہور، ص ۳۲

[2] احمد رضا خاں: احکام شریعت، حصہ اوّل، ص ۳۳

جس شادی میں گانا بجانا اور منکرات شرعیہ کا ارتکاب ہو اس میں شرکت سے منع فرمایا اور یہ ہدایت کی:

"جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔"[1]

---

[1] احمد رضا خاں: ہادی الناس فی رسوم الاعراس (۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء) مطبوعہ ... ص ۲

[2] ایضاً، ص ۳

حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی

۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء تا ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

پاکستان

۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

[illegible]

کشف المحجوب

مصنفہ

حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی قدس سرہٗ

تقریظ

علامہ اسد نظامی

ناشر

نوری بک ڈپو، لاہور

حضور علیہ السلام کے لئے دعویٰ علم الغیب کرنیوالا اور اسکا مؤید دونوں کافر ہیں

پیر مہر علی شاہ کا فتویٰ: اعلاء کلمۃ اللہ ص ۱۴۲

جواب: غیب نام چیزیست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ و علم ضروری و علم استدلالی غائب باشد و او مخصوص است بحق سبحانہ و تعالیٰ کما فی النصوص پس کسیکہ دعویٰ نماید او برائے خود کافر است و ہمچنین مصدق آن۔ اما خبر نبی از جہت بودن او مستفاد از وحی یا از پیدا نمودن حق سبحانہ و تعالیٰ علم ضروری در وے یا انکشاف حوادث بر حواس او پس نیست داخل در علم غیب۔

جواب: پہلے غیب کے معنی بتلائے جاتے ہیں غیب نام ہے اس چیز کا جو حواس ظاہرہ و باطنہ کے ادراک اور علم بدیہی اور استدلال سے غائب ہو اور یہ علم حضرت حق سبحانہ کے ساتھ مختص ہے جبکہ ان آیات میں مراد ہے پس اگر اس علم غیب کی تصدیق کرے تو وہ کافر ہے مگر جو خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا علم ضروری نبی کے اندر پیدا فرما دیتے ہیں یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف فرماتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔

جواب۔ غیب نام چیزیست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ و علم ضروری و علم استدلالی غائب باشد و او مخصوص است بحق سبحانہ و تعالیٰ کما فی النصوص پس کسیکہ دعویٰ نماید او برائے خود یا برائے دیگری تصدیق آن۔ اما خبر نبی از جہت اینکہ او مستفاد از وحی و از پیدا نمودن حق سبحانہ و تعالیٰ علم ضروری در وی و از انکشاف حوادث بر حواس او پس نیست داخل در علم غیب۔

جواب: پہلے غیب کے معنی بیان کئے جاتے ہیں غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ و باطنہ کے ادراک اور علم بدیہی اور استدلالی سے غائب ہو اور یہ علم حضرت حق سبحانہ کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ ان آیات میں وارد ہے پس اگر اس علم غیب کا کوئی مدعی ہو اپنے نفس کیلئے یا کسی غیر کیلئے اس قسم کے دعوے علم غیب کی تصدیق کرنے تو وہ کافر ہے مگر جو خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا علم ضروری نبی کے اندر پیدا فرما دیتے ہیں یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف فرما دیتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔

علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے
احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

خالص الاعتقاد ۲۴

(۱) علم غیب کا خاصہ حضرت عزت ہونا بیشک حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ تم فرمادو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں

(۲) علم خاص اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے

(۳) کسی مخلوق کا معلومات الہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الہیہ سے وہ نسبت ہوگی۔ جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے خالص الاعتقاد صہ ۲۵

(۴) ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔ خالص الاعتقاد صہ ۲۰

قبروں پر چراغ جلانا منع ہے

حیات احمد رضا ص۲۴۲ ، ۱۲۵ ۔ فتوی مولوی احمد رضا بریلوی

قبر پر لوبان وغیرہ جلانے کے لیے دریافت کیا تو جواب دیا گیا:

"عود، لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہیے"

"قبروں کی طرف شمع لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔" [۱]

[۱] احمد رضا خاں، البریق المنار بشموع المزار (سنہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء) مطبوعہ لاہور ص ۹

کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنا خلاف شریعت ہے

(حیات احمد رضا ص۱۲۰ ۔ فتوی احمد رضا بریلوی)

"بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے اور مومن کو عمل نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل اور کرنے پر دس ہو جاتا ہے" [۲]

"رہا کھانا سامنے کا ثواب، وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں تو کیا ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا سمجھا جاتا کہ جب تک وہ شے موجود نہ ہو کیا بھیجی جائے، حالانکہ اس کا طریقہ حضرت جناب باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میت کو پہنچائے ۔ جو کسی کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائیگا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے۔"

[۲] احمد رضا خاں، الحجۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحۃ (سنہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) مطبوعہ لاہور ص ۱۲

علوم خمسہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا

نعیم الدین مراد آبادی کا عقیدہ کنز الایمان

ف۶۵ شانِ نزول، یہ آیت حارث بن عمرو کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کا وقت دریافت کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ میں نے کھیتی بوئی ہے خبر دیجئے مینہ کب آئے گا اور میری عورت حاملہ ہے مجھے بتائیے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی یہ تو مجھے معلوم ہے کہ کل میں نے کیا کیا یہ مجھے بتائیے کہ آئندہ کل کو کیا کروں گا یہ بھی جانتا ہوں کہ میں کہاں پیدا ہوا مجھے یہ بتلائیے کہ کہاں مروں گا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور انبیاء کرام و اولیاء کو غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے

الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ

بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے

قیامت کا علم خاصہ باری تعالیٰ ہے

نعیم الدین بریلوی کا فتویٰ کنزالایمان صفحہ ۲۴۸

۲۶۳ شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتائیے کہ قیامت کب قائم ہوگی کیونکہ ہمیں اس کا وقت معلوم ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۲۶۴ قیامت کے وقت کا بتانا رسالت کے لوازم سے نہیں ہے جیسا کہ تم نے قرار دیا اور اے یہود تم نے جو اس کا وقت جاننے کا دعویٰ کیا یہ بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مخفی کیا ہے اور اس میں اس کی حکمت ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ
تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں ۲۶۳

اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ
کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر

اِلَّا هُوَ ۘؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ
کرے گا ۲۶۴ بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں تم پر نہ آئے گی مگر اچانک

ف۲۶۲ یعنی قرآن پاک کے بعد اور کون سی کتاب [illegible]
میں ف۲۶۳ شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتائیے کہ قیامت کب قائم ہوگی کیونکہ ہمیں اس کا وقت معلوم ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ف۲۶۴ قیامت کے وقت کا بتانا رسالت کے لوازم سے نہیں ہے جیسا کہ تم نے قرار دیا اور اے یہود تم نے جو اس کا وقت جاننے کا دعویٰ کیا یہ بھی غلط ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مخفی کیا ہے اور اس میں اس کی حکمت ہے۔

تمام انبیا علیہم السلام بشر تھے

امجد علی بریلوی اور نعیم الدین بریلوی کا فتویٰ

بہار شریعت ۹ عقیدہ : نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں

عقیدہ : انبیاء سب بشر تھے اور مرد نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

بہار شریعت

حصہ اول

مولانا مولوی حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب اعظمی

حنفی قادری برکاتی دامت فیوضہم

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ـــــ حیدرآباد ـــــ کراچی

کتاب العقائد: س: کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں
ج: نہیں، نبی صرف انسان میں سے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی فقط مرد، کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔

سوالات

س۱: کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟ ج: نہیں۔ نبی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی فقط مرد۔ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔

بشریت النبی کے دشمن منکرِ قرآن اور کافر ہیں

نعیم الدین مراد آبادی بریلوی کا فتویٰ

جو لوگ بشریٔ رسول کی بشریت کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل قرآن و حدیث سے انکار کرتے ہیں اور کافر ہو گئے ہیں۔ ف ۹۹ اس گمراہی میں بہت سی امتیں مبتلا ہو کر اسلام سے محروم ہیں۔ قرآن پاک میں جا بجا ان کے تذکرے ہیں اس امت میں بھی بہت سے بد نصیب سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں۔

بشریت النبی پوری امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ امام الانبیاء کی بشریت پر تمام امت مسلمہ کا عقیدہ

مولوی عبدالسمیع بریلوی کا عقیدہ انوار ساطعہ ص ۲۳۳

آیۃ انما انا بشر مثلکم الخ کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں ہیں۔

آیۃ انما انا بشر مثلکم الخ کا منکر کوئی اہل اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بشر ہیں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں ہیں [illegible] کوئی بشر
[illegible]
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible]

بشر کو رسول بنانا سنتِ الٰہی ہے

مفتی نعیم الدین مراد آبادی کا فتویٰ

ف۴۹ شانِ نزول یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس طرح انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے انہیں بتایا گیا کہ سنتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ ہمیشہ اس نے انسانوں میں سے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ف۵۰ حدیث شریف میں ہے بیماری جہل کی شفا علماء سے دریافت کرنا ہے۔ لہٰذا علماء سے دریافت کرو وہ تمہیں بتا دیں گے کہ سنتِ الٰہیہ یونہی جاری رہی کہ اس نے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
اور ہم نے نہیں بھیجے

قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ
تم سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں

لَا تَعْلَمُونَ
علم نہیں ف۵۰

ف۴۹ شانِ نزول یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا اس طرح انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے انہیں بتایا گیا کہ سنتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے ہمیشہ اس نے انسانوں میں سے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ف۵۰ حدیث شریف میں ہے بیماری جہل کی شفا علماء سے دریافت کرنا ہے لہٰذا علماء سے دریافت کرو وہ تمہیں بتا دیں گے کہ سنتِ الٰہیہ یونہی جاری رہی کہ اس نے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا

انبیاء کی بشریت انکا کمال ہے

پیر مہر علی شاہ کا فتویٰ !

انبیاء کی بشریت کا منکر کمالات انبیاء کا منکر ہے کیونکہ بشریت خاصہ انبیاء ہے اور انکے کمالات نبوت کی دلیل۔

مخدوما! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنے میں بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوما و معنا متضمن بکمال ہے۔ فتویٰ مہریہ صلا

۲۔ بشر ہی کو کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے۔ اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات استجلائیہ سے از گروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابو القاسم آنحضرت اصالتاً و از جماعت اولیاء کرام وراثۃ۔

فتویٰ مہریہ۔ صلا

مخدوما! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنے میں بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال رہے

۲۔ بشر ہی کو کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے۔ اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات استجلائیہ سے از گمرہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آں حضرت صلی اللہ واز جماعت اولیاء کرام حضرت

جنت صرف انسانوں کے لئے ہے

مفتی احمد یار گجراتی بریلوی کا فتویٰ

نور العرفان صفحہ ۴۶ سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ انسان دیگر تمام مخلوقات سے افضل و اشرف ہے اسی لئے اسے اشرف المخلوقات کہتے ہیں۔ انسان ہی میں نبی ولی ہیں انسان ہی کو اچھی صورت، تمام چیزوں پر غلبہ دنیا و آخرت کی تدبیریں عقل وغیرہ عطا فرمائیں تمام چیزیں انکے لئے پیدا فرمائیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے۔

منکرین شریعت انبیاء مفتی احمد یار بریلوی کے فتویٰ پر عمل کرکے اپنے لئے کفریہ عقیدہ سے تائب ہو جائیں ورنہ اس فتویٰ سے جو نتیجہ اخذ ہوگا وہ قیامت کی ادھار سمجھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں رب نہیں

مفتی احمد یار گجراتی کا فتویٰ

رسائلِ نعیمیہ

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ

کے

آٹھ مختلف رسائل اور چھوٹی کتب کا مجموعہ

ناشر

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں نعیمی نقشبندی

نعیمی کتب خانہ گجرات

ہدایت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی نبی ولی کو نہیں۔ رضا خاں کا فتویٰ شرح المطالب ۲۹

آیات قرآنیہ آیت اول قال اللہ تبارک و تعالیٰ :

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین ہ اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں۔

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیہ کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

شیخ فرماتے ہیں حدیث صحیح ابو طالب کا کفر ثابت کرتی ہے۔ علماء سنت ابو طالب کا کفر مانتے ہیں شیعہ انہیں مسلمان جانتے ہیں ان کے دلائل مردود و باطل ہیں۔

۹

(شرح المطالب ۲)

فصل اول

آیات قرآنیہ آیت اولیٰ قال اللہ تبارک و تعالیٰ :

انک لا تھدی من احببت ولکن	اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست
اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم	رکھو ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے
بالمھتدین ہ	وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیہ کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

معالم التنزیل میں ہے: نزلت فی ابی طالب۔

جلالین میں ہے: ونزل فی حرصہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ایمان عمہ ابی طالب۔

مدارک التنزیل میں ہے: قال الزجاج اجمع المفسرون انہا نزلت فی ابی طالب۔

حدیث اول صحیح حدیث میں ہے جس کا مطلب: جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا ورنہ حضور کی خوشی کر دیتا اس پر رب العزۃ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیۂ کریمہ اتاری یعنی اے حبیب تم اس کا غم نہ کرو تم اپنا منصب تبلیغ ادا کر چکے ہدایت دینا اور دل میں نور ایمان پیدا کرنا تمہارا فعل نہیں اللہ عزوجل کے اختیار ہے اور اُسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا کسے محروم رکھے گا۔

آیت ثانیہ قال عزّ جلالہ:

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لہم انہم اصحٰب الجحیم۔	روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔ [illegible]

شرح المطالب ۱۲ - ۱۳

الحسنی

حدیث جلیل سے واضح کہ ابوطالب نے وقت نزع کلمہ طیبہ سے صاف انکار کر دیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ عزوجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لیے استغفار کروں گا مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابوطالب کے لیے استغفار سے منع کیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ مشرکوں دوزخیوں کے لیے استغفار جائز نہیں۔

آیت ثالثہ ۳

قال عز مجدہ وھم ینھون عنہ وینأون عنہ وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون ۝

وہ انہیں نبی سے اوروں کو روکتے اور
باز رکھتے ہیں اور خود اس پر ایمان لانے
سے اور دور رہتے ہیں اور وہ کچھ نہیں
خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور
انہیں شعور نہیں

یعنی جان بوجھ کر بے شعوروں کے سے کام کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بے شعور کون۔ سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے تلمیذ رشید سیدنا امام اعظم کے استاذ مجید امام عطاء بن ابی رباح و مقاتل وغیرہم مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت ابو طالب کے باب میں اتری۔

اللہ و رسول اور مسلمانوں سب کا کافر ہے۔ امام حکیم ترمذی و دیلمی و ابن عدی و خطیب بغدادی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
من استعمل رجلا من عصابۃ وفیھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین
جو کسی جماعت سے ایک شخص کو کام پر مقرر کرے اور ان میں وہ موجود ہو جو اللہ عزوجل کو اس سے زیادہ پسند ہے بیشک اس نے اللہ و رسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد رضا بریلوی کا دعویٰ کہ حضورؐ نے میرے پیچھے نماز ادا کی۔ روضہ رسول اللہؐ اور برکات احمد کی قبر میں فرق نہیں

مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور حضرت پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائی تھے کہ ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت پیر و مرشد کا نام پاک لیتے اور ان کے آنسو رواں نہ ہو گئے جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا مجھے بلامبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ حضور کہاں تشریف لیے جاتے ہیں فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا

ملفوظات حصہ دوم صفحہ ۲۴

الملفوظ

شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے العیاذ باللہ مولوی عبدالسمیع بریلوی کا عقیدہ

انوار ساطعہ ص۱۷۱

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ کی موجودگی میں اونچی آواز کرنا کفر اور بے ادبی ہے مفتی احمد یار گجراتی کا فتویٰ

نور العرفان ص۸۱۱ نیز معلوم ہوا کہ اس بارگاہ کا بے ادب مومن ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کفر ہے اور بے ادب کافر۔ کیونکہ حضور کی آواز پر اونچی آواز کرنے سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ؎ شان نزول۔

شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، مختار کل ہے

اور علم غیب جانتا ہے۔ مفتی احمد یار گجراتی کا فتویٰ

(نور العرفان صفحہ ۲۳۳)

نور العرفان صفحہ ۱۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مصنفہ
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ
نوری بک ڈپو لاہور

نص (۱۲) غایۃ البیان علامہ اتقانی قلمی کتاب الکراہیۃ قبیل فصل من البیع اَنَّ السُّجُوْدَ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی کُفْرٌ اِذَا کَانَ مِنْ غَیْرِ اِکْرَاہٍ
غیر خدا کو بلا اکراہ سجدہ کفر ہے۔

نص (۱۳) منح الروض ص ۲۳۵ وَلَا یَحِقُّ بِغَیْرِ الْاِکْرَاہِ یَکْفُرُ عِنْدَھُمْ بِلَا خِلَافٍ۔ اگر بلا اکراہ سجدہ کیا تو باتفاق علماء کافر ہو جائیگا

غیر اللہ کو سجدہ تحیت خنزیر کھانے سے بدتر ہے۔ احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

حرمت سجدہ تعظیمی ۲۴

اقول: ان وہ عبارات نے روشن کیں کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت شراب پینے اور سور کھانے سے بدتر ہے۔

قبروں کی طرف اور قبروں پر نماز پڑھنا منع ہے
احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

حرمت سجدہ تعظیمی ۳۰/۳۱

نوع دوم: قبر کی طرف سجدہ کرنے کی ممانعت۔

حدیث بست و چہارم: امام احمد و امام مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و امام طحاوی ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَیْھَا۔ قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔

حدیث بست و پنجم: طبرانی معجم کبیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا لَا تُصَلُّوْا اِلٰی قَبْرٍ وَّ لَا تُصَلُّوْا عَلٰی قَبْرٍ۔ نہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور نہ قبر پر نماز پڑھو۔

حدیث بست و ششم، صحیح ابن حبان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ اِلَی الْقُبُوْرِ۔ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ علامہ سخاوی نے کہا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ہماری شریعت میں جس طرح ماں بہن سے نکاح منسوخ ہے اسی طرح ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی بھی منسوخ ہے

مولوی احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

حرمت سجدہ تعظیم ۱۰۱

(۱۳۲) اب شرائع سابقہ اور نسخ اور قطعی و ظنی کا سب جھگڑا خود ہی چکا دیا، اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرما چکا وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ تم جہاں کہیں ہو کعبہ ہی کو منہ کرو۔ تو جس طرح اس آیت سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا، اور جو اس طرف نماز کا قصد کرے، مستحق جہنم ہے، یوں ہی آدم و یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کے یہاں جو معظمان دین کو سجدہ بنانا تھا وہ بھی بعینہٖ اسی آیت سے منسوخ ہو گیا، اور مشائخ و مزارات کو سجدہ بنانے والا حکم الٰہی کا مخالف و مستحق نار ہو گیا، جیسے کوئی بہن سے نکاح کرے، اس سند سے کہ شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جائز تھا، واقعی حلے تغیرہا نجفی پراقتش۔

غیر خدا کیلئے سجدہ تعظیمی جائز جاننے والے بریلوی کا پیر و مرشد پر لازم ہے کہ اپنے مریدوں کا سجدہ کریں" مفتی احمد یار کا تحریری فتویٰ

الایمان باللہ - نورالعرفان

یہاں سجدہ سے مراد وہی عرفی سجدہ ہے۔ یعنی پیشانی زمین پر رکھنا۔ جیسا دلیل قرآنی کی آیات میں تاویل نہیں چاہیے اور سجدہ یوسف علیہ السلام کو تھا نہ کہ رب تعالیٰ کو جیسا کہ لفظ سے معلوم ہوتا ہے جو مشائخ دا ذا اس آیت سے سجدہ تعظیمی کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے مریدوں کو سجدہ کیا کریں مریدوں سے اپنے کو سجدہ نہ کرایا کریں

[illegible]

[illegible]

غیر اللہ کے نام جانور ذبح کرنے والے ملعون ہیں
پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا عقیدہ

اعلاء کلمۃ اللہ ص ۵۴

وفی الحدیث لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ رواہ احمد وایضاً ملعون من ذبح لغیر اللہ رواہ ابو داؤد وفی غرائب ابی عیینہ وبستان الفقیہ وکنز العباد انہ لا یجوز ذبح البقر والغنم عند القبور لقولہ علیہ السلام لا عقر فی الاسلام یعنی عند القبور ہکذا فی سنن ابی داؤد

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا اس شخص کو لعنت کرے جس نے غیر خدا کے لیے جانور ذبح کیا روایت احمد یا وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کیا روایت ابو داؤد اور غرائب ابی عیینہ اور بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ قبروں کے نزدیک گائے اور بکری کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے لا عقر فی الاسلام یعنی عند القبور یعنی اسلام میں قبروں کے نزدیک ذبح کرنا درست نہیں۔ سنن ابی داؤد میں بھی اسی طرح مروی ہے

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کتے اور خنزیر سے زیادہ پلید ہے

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا فتویٰ (اعلاء کلمۃ اللہ)

خواہ در وقت ذبح نام
خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چوں شہرت
داد کہ ایں جانور برائے فلاں است
ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد
چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و
خبثے در وے پیدا شد کہ زیادہ از خبث
مردار است زیرا کہ مردار بے ذکر نام
خدا جان دادہ است و جان ایں جانور
را نذر غیر خدا قرار دادہ کشتہ اند و آں
عین شرک است ہرگاہ ایں خبث
در وے سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا
حلال نشود مانند سگ و خوک کہ
اگر بنام خدا ذبح شوند حلال نشوند
کذالخ

ذبح کے وقت خدا کا نام لیں یا نہ لیں
کیونکہ جب مشہور کیا گیا کہ یہ جانور
فلاں کے لئے ہے۔ تو پھر ذبح کے
وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا
کیونکہ وہ جانور غیر خدا کی طرف منسوب ہو چکا
اور اس میں اس قدر پلیدی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ
مردار سے بھی زیادہ ہو گیا ہے کیونکہ مردار تو خدا
کا نام لئے بغیر مر گیا ہے اور اس جانور کی جان
کو غیر خدا کے لئے قرار دے کر ذبح کیا گیا ہے اور یہ
اصل شرک ہے جب یہ پلیدی اس میں
سرایت کر گئی پھر خدا کے نام لینے سے کبھی
حلال نہیں ہوتا جس طرح کتا اور سور
خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو
سکتے

اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں

مولوی احمد رضا بریلوی کا فتویٰ

۱۶

مسئلہ:- اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت نماز خوانی یعنی پنج آیت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں، اور علما بھی درست بتلاتے ہیں، اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں۔ آیا یہ قول درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:- اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں۔ جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون و مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت جانے وہ بے شک غلطی پر ہے۔

(ابر المقال) احمد رضا خان

اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام نہ زمانہ نبویؐ اور نہ زمانہ خلفاء راشدینؓ میں پڑھا جاتا تھا

فیض احمد اویسی بریلوی کا فتویٰ زیارت بغداد و عراق

اس لئے نہ سنتِ نبوی ہے اور نہ سنتِ خلفاء راشدین ہے بلکہ بدعت ہے۔

(اذان کے ساتھ قبل اذان یا بعد اذان مؤذن جو سلام پڑھتے ہیں عہد نبویؐ اور زمانۂ خلفاء راشدینؓ میں نہ پڑھا جاتا تھا

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مؤذن جو سلام پڑھتے ہیں عہد نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین میں نہ پڑھا جاتا تھا فرمایا کہ مصر میں روافض کی حکومت کے دوران مؤذن اذان کے بعد خلیفہ اور اس کے وزیروں پر سلام پڑھتے تھے یہاں تک کہ جب حاکم بامر اللہ فوت ہوا اور اس کی بہن تخت نشین ہوئی تو مؤذن اس حکمران عورت اور اس کی وزیر عورتوں پر سلام پڑھتے تھے